رزقِ حلال و غیبی معاشِ اولیاء

مسمّٰی بہ

ترغیب المسلمین

فی

الرِّزقِ الحلالِ وَطِعمۃ الصّالحین

محدّثِ اعظم، مفسّرِ کبیر، مصنّفِ افخم، ترمذیِ وقت

حضرت مولانا محمّد موسیٰ روحانی بازی

طیّب اللّٰہ آثارہ واعلیٰ درجاتہ فی دارالسّلام

رزقِ حلال و غیبی معاشِ اولیاء

مسمّٰی بہ

ترغیب المسلمین

فی

الرِّزقِ الحلالِ وَطِعمۃ الصّالحین

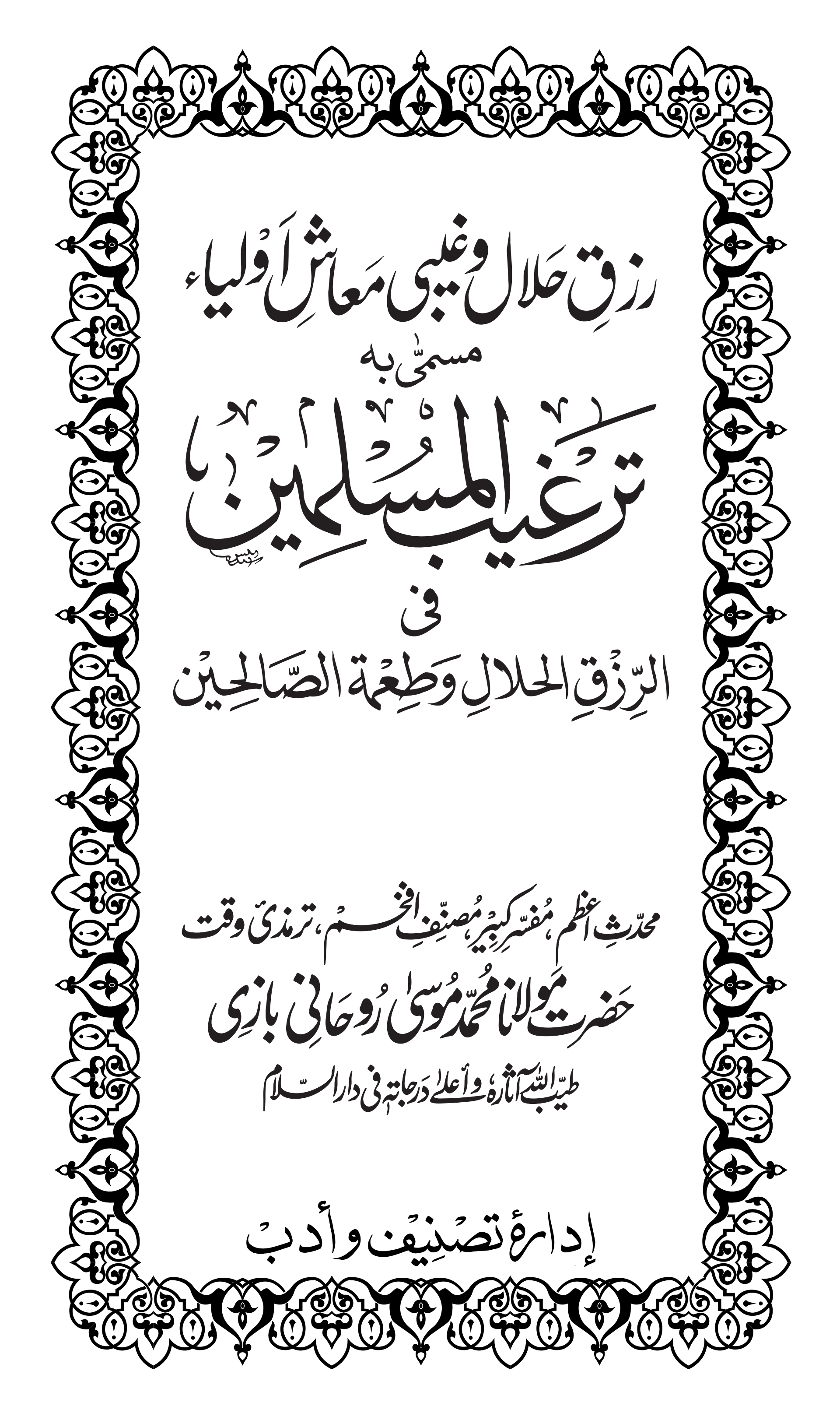
اسمِ کتاب :	ترغيب المسلمين في الرزق الحلال وطِعمة الصالحين
اسمِ مؤلف :	محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ
طبعِ دهم :	۱۴۴۲ھ - ۲۰۲۰م

إداره تصنيف و أدب
مرکزی دفتر :	القلم فاؤنڈیشن ۔ ۱۳ ڈی ، بلاک بی
سمن آباد ، لاهور ، پاکستان
فون :	۰۰۹۲ ۴۲ ۳۷۵۶۸۴۳۰
موبائل :	۰۰۹۲ ۳۰۱ ۸۷۴۹۹۱۱
إی میل :	alqalam777@gmail.com
ویب :	www.jamiaruhanibazi.org

Idara Tasneef wal Adab
(Institute of Research and Literature)
Alqalam Foundation
Address: Head Office: 13-D, Block B,
Samanabad, Lahore, Pakistan.
Phone: +92-42-37568430
Cell: +92-301-8749911
Email: alqalam777@gmail.com
Web: www.jamiaruhanibazi.org



الناشر
إدارة التصنيف والأدب



رزقِ حلال و غیبی معاشِ اولیاء

مسمّٰی بہ

ترغیب المسلمین

فی

الرِّزقِ الحلالِ وطِعمة الصّالحِین

محدّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت

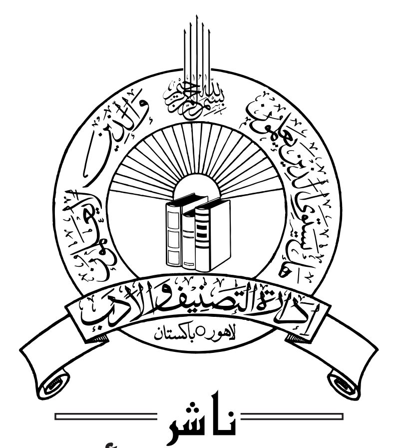
حضرت مولانا محمّد موسیٰ روحانی بازی

طیّب اللہ آثارہ واعلیٰ درجاتہ فی دار السّلام

إدارۂ تصنیف وأدب

حکومت پاکستان سے ایوارڈ یافتہ کتاب





ناشر

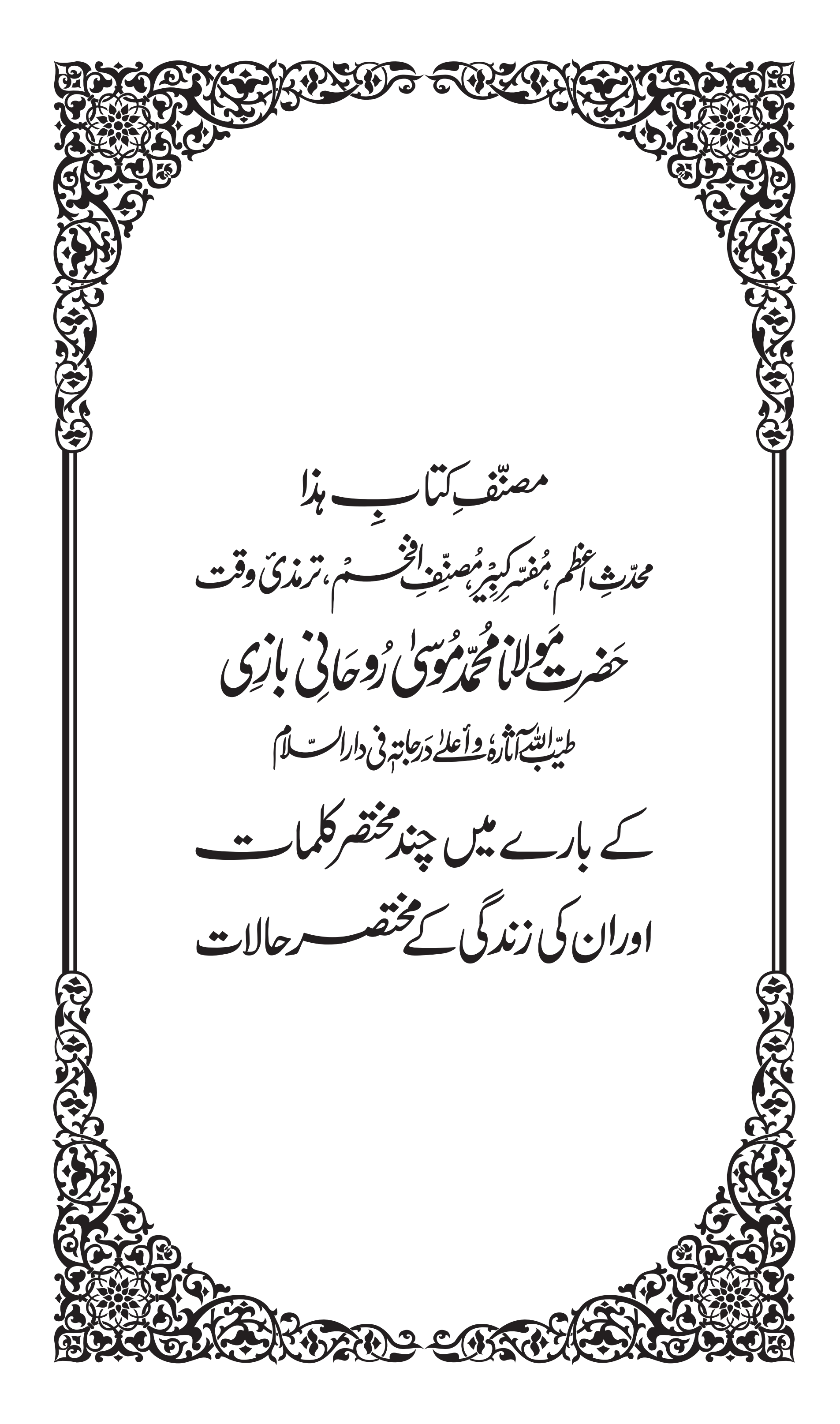
إدارۂ تصنیف وأدب

جامعۃ محمد موسیٰ البازی

برہان پورہ، نزد اجتماع گاہ، عقب گورنمنٹ ہائی سکول، رائیونڈ، لاہور

منگوانے کا پتہ »» مرکزی دفتر: القلم ٹرسٹ، 13 ڈی، بلاک بی سمن آباد، لاہور۔
موبائل: 0300-4101882 فون: 042-37568430

www.jamiaruhanibazi.org
Email: alqalam777@gmail.com



مصنّفِ کتابِ ہذا

محدّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت

حضرت مولانا محمّد موسیٰ روحانی بازی

طیّب اللّٰہ آثارہ، وأعلیٰ درجاتہ فی دار السّلام

کے بارے میں چند مختصر کلمات

اور ان کی زندگی کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔
أَمَّا بَعْدُ!

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهٖ
إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهٖ لَبَخِيْلُ

ترجمہ "یہ بات بڑی بعید ہے، زمانہ ان جیسی شخصیت نہیں لائے گا۔ بیشک ایسی شخصیات کے لانے میں زمانہ بڑا بخیل ہے"۔

محدث اعظم، مفسر کبیر، فقیہ افہم، مصنفِ افخم، جامع المعقول والمنقول، شیخ المشائخ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی طیب اللہ آثارہ و اعلیٰ درجاتہٗ فی دارالسلام کی شخصیت علمی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنے عہد میں دنیا بھر کے ذہین لوگوں میں سے ایک تھے۔ آپ کی علمی مصروفیات قدرت نے آپ کی تسکین کیلئے پیدا کر رکھی تھیں۔

لاریب! ان کی شخصیت سدا یادگار رہے گی۔ اس وقت ان کی موت سے چمنستانِ اسلام اجڑ گیا ہے، علماء یتیم ہو گئے ہیں اور اہل اسلام ان

کے علم و فقہ سے محروم ہو گئے ہیں۔ ان کی باتیں بے شمار ہیں، ان کے سنانے والے بھی بے شمار ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف گوشے لوگوں کے سامنے ہیں اور زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہے۔

کچھ قمریوں کو یاد ہے کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

اللہ تعالیٰ کے دربارِ جلال و جمال میں حضرت محدث اعظم رحمہ اللہ کا مقام

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کو عند اللہ جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اور اس سلسلے میں آپ کو جن کرامتوں اور خصائص سے اللہ تعالیٰ نے نوازا اس پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ذیل میں اختصاراً ایک دو واقعات ذکر کئے جا رہے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر مبارک سے جنت کی خوشبو کا پھوٹنا

تدفین کے بعد شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی قبر اطہر کی مٹی سے خوشبو آنا شروع ہو گئی جس نے پورے میانی قبرستان کو معطر کر دیا۔ دُور دُور تک فضا انتہائی تیز خوشبو سے مہکنے لگی اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس ولی اللہ کی قبر پر حاضری دینے کیلئے امڈ پڑا، ملک کے کونے کونے سے لوگ پہنچنے لگے اور تبرکاً مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔ قبر مبارک پر مٹی کم ہونے لگتی تو اور مٹی ڈال دی جاتی۔ چند ہی منٹوں میں وہ مٹی بھی اسی طرح خوشبو سے مہکنے لگتی۔ قبر کے پاس چند منٹ گزارنے والے شخص کا لباس بھی جنّتی خوشبو سے معطر ہو جاتا اور کئی کئی دن تک

اس لباس سے خوشبو آتی۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ عالم اسلام کی چودہ صدیوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد حضرت شیخؒ تیسری شخصیت ہیں جن کی مرقد اطہر سے جنت کی خوشبو جاری ہوئی جو الحمد للہ سات ماہ سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک جاری ہے۔ حضرت شیخؒ اللہ تعالیٰ کے کتنے برگزیدہ اور محبوب بندے تھے ان کی اس عظیم کرامت نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ یہ عظیم الشان کرامت جہاں حضرت محدثِ اعظمؒ کی ولایتِ کاملہ کی واضح دلیل ہے وہاں مسلکِ دیوبند کیلئے بھی قابل صد فخر بات ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے محبت

اس زمین پر عرشِ بریں کے آخری نمائندہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت محدث اعظمؒ کی محبت وعقیدت عشق کی آخری دہلیز پر تھی۔ درسِ حدیث میں یا گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر فرماتے تو رِقّت طاری ہو جاتی، آنکھیں پرنم ہو جاتیں اور آواز حلق میں اٹک جاتی۔

ایک مرتبہ حضرت شیخؒ بمعہ اہل و عیال حج کیلئے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج کے بعد چند روز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ مولانا سعید احمد خانؒ (جو کہ تبلیغی جماعت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے) کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ کی بمعہ اہل خانہ اپنی مدینہ منورہ والی رہائشگاہ پر دعوت کی۔ دعوت کے دوران والد محترمؒ، مولانا سعید احمد خانؒ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص (جو کہ مدینہ منورہ ہی کا رہائشی تھا) آیا، اس نے جب محدثِ اعظم شیخ الشیوخ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ کو اس مجلس میں تشریف فرما دیکھا تو

انہیں سلام کر کے مؤدبانہ انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے معافی مانگنے کیلئے حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں۔ والد ماجدؒ نے فرمایا بھائی کیا ہوا؟ میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں، نہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔ تو کس بات پر معاف کروں؟ وہ شخص پھر کہنے لگا کہ بس حضرت آپ مجھے معاف کردیں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی وجہ بتلاؤ تو سہی؟ وہ شخص کہنے لگا کہ جب تک آپ معاف نہیں فرمائیں گے میں بتلا نہیں سکتا۔ تو اپنے مخصوص لب ولہجہ میں والد صاحبؒ نے فرمایا اچھا بھئی معاف کیا، اب بتلاؤ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا حضرت میری رہائش مدینہ منورہ میں ہی ہے۔ میں اپنے رفقاء اور ساتھیوں سے اکثر آپ کا نام اور آپ کے علم وفضل کے واقعات سنتا رہتا تھا چنانچہ میرے دل میں آپ کی زیارت و ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تمنا بڑھتی گئی مگر کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

اتفاق سے چند دن قبل آپ مسجد نبوی میں نوافل میں مشغول تھے کہ میرے ایک ساتھی نے مجھے اشارے سے بتلایا کہ یہ ہیں مولانا محمد موسیٰ صاحب جن کے بارے میں تم اکثر پوچھتے رہتے ہو۔ میں نے چونکہ اس سے پہلے آپ کو دیکھا نہیں تھا اس لئے میرے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک تصور قائم تھا کہ پھٹا پرانا لباس ہوگا، دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہوگا تو جب میں نے نوافل پڑھتے ہوئے آپ کا حلیہ اور وجاہت دیکھی (حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لباس سادہ سا ہوتا، سفید لمبا جبہ نما کرتا پہنتے، شلوار ٹخنوں سے بالشت بھر اونچی ہوتی، سر پر سفید پگڑی باندھتے اور پگڑی کے اوپر عربی انداز میں سفید رومال ڈال لیتے

مگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے علمی جلال کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال اور رعب بھی بے انتہاء بخشا تھا، نیز نسبتاً دراز قامت بھی تھے اس لئے اس سادہ سے لباس میں بھی آپ کی وجاہت و شان کسی بادشاہِ وقت سے کم معلوم نہ ہوتی اور آپ کو نہ جاننے والے بھی آپ کی شخصیت سے انتہائی مرعوب ہو کر ادب سے ایک طرف ہو جاتے۔) تو میرے ذہن میں جو پھٹے پرانے لباس کا تصور تھا وہ ٹوٹ گیا اور میرے دل میں آپ کے بارے میں کچھ بدگمانی پیدا ہوگئی چنانچہ میں آپ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا۔

اسی رات کو خواب میں مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ انتہائی غصے میں ہیں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! مجھ سے ایسی کیا غلطی ہوگئی کہ آپ ناراض دکھائی دے رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

”تم میرے موسیٰ کے بارے میں بدگمانی کرتے ہو،
فوراً میرے مدینے سے نکل جاؤ“۔

میں خوف سے کانپ گیا، فوراً معافی چاہی، تو نبی کریم ﷺ فرمانے لگے۔

”جب تک ہمارا موسیٰ معاف نہیں کرے گا میں
بھی معاف نہیں کروں گا“۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد میں بیدار ہوگیا اور اس دن سے میں مسلسل آپ کو تلاش کر رہا ہوں مگر آپ کی جائے قیام کا پتہ نہیں لگا سکا۔ آج آپ سے یہاں

اتفاقاً ملاقات ہوگئی تو معافی مانگنے کیلئے حاضر ہوگیا ہوں۔حضرت شیخؒ نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ پر رقّت طاری ہوگئی اور آپ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

ان واقعات سے بخوبی علم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہایت بلند مقام ودرجہ حاصل تھا۔خاص طور پر مدینہ منورہ میں پیش آنے والا مذکورہ بالا واقعہ تو اس قدر عجیب وغریب ہے کہ قرونِ اولیٰ کے علماء ومشائخ کے تذکروں میں بھی اس جیسی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔

آپ تصور تو کیجئے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا مقام ومرتبہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے کس قدر محبت ہوگی کہ آپ کے بارے میں مدینہ منورہ کے اس شخص کی معمولی سی بدگمانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ سخت غضب کی وجہ سے اسے مدینہ سے ہی نکل جانے کا حکم فرمایا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں اور ان عالی مرتبت اولیاء میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔

ترجمہ ”جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی،
مَیں اس شخص سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں“۔

ذرا اس حدیثِ قدسی کو دیکھئے اور پھر مذکورہ واقعہ پر غور کیجئے بلکہ یہاں تو رنگ ہی نرالا ہے کہ اس شخص نے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو ہاتھ سے کوئی

تکلیف پہنچائی، نہ استہزاء کیا، نہ اہانت وتحقیر کی، نہ زبان سے کوئی برے الفاظ و کلمات ادا کئے بلکہ صرف دل ہی دل میں آپ کے بارے میں بدگمانی کی مگر دشمنی کے معمولی اثرات والی اس حالت و کیفیت پر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا غضب حرکت میں آ گیا اور اسے اپنے شہر کو چھوڑنے اور اس سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

مختصر حالاتِ زندگی

محدث اعظم، مصنف اَفخم، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ ڈیرہ اسماعیل خان کے مضافات میں واقع ایک گاؤں کٹہ خیل میں مولوی شیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم عالم و عارف اور زاہد و سخی انسان تھے، انکی سخاوت کے قصے گاؤں کے لوگوں میں زبان زدِ عام ہیں۔ آپ کے والدِ محترم مولوی شیر محمدؒ کی وفات ایک طویل مرض، پیٹ اور معدہ میں پانی جمع ہونے، کی وجہ سے ہوئی۔ حضرت شیخؒ کی عمر اس وقت پانچ سال یا اس سے بھی کم تھی۔

والدِ محترم کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کی والدہ محترمہ نے کی جو کہ بہت ہی صالحہ، صائمہ اور قائمہ للہ تعالیٰ خاتون تھیں۔ آپ نے والدہ محترمہ کی نگرانی ہی میں دینی تعلیم حاصل کی، یہی آپ کے والدِ محترم کی وصیت بھی تھی۔

والدِ محترم مولوی شیر محمدؒ کی وفات کے بعد آپ ان کی قبر پر زیارت کیلئے حاضر ہوتے تو قبر میں سے قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز سنائی دیتی خصوصاً ''سُورَةُ المُلك'' کی تلاوت کی آواز آتی۔ حدیث شریف میں سورۂ ملک کے بارے

میں آیا ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کیلئے شفاعت کا باعث بنتی ہے۔

یہ ان کی عجیب وغریب کرامت تھی جسے والد ماجد محدثِ اعظم مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ نے اپنی تصنیف کردہ کتاب "آثمارُ التکمیل" (یہ حضرت شیخؒ کی تصنیف کردہ بیضاوی شریف کی شرح "اَزھارُ التسھیل" کا دو جلدوں پر مشتمل مقدمہ ہے، اصل کتاب تقریباً پچاس جلدوں پر مشتمل ہے) میں بھی تفصیلاً ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شیخؒ کے جدامجد "احمد روحانی رحمہ اللہ تعالیٰ" بھی بہت بڑے عالم اور صاحبِ فضل وکمال انسان تھے۔ افغانستان میں غزنی کے مضافات میں پہاڑوں کے اندر اُن کا مزار اب بھی مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت شیخ محدثِ اعظم مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ نے ابتدائی کتبِ فقہ اور فارسی کی تمام کتابیں مثلاً پنج گنج، گلستان، بوستان وغیرہ گاؤں کے علماء سے پڑھیں، اس دوران گھر کے کاموں میں والدہ محترمہ کا ہاتھ بھی بٹاتے۔ گاؤں میں بارش کے علاوہ پانی کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا، آپ بعض اوقات پانی لانے کیلئے تین تین میل کا سفر کرتے۔

گاؤں میں کتابیں پڑھنے کے بعد آپ بعض علماء کے حکم پر تحصیلِ علم کیلئے تقریباً گیارہ سال کی کم عمری میں عیسیٰ خیل چلے گئے۔ تحصیلِ علم کیلئے یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ یہاں پر چند ماہ میں ہی آپ نے علم الصرف کی کئی کتابیں زبانی یاد کرلیں۔

بعدہٗ ابا خیل ضلع بنوں تشریف لے گئے اور دو سال میں علم الصرف کی تمام کتب فصول اکبری تک اور نحو کی کتابیں کافیہ تک اور منطق کی ابتدائی کتب مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ اور خلیفہ جان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیرِ نگرانی ازبر کیں۔

اس کے بعد مفتی محمودؒ کے ہمراہ عبد الخیل آ گئے اور یہاں پر دو سال میں ان سے شرح جامی، مختصر المعانی، سلم العلوم تک منطق کی کتابیں، مقامات حریری، اصول الشاشی، میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ، شرح وقایہ اور تجوید و قراءت کی بعض کتب پڑھیں۔

مزید علمی پیاس بجھانے کیلئے آپ اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے تقریباً دو سال قیام کیا جس دوران آپ نے منطق کی تمام کتابیں ماسوائے قاضی مبارک اور فلسفہ کی تمام کتب، علم میراث، اصولِ فقہ اور ادب عربی کی کتب پڑھیں۔

سالانہ چھٹیوں کے دوران مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورۂ تفسیر میں شرکت کیلئے راولپنڈی آ گئے۔ اس کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں داخلے کیلئے تشریف لے گئے۔ قاسم العلوم میں داخلے کا امتحان صدرا، حمد اللہ اور خیالی جیسی مشکل کتابوں میں زبانی دیا۔ ممتحن نے حیران ہو کر قاسم العلوم کے صدر مدرّس مولانا عبد الخالق رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتلایا کہ ایک پٹھان لڑکا آیا ہے جسے سب کتابیں زبانی یاد ہیں۔ یہاں آپ تقریباً تین سال تک حصولِ علم میں مشغول رہے اور فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ، اصول اور علم تجوید و قراءتِ سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت شیخؒ کو اللہ جل شانہ نے بے انتہاء قوتِ حافظہ اور سریع الفہم ذہن عطا کیا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ اپنے تمام ہم جماعتوں پر فائق رہے۔ آپ کے اساتذہ آپ کی شدتِ ذکاوت، قوتِ حافظہ اور وسعتِ مطالعہ پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے۔ آپ مشکل سے مشکل عبارت اور فنی پیچیدگی کو،

جس کے حل سے اساتذہ بھی عاجز آجاتے، ایسے انداز میں حل فرماتے اور فی البدیہہ ایسی تقریر فرماتے کہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس مقام پر کوئی اشکال تھا ہی نہیں۔

تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد تمام کتبِ فنونِ عقلیہ و نقلیہ کے دروس میں آپ طلباء و علماء کے سامنے اس فن کے ایسے مخفی نکات اور علومِ مستورہ بیان فرماتے کہ سننے والے یہ گمان کرنے لگتے کہ شاید آپ کی ساری عمر اسی ایک فن کے حصول و تدریس اور استحکام میں گزری ہے۔ تمام فنون میں آپ کے اسباق کی یہی کیفیت ہوتی اور آپ اس فن کی انتہائی گہرائی میں جاکر لطائف وبدائع کو ظاہر فرماتے۔

حضرت محدثِ اعظم مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جن علوم وفنون میں مکمل دسترس و مہارت حاصل تھی اس کا ذکر وہ خود بطور تحدیثِ نعمت اپنی بعض تصانیف میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”وممّا منّ اللہ تعالی علیّ التبحّر فی العُلومِ کلِّھا النقلیۃ والعقلیّۃ من علم الحدیث وعلم التفسیر وعلم الفقہ وعلم أُصُول التفسیر وعلم أصول الحدیث وعلم أصول الفقہ وعلم العَقائد وعلم التاریخ وعلم الفِرَق المختلفۃ وعلم اللُّغۃ العربیۃ وعلم الأدب العربی المشتمِل علی اثنی عشرَ فنًّا وعِلمًا کما صرّح بہ الأدباء وعلم الصرف وعلم الاشتقاق وعلم النحو وعلم المعانی وعلم البیان وعلم البدیع وعلم قرض الشعر وعلم المنطق وعلم الفلسفۃ الأرسطویۃ الیونانیۃ والإلٰھیّات من الفلسفۃ الیونانیۃ وعلم الطبیعیات من الفلسفۃ الیونانیۃ وعلم

السماء والعالم وعلم الرّياضيات من الفلسفة اليونانية وعلم تهذيب الأخلاق وعلم السياسة المدَنِية من الفلسفة وعلم الهندسة أى علم أقليدس اليونانى وعلم الأبعاد وعلم الأُكُر وعلم اللّغة الفارسيّة و الأدب الفارسى وعلم العروض وعلم القوافى وعلم الهيئة أى علم الفلك البطليموسى اليونانى وعلم التجويد للقرآن وعلم ترتيل القرآن وعلم القراءات".

آپ دورانِ درس خارجی قصے سنانا پسند نہیں فرماتے تھے مگر اس کے باوجود مشکل سے مشکل کتاب کا درس بھی جب شروع فرماتے تو مغلق سے مغلق عبارات و مقامات حل ہوتے چلے جاتے اور سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ جی چاہتا کہ درس جاری رہے کبھی ختم نہ ہو۔ یوں معلوم ہوتا جیسے حضرت شیخؒ کے علم نے طلباء پر سحر کر کے انہیں مدہوش کر دیا ہے اور انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں۔ درس جس قدر بھی طویل ہوتا چلا جاتا طلباء پہلے سے زیادہ ہشاش بشاش و تازہ دم نظر آتے اور ایسا لگتا جیسے آپ نے ان میں ایک علمی قوت بھر دی ہو۔

سب سے زیادہ شہرت آپ کے درسِ ترمذی اور درسِ تفسیر بیضاوی کو حاصل ہوئی۔ دُور دراز سے طلباء و علماء آپ کے درس میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے کھچے چلے آتے۔ آپ کا درسِ حدیث بعض اوقات پانچ چھ گھنٹوں تک مسلسل جاری رہتا۔ شدید سے شدید بیماری میں بھی، جبکہ حضرت شیخؒ کیلئے بیٹھنا بھی مشکل ہوتا، یہی صورتِ حال رہتی اور بیماری کے باوجود کئی کئی گھنٹوں کی تقریر کے بعد بھی آپ پر تھکن کے آثار دکھائی نہ دیتے۔ طلبہ سے

فرماتے ” بھئی یہ سب علم حدیث کی برکات ہیں “۔

خاص طور پر آپ کا درسِ ترمذی پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ تھا جس میں آپ جامع ترمذی کی ابتداء سے لیکر انتہاء تک ہر ہر حدیث کا ترجمہ کرتے، مشکل الفاظ کی صرفی ونحوی تحقیق کرتے، مآخذ بتلاتے، محاوراتِ عرب کی تفاصیل سے مطلع فرماتے اور تمام مسائل پر انتہائی مفصل وسیر حاصل بحث بھی فرماتے۔ مسائل میں عام طریقۂ کار کے مطابق دو یا چار مشہور مذاہب بیان نہ فرماتے بلکہ اکثر مسائل میں آپ سات سات یا آٹھ آٹھ مذاہب بیان فرماتے، ہر فریق کی تمام ادلّہ ذکر کرتے اور پھر ہر دلیل کے کئی کئی جوابات احناف کی طرف سے دیتے۔ بعض اوقات فریقِ مخالف کی ایک ہی دلیل کے جوابات کی تعداد پندرہ بیس سے بھی بڑھ جاتی۔

آپ کے درس کی سب سے خاص بات ” قَالَ “ کیساتھ ” أَقُوْلُ “ کا ذکر تھا یعنی ” میں اس مسئلے میں یوں کہتا ہوں “۔ حضرت شیخؒ کو اللہ تعالیٰ نے استخراجِ جوابِ جدید کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اکثر مسائل ومباحث میں اپنی جانب سے دلائلِ جدیدہ وتوجیہاتِ جدیدہ ذکر فرماتے اور وہی جوابات وتوجیہات سب سے زیادہ تسلّی بخش ہوتیں۔ بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں صرف آپ کی اپنی توجیہات وجوابات کی تعداد اس مسئلے میں اسلاف سے مروی مجموعی توجیہات سے بڑھ جاتی اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے۔

” مولانا یہ میری اپنی توجیہات واَدِلّہ ہیں اس مسئلہ میں، روئے زمین کی کسی کتاب میں آپ کو نہیں ملیں گی۔ بڑی

دعاؤں و آہ وزاری اور بہت راتیں جاگنے کے بعد اللہ تعالیٰ
نے میرے ذہن میں ان کا القاء و اِلہام کیا ہے“۔

اس جلالتِ علمی کے باوجود عاجزی کا یہ عالم تھا کہ اپنے جوابات و توجیہات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی جانب فرماتے تھے کہ بندہ کچھ بھی نہیں، وہی ذات سب کچھ ہے۔ یہ عاجزی و انکساری ان کی سینکڑوں تصنیف شدہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہے۔ مصنف حضرات عام طور پر اپنی تصنیفات پر اپنے نام کے ساتھ مختلف القاب بھی لگاتے ہیں مگر حضرت شیخؒ نے اپنی ہر تصنیف پر عاجزی و انکساری کی راہ اپناتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ عبدِ فقیر یا عبدِ ضعیف ــــ (کمزور بندہ) لکھا جو اُن کی انکساری کی واضح مثال ہے۔ عجز و انکساری کا ساتھ حالتِ نزع میں بھی نہ چھوڑا اور ایسی حالت میں بھی زبان ادب کا دامن پکڑے انکساری و عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اس ذات وحدہ لاشریک لہ کو اس انداز میں پکارتی رہی۔

”إِلٰهِي أَنَا عَبْدُكَ الضَّعِيفُ“.
یعنی ”یا اللہ ! میں تیرا کمزور بندہ ہوں“۔

حضرت محدث اعظمؒ کے اوقات میں اللہ جلّ جلالہٗ نے بہت زیادہ برکت رکھی تھی۔ آپ قلیل سے وقت میں کئی گنا زیادہ کام کر لیتے جس کا اندازہ آپ حضرت شیخؒ کے درسِ ترمذی سے لگا سکتے ہیں کہ ترمذی کی ہر حدیث کا ترجمہ بھی ہو، تمام مشکل الفاظ کی صرفی ونحوی تحقیقات و مآخذ کی توضیح بھی ہو، پھر تمام

مسائل پر اتنی مفصل بحث ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا اور ان سب پر مستزاد یہ کہ آپ سب طلباء سے کاپیاں بھی لکھواتے، چنانچہ مسلسل تقریر کرنے کی بجائے ٹھہر ٹھہر کر املاء کے انداز میں طلباء کو مسائل لکھواتے جس دوران آپ ہر جملے کو کم از کم دو یا تین مرتبہ ضرور دہراتے مگر ان سب باتوں کے باوجود وقت میں اتنی برکت ہوتی کہ جامع ترمذی سالانہ امتحانات سے قبل ہی اطمینان و تسلی سے ختم ہو جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ ہر طالب علم کے پاس آپ کی مکمل درسی تقریر بھی مستقبل کیلئے محفوظ ہو جاتی۔

آپ کی زندگی میں ہی آپ کے علمی تفوّق کا اقرار بڑے بڑے علماء کرتے تھے۔ امام کعبہ شیخ معظم محمد بن عبد اللہ السبیل مدّظلہ ایک مرتبہ علماء کرام کی مجلس میں فرمانے لگے۔

> ”میں اس وقت دنیا کے مرکز (مکہ مکرمہ) میں بیٹھا ہوں۔ دنیا بھر کے علماء میرے پاس تشریف لاتے ہیں مگر میں نے آج تک شیخ روحانی بازی جیسا محقق و مدقّق عالم نہیں دیکھا“۔

تصنیف و تالیف کیساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ و ارشاد کے میدان میں بھی اللہ جلّ شانہ نے آپ سے بہت کام لیا۔ اس سلسلے میں آپ خود اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں۔

”واللہ تعالی بفضلہ ومنّہ وفّقنی للعمل بجمیع أنواع الدعوۃ والإرشاد والحمد للہ والمنّۃ.

فقد أسلم بإرشادی وجهدی المسلسل فی ذلك أكثر من ألفی نفر من الكفار وبايعوا علی يدی وآمنوا بأنّ الإسلام حق وشهدوا أنّ الله تعالی واحد لاشريك له ودخلوا فی دين الله فرادٰی وفوجًا.

حتی رأيت فی بعض الأحيان أسرة كافرة مشتملة علی عشرة أشخاص فصاعدًا أسلموا وبايعوا للإسلام علی يدی بإرشادی فی وقت واحد وساعة واحدة والحمد لله ثم الحمد لله.

وفی الحديث لأن يهدی الله بك رجلًا واحدًا خير لك مما تطلع عليه الشمس وتغرب.

خصوصًا أسلم بإرشادی وتبليغی نحو خمسين نفرًا من الفرقة الكافرة الملحدة القاديانية أصحاب المتنبی الكذاب الدجال مرزا غلام أحمد.

وأسلم غير واحد من الفرقة الكافرة طائفة الذكريين بإرشادی ونصحی وبما بذلت مجهودی و قاسيت المشقة الكبيرة فی الإرشاد والتبليغ.

والفرقة الذكرية فرقة فی بلادنا لايؤمنون بكون القرآن كتاب الله تعالی ولايحجّون إلی كعبة الله المباركة بل بنوا بيتًا فی ديار مكران من ديار باكستان يحجّون إليه ولهم عقائد زائغة.

وأمّا إرشادی المسلمين العُصاة التاركين لأداء الزكاة والصلوات والصوم وغيرها فله نتائج طيبة وأحسن. ولله الحمدُ والفضل ومنه التوفيق. فقد تاب آلاف من المجرمين المجاهرين

بالفسق من الرجال والنساء وأصبحوا من مقيمي الصلوات وتوجّهوا إلى أداء الزكاة والصوم والأعمال الصالحة.

وتبدلت حياتهم وانقلبت أحوالهم. ولا أحصى عدد هٰؤلاء التائبين لكثرتهم".

دین اسلام کی سربلندی کیلئے آپ نے منکرین حدیث، اہل بدعت، روافض، قادیانیوں اور یہود ونصاریٰ سے کئی عظیم الشان مناظرے بھی کیے اور عالم اسلام کا سر فخر سے بلند کیا۔

ابتدائی حالات کا مشاہدہ کیجئے تو بظاہرِ اسباب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نونہال کا سایہ ایک عالم پر محیط ہو گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی، حفظِ دین اور پاسبانیٔ ملت کا انتظام، ظاہری اسباب سے بالاتر کرتی ہے اور لطفِ الٰہی خود ایسے افراد کا انتخاب کرتا ہے جن سے دینِ حنیف کی خدمت کا کام لیا جائے۔

وفات

بروز سوموار ۲۷ جمادیٰ الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء عصر کی جماعت میں حضرت محدثِ اعظم کو دِل کا شدید دورہ پڑا اور علم وعمل کے اس جبلِ عظیم کو اللہ تعالیٰ نے اس پُرفتن دنیا سے نجات دیتے ہوئے دارِ قرار کی طرف بلالیا اور اس دنیاوی آزمائش میں آپ کی کامیابی اور اپنی رضا کا اعلان آپ کی قبر سے پھوٹنے والی جنت کی خوشبو کے ذریعہ دنیا میں ہی کر دیا۔

تو خدا ہی کے ہوئے پھر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

حضرت شیخؒ نے تریسٹھ ۶۳ برس عمر پائی۔ آپ ایک عالم باعمل، عارف باللہ، باضمیر اور باکمال انسان تھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "مؤمن وہ ہے جس کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے"۔ آپ کی نگاہِ پُر تاثیر سے دلوں کی کائنات بدل جایا کرتی تھی، آپ کی صحبت میں چند لمحے گزارنے سے اسلام کے عہد زرّیں کے بزرگوں کی صحبتوں کا گمان ہوتا تھا۔ حضرت شیخؒ میں قرونِ اولیٰ والی سادگی تھی۔ ان کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آنکھوں میں تدبر کی گہرائیاں، آواز میں سنجیدگی و متانت کا آہنگ، دری پر گاؤ تکیے کا سہارا لئے حضرت شیخؒ کو معتقدین کے سامنے میں نے اکثر قرآن و حدیث کے اسرار و رموز کھولتے دیکھا۔

یوں تو موت سنتِ بنی آدم ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں، یہاں جو بھی آیا جانے ہی کیلئے آیا۔ مگر کچھ شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی موت صرف فرد واحد کی موت ہی نہیں بلکہ پوری ملت کی موت ہوتی ہے۔

"مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ"

خصوصاً اگر رخصت ہونے والے کا وجود دنیا کیلئے باعثِ رحمت ہو، ان کی ذات سے عالمِ اسلام کی خدمات وابستہ ہوں تو ان کی جدائی کا صدمہ ایک عالَم کی بے بسی، بے کسی و محرومی اور یتیمی کا موجِب بن جاتا ہے۔

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

حضرت شیخؒ کی رحلت سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ محفل اجڑ گئی، ایک باب بند ہوگیا، ایک بزم ویران ہوگئی، ایک عہد ختم ہوگیا، ایک روایت نے دم توڑ دیا، زندگی کو حرکت و عمل دینے والا خود ہی اس دنیا میں جا بسا جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا اور جو دار العمل نہیں دار الجزاء کی تمہید ہے۔

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر ہائے وہ میرِ کارواں نہ رہا

ایسے وقت میں جبکہ اسلام ہر طرف سے طرح طرح کے فتنوں میں گھرا ہوا ہے اور ایسی حالت میں جبکہ اہل اسلام کو انکی رہبری کی مزید ضرورت تھی، وہ اپنے بے شمار چاہنے والوں کو روتا دھوتا چھوڑ کر اس ظالم دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روٹھ گئے۔

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف کے "دستِ جفا" سے شہید ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "البدایہ والنہایہ" میں ان کے بارے میں حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے۔

"سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال اس وقت ہوا جب روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو"۔

نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

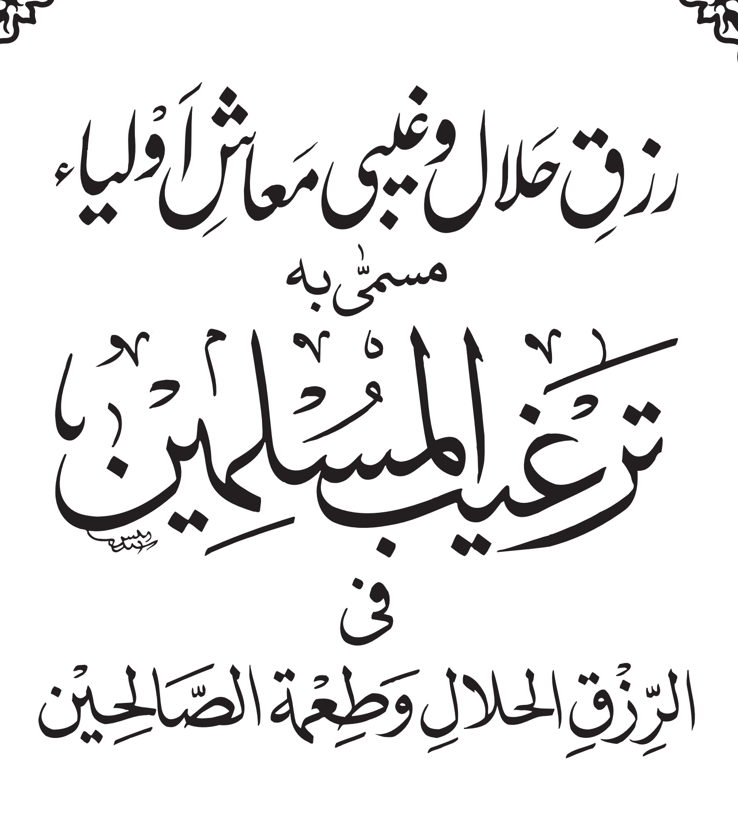
"سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت شہید ہوئے جب روئے زمین کا کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو"۔

آج صدیوں بعد یہ فقرہ محدثِ اعظم شیخ المشائخ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ پر حرف بحرف صادق آرہا ہے۔ وہ دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہل اسلام ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے، اہل دانش کو اُن کے فہم و تدبّر کی احتیاج تھی اور علماء ان کی قیادت وزعامت کے حاجتمند تھے۔ اُن کی تنہاذات سے دین وخیر کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی اس خلا کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی۔

آپ نے جس طور کُل عالَم کی فضاؤں کو علمی و روحانی روشنی سے منوّر کیا اس کی بدولت اہل حق کے قافلے ہمیشہ منزلوں کا سراغ پاتے رہیں گے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

عبدِ ضعیف محمد زہیر روحانی بازی عفا اللہ عنہ وعافاہ
ابن شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازیؒ
ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ مطابق جون ۱۹۹۹ء



رزقِ حلال وغیبی معاشِ اولیاء

مسمّٰی بہ

ترغیب المسلمین

فی

الرِّزقِ الحلالِ وطِعمۃ الصّالحِین

محدّثِ اعظم، مفسّرِ کبیر، مصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت

حضرت مولانا محمّد موسیٰ روحانی بازی

طیّب اللہ آثارہ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السّلام

إدارۂ تصنیف وأدب



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَاھِبِ النَّعۡمَاءِ وَالۡاٰلَاءِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ خَاتَمِ الۡأَنۡبِیَاءِ وَعَلٰی آلِہِ الۡأَصۡفِیَاءِ وَأَصۡحَابِہِ الۡأَتۡقِیَاءِ: أَمَّا بَعۡدُ.

اصلاحِ مسلمین وتزکیہ قلوبِ عوام و خواص وتبلیغِ خصالِ حمیدہ و دعوتِ اَعمال سعیدہ و اُمورِ سدیدہ کے سلسلے میں اس فقیر روحانی بازی کی متعدد تالیفات ہیں۔ یہ کتاب بھی اسی اصلاحی وتبلیغی سلسلے سے متعلق ہے۔

کتابِ ہذا رزقِ حلال، غیبی معاشِ اولیاء کرام، رزّاقیتِ ربِّ ذوالجلال، رزقِ صالحین کے پوشیدہ اسباب اور اس موضوع سے متعلق اَصفیاءِ فخام کی کرامات و اَتقیاءِ عظام کے ایمان افزا واقعات وسبق آموز احوال کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا نام رکھتا ہوں "ترغیبُ المسلمین فِی الرِّزقِ الحلالِ وَطِعۡمَۃِ الصَّالحین"۔

طُعۡمَۃ بِضمّ طاء وکَسرطاء کا معنی ہے رزق کی خاص نوع وقسم، نیز طریقہ حصولِ رزق وطعام۔

کتاب ترغیب المسلمین میں رزقِ حلال کی تبشیر و ترغیب اور حرام مال سے تخویف و ترہیب سے متعلق آیاتِ قرآنیہ و احادیث مبارکہ مرفوعہ و موقوفہ کی توضیح و تشریح کے علاوہ علماء کرام، محدّثین عظام، مفسّرین فخام، اَولیاءِ اَعلام، سلفِ صالحین، زاہدین، عابدین، ذاکرین، صادقین، متّقین، شاکرین، صابرین، قانعین، مخلصین، متوکّلین اور تارکینِ دنیا کے ایمان افروز احوال، حکیمانہ اقوال، عبرت انگیز واقعات، سبق آموز خصالِ سعیدہ و اخلاقِ حمیدہ، درد انگیز حکایات، نصیحت آمیز کرامات اور رقّت خیز مواعظ کا کافی و وافر ذخیرۂ روحانیّہ و ایمانیّہ جمع کیا گیا ہے۔

مناسب مواقع میں ناظرین و قارئین کی دلچسپی اور عوام و خواص کے نفع و افادہ کی خاطر کثرت سے مفید و نافع اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدِ واثق ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے عوام و خواص اہل اسلام کو ایمانی نفع و اخروی فائدہ پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ کتابِ ہذا کو اور اسی طرح اس فقیر کی دیگر مؤلفات کو مقبول و نافع و ذخیرۂ عقبیٰ بنائیں۔ آمین۔





فصل (۱)

برادرانِ اسلام ! اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیشمار چیزوں کا محتاج بنایا ہے۔ انسان انواعِ حیوان میں سے ایک نوع ہے۔ حیوان جنس ہے۔ اس جنس کے تحت بیشمار انواع ذوات الحیاۃ و الاَرواح داخل ہیں۔ نوعِ انسان ان تمام انواع حیوانیہ میں سے اشرف وافضل ہے۔

یہ بات بڑی عجیب ہے کہ افضل و اشرف ہونے کے باوجود انسان تمام انواعِ حیوان کے مقابلے میں زیادہ محتاج ہے۔

انسان جتنی چیزوں کا محتاج ہے دیگر حیوانات میں سے کوئی نوع اتنی چیزوں کی محتاج نہیں ہے۔ انسان کی ضروریات و حاجات بیشمار اشیاء سے متعلق ہیں اور ان بیشمار محتاج الیہ اشیاء میں سے اکثر مصنوعی ہیں۔ ان میں قدرتی وغیر مصنوعی اشیاء کم ہیں۔

اس کے بر خلاف دیگر حیوانات کی ضروریات کم ہونے کے ساتھ ساتھ فطرتی، طبعی وغیر مصنوعی ہیں۔

مصنوعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل اور اپنی محنت سے ایک چیز بناتا ہے اور اپنے عمل و محنت ہی سے انسان اسے ایک خاص شکل دیتا ہے۔ پس اس شے کی علّتِ صوری انسان کے قبضے میں ہوتی ہے۔ انسان اس

چیز کی شکل، کیفیات اور کمیات کیلیئے علت فاعلی ہوتا ہے۔ البتہ گاہے اس چیز کا مادہ فطرتی و قدرتی ہوتا ہے گو بسا اوقات اس مصنوعی چیز کی علّتِ مادی بھی مصنوعی ہوتی ہے۔

مثلاً کپڑے کو لے لیجئے جو انسان کی ضروریات میں سے ہے۔ یہ مصنوعی چیز ہے۔ کپڑے کیلیئے علّتِ فاعلہ انسان ہے۔ انسان اپنی محنت و تدبر سے کپڑا بناتا ہے۔ اور کپڑے کی علّتِ صوری یعنی اس کی محسوس شکل و صورت اور کیفیات و کمیات انسان کی فاعلیت اور انسان کے عمل و محنت کی مرہون ہیں۔

پھر کپڑے کی علّتِ مادی جو کہ دھاگے ہیں وہ بھی مصنوعی ہیں۔ انسان اپنے عمل و محنت سے پہلے دھاگے بناتا ہے اور پھر دھاگوں پر محنت کر کے ان سے کپڑا بناتا ہے۔

اسی طرح انسان روٹی کا محتاج ہے۔ روٹی مصنوعی چیز ہے کیونکہ اس کی شکل یعنی علّتِ صوری انسان کے عمل و محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ انسان اس کیلیئے علت فاعلہ ہے۔

باقی روٹی کی علّتِ مادی جو کہ آٹا ہے وہ بھی مصنوعی چیز ہے کیونکہ انسان اپنی محنت اور عمل سے دانوں کو پیس کر انہیں آٹے کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ پس روٹی بھی مصنوعی چیز ہے اور روٹی کا مادہ یعنی آٹا بھی مصنوعی چیز ہے۔

البتہ دانوں کی شکل فطرتی اور غیر مصنوعی ہے۔ فطرتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دانوں کو یہ شکل اللہ تعالیٰ نے ہی دی ہے بغیر واسطۂ عملِ انسان۔ فطرتی چیز کی علت صوری کیلیئے براہ راست و بلاواسطہ قدرتِ خدا تعالیٰ ہی علت فاعلی ہے۔ انسانی صنع و عمل کا دانے کی شکل میں کوئی دخل نہیں ہے۔

فلاسفہ وحکماء لکھتے ہیں کہ ہر مصنوع شے کیلئے چار علّتوں کا وجود لازم ہے۔ وہ چار علّتیں یہ ہیں۔ علت مادی، علت صوری، علت فاعلی اور علت غائی۔

علّتِ مادی کی تعریف یہ ہے مَابِہِ الشَّیْءُ بِالْقُوَّۃِ۔ یعنی وہ چیز جس سے کوئی شے بالقوّہ بنتی ہے۔مثلاً طین یعنی مٹی گھڑے کیلئے۔

علّتِ صوری کی تعریف یہ ہے مَابِہِ الشَّیْءُ بِالْفِعْلِ۔ یعنی وہ شکل جس سے بالفعل کوئی شے متحقق ہوتی ہے۔مثلاً گھڑے کی صورت گھڑے کیلئے علت صوری ہے کیونکہ اس سے گھڑا بالفعل گھڑا بنتا ہے۔

علّتِ فاعلی کی تعریف یہ ہے مَابِہٖ وُجُوْدُ الشَّیْءِ فِی الْوَاقِعِ وَالْخَارِجِ۔ یعنی وہ صانع جو کسی شے کو خارج میں وجود دے۔مثلاً کمہار گھڑے کیلئے علت فاعلی ہے۔

علّتِ غائی کی تعریف یہ ہے مَالِأَجْلِہٖ صُنِعَ الشَّیْءُ۔ یعنی وہ مقصد جس کیلئے کوئی چیز بنائی جاتی ہے مثلاً گھڑے میں پانی جمع کرنا اور محفوظ رکھنا گھڑا بنانے کیلئے علت غائی ہے۔

چونکہ انسان کی اکثر ضروریات مصنوعی اشیاء ہیں اسی وجہ سے انسان کی ضرورت اور حاجت کا دائرہ وسیع تر ہے۔

الغرض انسان کی حاجات بہت زیادہ ہیں جبکہ دیگر حیوانات کی حاجات اتنی زیادہ نہیں ہیں۔ پس انسان دیگر حیوانات کے مقابلے میں زیادہ محتاج ہے۔ حالانکہ وہ اشرف المخلوقات و افضل المصنوعات ہے۔ اور یہ بات بڑی عجیب ہے۔

پھر وہ اشیاءِ کثیرہ جن کی طرف انسان محتاج ہے ان میں سے اکثر امورِ مصنوعہ ہیں، یعنی کسی انسان کے عمل و محنت سے ان اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔

اور عمل و صنعت کا دائرہ چونکہ وسیع ہے اس لئے انسان کی حاجت مندی کا دائرہ وسیع تر ہوگیا ہے۔

اِک بحرِ بیکراں ہے حوائج کا سلسلہ
اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہوگیا

چونکہ انسان کی ضروریات و حاجاتِ زندگی کا دائرہ نہایت وسیع ہے اسی وجہ سے فلاسفہ، متکلمین، محدّثین، مفسّرین، علماء اور دانشور وغیرہ کہتے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ مدنی الطبع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو خوشحال بنانے کیلئے نوعِ انسانی کے دیگر افراد کی معاونت کا محتاج ہے۔

انسان اپنی انسانیت کی عظمت و شرافت برقرار رکھنے کیلئے اور راحت، آسائش اور آرائش والی زندگی گزارنے کیلئے دوسرے لوگوں کی اعانت کا محتاج ہے۔

اور اس کی یہ احتیاج طبعی و فطرتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان اپنی نوع کے دیگر افراد کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کا شدید محتاج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان اکیلا اور تنہا جنگل میں رہائش اختیار نہیں کرسکتا۔ اور اگر وہ ایسی رہائش اختیار کر بھی لے تو وہ خوشحال و شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔

اوّلاً تو اس لئے کہ تنہا و انفرادی زندگی انسان کی طبیعت و فطرت کے خلاف ہے۔ انسان فطرۃً مدنی الطبع ہے۔ فطرت کے خلاف طرز زندگی اختیار کرنا بہت بڑی غلطی اور حماقت ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ تنہا رہائش اور انفرادی زندگی اختیار کرنے کی صورت میں انسان نہ تو آرام و راحت والی زندگی گزار سکے گا اور نہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی

حاصل کر سکے گا۔

ثالثاً اس لئے کہ وہ انسانیت والی شرافت وعظمت برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ بلکہ انفرادی زندگی اختیار کرنے کی صورت میں انسان نرا جنگلی حیوان بن جائیگا۔ جنگلی حیوان میں حیوانیت تو موجود ہوتی ہے لیکن اس میں انسانیت والی شرافت وعظمت موجود نہیں ہوتی۔ شرافت وعظمت والے اسباب جنگل میں کہاں۔

الغرض انسان اپنی نوع کے دیگر افراد کے ساتھ رہ کر اجتماعی اور شہری زندگی گزارنے کا محتاج ہے۔

اجتماعی زندگی کی بظاہر تین صورتیں ہیں جو کہ عوام و خواص میں مشہور و معروف ہیں۔

اول شہری زندگی، یعنی بڑے بڑے شہروں میں رہائش اختیار کرنا۔

دوم دیہاتی زندگی، یعنی بڑے شہروں سے دور چھوٹی چھوٹی بستیوں اور گاؤں میں سکونت اختیار کرنا۔

سوم خانہ بدوشی والی زندگی، یہ خیموں والی زندگی ہے۔ خانہ بدوش لوگ عموماً خیموں میں رہتے ہیں اور اپنی ضروریات و اغراض کے مطابق اپنے خیموں یعنی سفری گھروں سمیت اجتماعی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف کوچ کرتے رہتے ہیں۔

ہر انسان اجتماعی زندگی کی ان تین قسموں میں سے کسی ایک قسم میں ضرور داخل ہوتا ہے۔

پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ انسان اجتماعی زندگی کا محتاج ہے۔

پھر ان مجتمع افراد کے متفرق پیشوں اور مختلف حرفتوں سے اجتماعی زندگی

حسین، راحت دہ، سکون بخش اور مستحکم رہتی ہے۔ ایک شخص تن تنہا صرف دو یا تین پیشے ہی اختیار کر سکتا ہے لیکن دو یا تین حرفتوں سے کوئی انسان اپنی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں کر سکتا۔

غور کیجئے۔ انسان جوتے کا محتاج ہے۔ قلم، سیاہی اور کاغذ کا محتاج ہے۔ کپڑے کا اور کپڑے سے قمیص شلوار وغیرہ اقسام پوشاک بنانے اور سینے کا محتاج ہے۔ نیز وہ کمہار، لوہار، نائی، قصاب وغیرہ افراد کے پیشوں سے متعلق کئی امور کا محتاج ہے۔ چارپائی اور عمارت کا محتاج ہے۔ کتاب، کتابت، طباعتِ کتب اور اس سلسلے سے متعلق کئی چیزوں کا محتاج ہے۔ دریا پار کرنے کیلئے کشتی یا پُل کا محتاج ہے۔ سفری سہولت کے لئے وہ سائیکل، گاڑی اور جہاز وغیرہ سواریوں کا محتاج ہے۔

اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ یہ تمام امور اور ضروریات ایک فرد سرانجام نہیں دے سکتا۔ تمام حرفتوں میں مہارت اور ان سے استفادہ کرنا ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔

البتہ مل جل کر اجتماعی زندگی میں یہ تمام امور اور جملہ ضروریات حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ حاصل ہو رہی ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اجتماعی صورت میں یہ تمام ضروریاتِ زندگی بطریقِ احسن ہر فرد کو حاصل ہو رہی ہیں۔

اور وہ اس طرح کہ معاشرے کے کچھ افراد موچی ہیں۔ ان کے اس پیشے کی وجہ سے بقیہ افرادِ معاشرہ کو جوتے حاصل ہوتے ہیں۔ کئی افراد لوہار ہیں۔ وہ اس پیشے سے متعلق چیزیں تیار کر کے معاشرے کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

کچھ افراد کمہار ہیں۔ وہ اس پیشے سے متعلق مختلف چیزیں مثلاً گھڑا، مٹکا، لوٹا اور دیگر اشیاء معاشرے کو فراہم کرتے ہیں۔

بعض افراد کپڑا سینے والے پیشے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ سلائی سے متعلق چیزیں قوم کو مہیا کرتے ہیں۔ اور کئی افراد پارچہ بافی کی حرفت اختیار کر کے اس حرفت سے متعلق چیزوں کے ذریعے قوم کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

وعلی ہذا القیاس اجتماعی زندگی میں مختلف حرفتوں کے ذریعے اور ان کے وسیلے سے ہر انسان کی بیشمار حاجات وضروریات پوری ہوتی ہیں اور وہ خوشحال زندگی گزارتا ہے۔

یہ بات ناممکن ہے کہ ایک فرد موچی بھی ہو، کمہار بھی ہو، بڑھئی اور ترکھان بھی ہو، درزی بھی ہو، کاتب بھی ہو، جولاہا یعنی بافندہ بھی ہو، لوہار بھی ہو اور معمار بھی ہو وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ انسان اپنی سینکڑوں ضروریات کا حاجتمند ہونے کی وجہ سے مدنی الطبع ہے۔

انسان کی حاجات وضروریات تین قسم پر ہیں۔

قسم اوّل ۔ پہلی قسم حاجاتِ ضروریہ و حاجاتِ لازمہ ہیں۔ حاجاتِ ضروریہ ولازمہ وہ ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی کی بقاء مشکل ہو۔ وہ حاجات یہ ہیں، بقدر ضرورت روٹی، پانی، لباس جس سے ستر چھپایا جاسکے اور مسکن یعنی مکان جو اُسے سردی اور گرمی سے بچا سکے۔

یہ چار امور یعنی روٹی، پانی، لباس اور مکان حاجات واجبہ لازمہ میں سے ہیں۔

دیکھئے۔ طعام اور پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح بقدرِ ضرورت و کفایت لباس، جو ستر چھپانے کیلئے کافی ہو، کے بغیر نہ تو انسان کی انسانیت باقی رہ سکتی ہے اور نہ دیگر جانوروں سے اس کا امتیاز باقی رہ سکتا ہے۔

بقدر کفایت مسکن کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ یہ حاجات واجبہ لازمہ ضروریہ ہیں۔

قسم ثانی۔ دوسری قسم کی وہ حاجات ہیں جن کا حصول واجب ولازم و ضروری نہیں ہے بلکہ وہ مسہّلات ومیسِّرات میں سے ہیں۔

میسِّرات وہ حاجات ہیں کہ ان کے وجود سے زندگی آرام دہ وراحت دہ بن جاتی ہے یعنی ان کی وجہ سے انسان کو زندگی میں راحت، سہولت اور آسائش حاصل ہوتی ہے۔

اس قسم کی حاجات کی مثالیں یہ ہیں۔ وافر لباس، وسیع ومحکم مکان، مختلف الاَنواع لذیذ کھانے، آرام دہ بستر، حسبِ موقع گرم یا ٹھنڈا پانی، پنکھے، ایئرکنڈیشنر اور سواری یعنی گاڑی یا سائیکل وغیرہ۔

پس نفسِ پانی قسم اول کی حاجات میں داخل ہے اور ضرورت کے مطابق گرم یا ٹھنڈے پانی کا دستیاب ہونا میسِّرات ومسہِّلات میں سے ہے۔ گرمی میں ٹھنڈے پانی اور سردی میں گرم پانی کے بغیر بھی زندگی باقی رہ سکتی ہے البتہ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

لہٰذا حسبِ موقع اور موافقِ ضرورت گرم پانی یا ٹھنڈے پانی یا میٹھے پانی کا دستیاب ہونا میسِّرات یعنی دوسری قسم میں داخل ہے۔ اس سے انسان کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

روکھی سوکھی روٹی حاجات کی قسم اوّل میں سے ہے اور اس کا نرم ولذیذ ہونا اور اس کے ساتھ سالن کا دستیاب ہونا راحت دہ ہے۔ اس لئے یہ حاجات کی قسم ثانی میں داخل ہے۔

لباس ومکان کا حال بھی اسی پر قیاس کریں۔

قسم ثانی میں بیشمار امور وحاجات داخل ہیں جن کا انسان خواہشمند ہوتا ہے۔ اس قسم میں داخل امور وحاجات کا شمار ناممکن ہے۔

حاجات کی یہ قسم ثانی یعنی میسّرات ومسہّلات از قبیل کُلّی مشکک ہیں۔ ان میسرات کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور ان کے درجات ومراتب بھی مختلف ہیں۔

کیونکہ تمام امور میسّرہ ایک قسم کی سہولت اور ایک جیسی راحت کا فائدہ نہیں دیتے بلکہ ان سے حاصل شدہ فوائد ومنافع کے درجات متفاوت ہیں۔

بعض چیزیں کم درجے کی میسّر ہوتی ہیں، بعض کا نفع عالی ہوتا ہے، بعض کا نفع اعلیٰ ہوتا ہے اور بعض کا اعلیٰ تر ہوتا ہے۔ ان میسّرات کے لحاظ سے فوائد ومنافع کے درجات ومراتب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔

انسان لالچ وحرص وحبِّ دنیا کی خصلت ومرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان سب درجات کی تسہیلات کا طالب وخواہشمند ہوتا ہے۔ اگر اسے ادنیٰ درجے کے امورِ میسّرہ دستیاب ہوجائیں تو وہ ادنیٰ کے بعد عالی امورِ میسّرہ کی جستجو میں لگ جاتا ہے۔ اور عالی کے حصول کے بعد اعلیٰ کا اور اعلیٰ کے بعد اعلیٰ تر کا طالب وخواہشمند ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

بلاریب اکثر انسانوں کے دل دنیاوی دھندوں میں پراگندہ ہیں اور رزق ومال کی حرص ولالچ کے پھندوں میں گرفتار ہیں۔ ان دھندوں اور پھندوں سے

گلوخلاصی کا ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسان پوری طرح خدا تعالیٰ کا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی عبادت وذکر میں لگ جائے۔

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑا دے مجھ کو یاربّ اِس پریشانی کے پھندوں سے
غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے
کباب آیا تو کیا، جب دل ہوا جل کر کباب اپنا
مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے
یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہر دم
خداوندا ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے

پس یہ امورِ میسّرہ مختلف الاَصناف ہیں، یعنی ان کے درجات متفاوت ہیں۔ لہٰذا واضح ہوا کہ حاجات کی یہ قسم ثانی از قبیل کُلّی متواطی نہیں ہے بلکہ یہ از قبیل کلی مشکک ہے۔

کلی متواطی وہ ہوتی ہے جس کا صدق ماتحت تمام افراد پر برابر ہو۔ ان افراد میں باعتبار مفہومِ کلی و بلحاظ حقیقتِ کلی تفاوت نہیں ہوتا۔

مثلاً انسان کَلی متواطی ہے۔ اس کی حقیقت حیوان ناطق ہے۔ انسان کے تمام افراد انسانیت میں برابر ہیں، یعنی حقیقتِ حیوانِ ناطق سب میں برابر ہے۔ ایسا نہیں کہ بعض افراد زیادہ و شدید حیوان ناطق ہیں اور بعض کم و ناقص حیوانِ ناطق۔

حیوان کا حال بھی ایسا ہی ہے، اس کا صدق بھی اپنے افراد پر متساوی ہے۔ پس انسان و حیوان دونوں کلی متواطی ہیں۔

اور کلی مشکک وہ ہوتی ہے کہ اپنے ماتحت افراد پر اس کا حمل و صدق یکساں نہ ہو۔ یعنی اس کلی کا اپنے ماتحت افراد میں وجود و تحقق برابر نہ ہو بلکہ بعض افراد میں اس کلی کا تحقق زیادہ و شدید ہو اور بعض افراد میں اس کلی کا تحقق کم و ناقص ہو۔

کلی مشکک کی مثالیں ہیں سواد و اَسود، بیاض و اَبیض، حمرۃ و اَحمر۔ پس سواد و اَسود کا صدق ہوتا ہے ہر اُس چیز پر جو سیاہ ہو۔ لیکن تمام سیاہ چیزیں سیاہ ہونے میں متساوی نہیں ہوتیں بلکہ بعض چیزوں میں سواد (سیاہی) زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں کم۔ یہی حکم ہے حمرۃ و اَحمر کا اور بیاض و اَبیض کا۔

غرض انسانی ضروریات و حاجات کی قسم ثانی از قبیل کلی مشکک ہے۔ کیونکہ صفتِ تیسیر و تسہیل میں قسم ثانی کی ضروریات کے مراتب و درجات میں تفاوتِ عظیم ہوتا ہے۔

البتہ انسانی حاجات و ضروریات کی قسم اوّل بظاہر از قبیل کُلّی متواطی ہے۔ کیونکہ قسم اول کے مفہوم میں بقدرِ کفایت و بقدرِ ضرورتِ اصلیّہ کا لحاظ و اعتبار ملحوظ ہے شرطاً یا شطراً۔ اس لئے قسم اول کے ماتحت افرادِ حاجات کا آپس میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔

قسم ثالث۔ انسانی حاجات و انسانی مطالب کی تیسری قسم وہ امور ہیں جو کہ از قبیلِ تزئین، تحسین و تزخرف ہیں۔ قسم سوم بلا ریب قسم ثانی یعنی قسم تسہیل و تیسیر کے علاوہ مستقل قسم ہے۔

کیونکہ قسم ثالث پر عموماً و غالباً زندگی کی تسہیل و تیسیر موقوف نہیں ہوتی۔قسم ثالث کے بغیر بھی زندگی کی سہولتیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ تیسری قسم سے عموماً و غالباً محض زینت، آرائش، نمائش، تسامع، ترائی یعنی شنوائی، دکھاوا اور تفاخر مطلوب ہوتا ہے۔

مثلاً سادہ سا وسیع و مستحکم مکان از قبیل قسم دوم ہے۔لیکن استحکام و وسعت کے علاوہ اس مکان کی عمارت کو لکڑی، مختلف رنگوں، نقش و نگار، سنگ مرمر، رنگا رنگ پتھروں اور دیگر امورِ مزینہ سے آراستہ کرنا از قبیل قسم ثالث ہے۔ تیسری قسم کے اکثر امور اسراف، تکلّفات، تزخرفات، نمائش اور آرائش میں شمار ہوتے ہیں۔

بظاہر جاہ طلبی و حبِّ جاہ اور دُنیوی مراتب و عہدوں کی خواہش قسم ثالث کی خواہشات و مطالب میں داخل ہیں۔

آخری دونوں قسموں میں بے شمار امور داخل ہیں۔جن میں سے بعض امور مقولۂ کم میں سے ہیں اور بعض امور مقولۂ کیف میں سے ہیں۔

کم کا معنی ہے مقدار اور کیف کا مطلب ہے کیفیات و اوصاف۔

پھر انسان کی ان حاجات میں سے اکثر حاجات مصنوعی ہیں۔فطری و جبلی و طبعی حاجات کم ہیں۔خصوصاً قسم ثانی و ثالث میں داخل تمام امور غالباً از قبیلِ مصنوعات ہی ہیں۔مثلاً پھل انسان کی خوراک ہے اور یہ فطری و جبلی ہے اور روٹی، سالن، مٹھائیاں اور اس قسم کی سینکڑوں اَنواعِ طعام و اقسامِ خوراک مصنوعی ہیں۔

ان مصنوعی چیزوں میں سے ایک ایک مصنوعی چیز کا وجودِ خارجی متعدد

چیزوں پر موقوف ہوتا ہے۔ دیکھئے۔ روٹی تیار کرنے سے قبل آگ، چولہا، توا، آٹا، ایندھن اور کئی برتنوں کا وجود و تحقق لازم ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے بغیر روٹی تیار نہیں ہوسکتی۔ انسان ان تمام چیزوں کا حاجتمند ہے۔ ان کے بغیر وہ راحت و سہولت والی زندگی نہیں گزار سکتا۔

انسان کے برخلاف حیوانات ان چیزوں کے ہرگز محتاج نہیں ہوتے۔ مثلاً حیوانات نہ تو لباس کے محتاج ہوتے ہیں، نہ خاص کمرے کے، نہ مصنوعی خوراک کے، نہ جوتے کے، نہ سواری کے، نہ گاڑی کے، نہ جہاز کے، نہ بستر کے، نہ برتنوں کے، نہ آگ کے اور نہ بجلی کے محتاج ہوتے ہیں۔ جانوروں کی ضروریات وحاجات فطرتی وجبلی ہوتی ہیں۔

جانور یا تو گوشت کھاتے ہیں یا پودے اور سبزی کھاتے ہیں۔ لیکن انہیں گوشت اور سبزی پکانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بہرحال انسان کی مختلف الانواع ضروریات وحاجات ہزاروں ہیں۔ اس طرح یہ زندگی غموم وافکار سے پُر ہے کیونکہ ہر حاجت غم وفکر کی موجِب ہے۔

حزن وغم وملال ہے عنوانِ زندگی
صدموں سے تار تار ہے دامانِ زندگی
کیا کیا ہیں حسرتیں دلِ امیدوار کو
آ کر تو دیکھئے مرا سامانِ زندگی
حسرت ہے آرزو ہے تمنا ہے شوق ہے
یہ ہے متاعِ زیست، یہ سامانِ زندگی

الغرض انسان اشرف المخلوقات و افضل خلق اللہ ہونے کے باوجود دیگر ذوی الأرواح یعنی حیوانات کے مقابلے میں زیادہ چیزوں کا محتاج و خواہشمند ہے۔ خواہ اس کی یہ حاجات و خواہشات از قبیل قسم اوّل ہوں یا از قبیل قسم ثانی یا از قبیل قسم ثالث۔

پھر انسان چونکہ فطرتاً و طبعاً آرائش پسند وسہولت پسند ہے اس لئے وہ ان ہزارہا امورِ حاجات وسہولات کی تحصیل میں تگ ودو کرتا ہے اور اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ سہولتیں، اسبابِ راحت، ذرائعِ نمائش اور وسائلِ آرائش حاصل ہوں۔

پھر اس کی یہ کوشش و خواہش اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دل و جان سے اس کی یہ آرزو و خواہش بھی ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے خاندان کو بھی زندگی کی جملہ آسائشیں اور آرائشیں حاصل ہوں۔

یہ تو انسان کی خواہشات و آرزؤوں کا قصہ ہے۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ انسان کی عمر نہایت مختصر ہوتی ہے۔ پس انسان اپنی مختصر عمر کے اوقات وساعات کو اپنے نفس کی سینکڑوں خواہشات کی تکمیل میں لگا دیتا ہے اور زندگی کے جملہ شب وروز اپنی بے شمار حاجات کے حصول اور انکی تکمیل پر منقسم کر دیتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ان تسہیلات و حاجات کو مقاصد اصلیّہ سمجھ کر اپنی قیمتی زندگی انہی کے حصول و تکمیل میں ضائع کر دیتا ہے اور خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (یعنی دنیا میں بھی اس نے نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی) کا مصداق بن جاتا ہے۔

اس طرح اس کی یہ حیاتِ مستعار غفلت میں گزر جاتی ہے اور جب

موت کا وقت آتا ہے تو بہت پچھتاتا ہے اور نادم ہوتا ہے لیکن اب پچھتائے کیا ہووَت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اسی کا ذکر ہے قرآن مجید کی اس آیت میں اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِيۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ۔ یعنی ”لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اس سے اعراض کر رہے ہیں“۔

اللہ و رسول کے نزدیک عقلمند وہ شخص ہے جو صرف قسم اول کی حاجات و ضروریات پر اور حسبِ ضرورت قسم ثانی کی حاجات میں سے اہم ضروریات و حاجات کے حصول پر اکتفاء کرتے ہوئے لالچ، حرص اور حبِّ دنیا سے اپنے دل کو پاک اور صاف رکھے اور اپنے قیمتی اوقاتِ زندگی و ساعاتِ حیاتِ مستعار کو اس زندگی کے مقصدِ اعلیٰ و غرضِ اَرفع میں صرف کرے۔

اس زندگی کا اولین مقصد ہے عبادتُ اللہ، ذکر اللہ، حبّ اللہ، حبِّ رسول اور فکرِ آخرت۔ اللہ جلّ جلالہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡإِنۡسَ إِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ”اور میں نے پیدا نہیں کیا جن و اِنس کو مگر اپنی عبادت کیلئے“۔

پس انسان جب زندگی کے اکثر اوقات عبادت میں لگا دے تو اللہ جل جلالہ اپنی رحمت و قدرت سے مذکورہ صدر جملہ حاجات یا ان میں سے اہم ضروریات و حاجات پوری فرما دیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے مَنۡ جَعَلَ هُمُوۡمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الۡاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوۡمَهٗ۔

یعنی ”جو شخص اپنے تمام غموں کو ترک کر کے ایک آخرت کا غم اختیار

کر لے (یعنی اسے آخرت کی فکر لاحق ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام (دنیوی و اخروی) غموں کے کفیل ہو کر کفایت فرماتے ہیں"۔

بھائیو! یہ زندگی انسان کے لئے ایک قید خانہ یا قفس ہے۔ اس زندگی میں حاجتوں کے افکار، غموں اور دکھوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ سوائے ذکر اللہ، فکرِ آخرت اور عبادت کے کہیں بھی پناہ اور آرام حاصل نہیں ہو سکتا۔

آباد ہے وجود کے صحرا میں زندگی
رہتا ہوں میں بھی آدمیوں کے ہجوم میں
اور اس قفس میں مجھ کو میسّر نہ آ سکا
وہ دَر کہ جو پناہ کی منزل دکھا سکے

دنیا میں ہر آدمی کثرتِ مصائب و کثرتِ حوائج کے افکار کی وجہ سے پریشان اور بے چین ہے۔ راحت اور سکون صرف ذکر اللہ و طاعت میں ہے۔ ایک شاعر نے کس رقّت انگیز و درد آمیز طریقے سے زندگی کی پریشانیوں کا ذکر درج ذیل اشعار میں کیا ہے۔ یہ اشعار تقریباً ہر انسان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بار بار دہرانے پر یہ اشعار کسی صاحبِ دل کے رُلانے کے لئے کافی ہیں۔

فراقِ گل میں بلبل نوحہ خواں تُو بھی ہے اور میں بھی
چمن میں شکوہ پیرائے خزاں تُو بھی ہے اور میں بھی
نہ تجھ کو چین ہے دم بھر نہ راحت مجھ کو اِک ساعت
اسیرِ رنجِ گردشِ آسماں تُو بھی ہے اور میں بھی

وہ امور و ذرائع جن سے عالمِ اسباب میں مذکورہ صدر حاجات وضروریات کو پورا کیا جا سکے، ان پر عقلاً و شرعاً و لغتہً رزق کا اطلاق حقیقتاً یا مجازاً ہوتا ہے۔ کیونکہ رزق کا معنی ہے حَظّ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے جو حصہ ونصیب انسان کو ملتا ہے اس پر رزق کا اطلاق ہوتا ہے۔

مگر عرفِ عوام میں رزق کا زیادہ اطلاق دو امور پر ہوتا ہے۔ اول مال، دوم خورد و نوش یعنی طعام۔ بلکہ رزق کا اطلاق امر دوم پر بہت زیادہ معروف ومشہور ہے۔

پس رزق کا جب مطلق ذکر ہو تو عرفِ عام میں اس سے طعام و مال مراد ہوتا ہے۔ انسان چونکہ ان دو چیزوں کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لئے عرفِ عام میں رزق سے عموماً مال و طعام مراد لیا جاتا ہے۔ انسان ہر وقت مال و طعام کا حاجتمند و خواہشمند ہوتا ہے۔

مال کے ذریعے مذکورہ صدر تمام حاجات وضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ اس لئے انسان مال کے حصول کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے عرفِ عام میں مطلق رزق کے ذکر کے وقت ذہن مال وطعام کی طرف جاتا ہے۔

حاصل بیان یہ ہوا کہ انسان کی ضروریات وحاجات بے شمار ہیں اور ان بیشمار حاجات میں سے اہم دو حاجتیں ہیں یعنی حاجتِ طعام وحاجتِ مال۔

حاجتِ طعام یعنی خورد و نوش والی حاجت اس لئے اہم ہے کہ یہ زیادہ در پیش ہوتی ہے۔ ہر انسان دن میں کئی مرتبہ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے۔

اور حاجتِ مال کی اہمیت تو اَظہر مِن الشّمس ہے کیونکہ مذکورہ صدر بیشمار حاجات وضروریات عموماً مال ہی کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ ان حاجاتِ

لامحدودہ کے پیشِ نظر انسان مجبورًا حصولِ مال کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور مال کا محبّ وحریص ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے حُبُّ الْمَالِ رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ یعنی "مال کی محبت ہر برائی اور ہر گناہ کی جڑ ہے"۔ کیونکہ حبِّ مال کی وجہ سے انسان حلال وحرام کی تمیز ترک کر کے ہر گناہ کے ارتکاب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

انسان لامحدود ضروریات وحاجات سے مجبور ہو کر مال کا محب بنتا ہے اور پھر ان ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے حبِّ مال انسان کو حصول مال کے سلسلے میں ہر گناہ کی ترغیب دیتا ہے اور انسان اس ترغیب کی وجہ سے ہر گناہ کے ارتکاب کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف ہے حُبُّ الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔ یعنی "کسی شے کی (حد سے زیادہ) محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے"۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مقصدِ زندگی سے ہٹ جاتا ہے اور سعادتِ دارین سے محروم ہو کر شقاوتِ دارین کا مستحق بن جاتا ہے۔

پس کثرتِ ضروریات وحاجات کے پیشِ نظر انسان رزق کے حصول میں ہر وقت متفکر رہتا ہے۔

عرفِ عام میں رزق کے مصداق دو ہیں۔ اوّل طعام وغذا۔ یعنی اکل و شرب سے متعلق امور۔ بالفاظ دیگر مأکولات ومشروبات۔ رزق کا یہ معنی زیادہ معروف ومشہور ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو رازق کہا جاتا ہے۔ اور یہی معنی مراد ہے اس آیت میں وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

یعنی ”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا تعالیٰ کے ذمے ہے“۔

دوم طعام و مال۔ بایں معنی رزق مطلق مال کو بھی شامل ہے۔ بلکہ حقیقتاً یا مجازاً رزق ان تمام امور کو بھی شامل ہے جن کے ذریعہ انسان اپنی ضروریات حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان اس امتحان و آزمائش میں کامیاب ہو جائے۔ اس لئے کامیابی کے ذرائع خود اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بتلائے ہیں۔

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے انسان ! ان بیشمار حاجات کے سلسلے میں افکار اور پریشانیوں کی دلدل سے نکلنے کا طریقہ تیرے لئے یہ ہے کہ تو صرف عبادت میں مصروف ہو جا اور حاجات و ضروریات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ ۔ اللہ تعالیٰ اپنی عظیم رحمت و عظیم قدرت سے تیری بیشمار حاجات و ضروریات پوری فرمادیں گے۔

یہی مطلب ہے اس آیت کا إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ ”اے اللہ ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے تمام حاجات میں کامیابی کی مدد مانگتے ہیں“۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ دعا کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ قرآن مجید میں ہے اُدْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ یعنی ”مجھ سے جملہ حاجات کے سلسلے میں دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا“۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ۔ ” مضطر و مجبور انسان کی دعا میں ہی قبول کرتا ہوں “۔

اور یہی مطلب ہے حدیث مذکور کا مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْآخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ۔ یعنی ” جو شخص اپنے تمام غموں کو بھلا کر ایک آخرت کا غم اپنا لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام غموں کے (یعنی دُنیاوی و اُخروی حاجات کے سلسلے میں) کفیل ہو جاتے ہیں “۔

اس قسم کی بیشمار نصوص میں اللہ تعالیٰ نے اور نبی ﷺ نے انسان کو ان حاجاتِ لامحدودہ کے افکار اور پریشانیوں سے نکلنے کا راستہ و ذریعہ بتلایا ہے۔

یہ دنیا ان بیشمار حاجات، لامحدود خواہشات اور لامتناہی ضروریات کی وجہ سے امتحان گاہ ہے۔ اس امتحان میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کامیابی کا یہ راستہ بتلایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے حصول کو اپنا مقصد بنالے اور ضروریات و حاجات کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی کفایت فرمائیں گے۔

یہ ہے ہمارے نبی ﷺ کی بلکہ ہر نبی کی تعلیمات و تربیات کا خلاصہ۔

واقعاتِ عالمِ انسانی اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اس راستے پر چلنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا مقصودِ اعلیٰ ٹھہرایا وہ دنیا میں بھی سُرخرو ہوا اور آخرت میں بھی سُرخرو ہوا۔ اس طرح وہ سعادتِ دارین سے ہم آغوش ہوا۔

اللہ عزّوجلّ کی کفالت و کفایت و نصرت پر دونوں جہانوں کی کامیابیوں اور سعادتوں کا مدار ہے۔ مسلمانوں کو صرف دُنیوی کامیابی پر زیادہ خوش نہیں ہونا

چاہئے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اس فانی جہان وزمان ومکان سے آگے اور جہان، زمان اور مکان بھی ہیں جو کہ باقی ودائمی ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہیں

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ فِي الْجَامِعِ بِإِسْنَادِهِ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنِ اكْتُبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي عَلَيَّ. فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا إِلَى مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: سَلَامٌ عَلَيْكَ. أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ، كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ. وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ، وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ. وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ. ترمذی ج ۲ ص ۷۷.

یعنی ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خط لکھ کر درخواست کی کہ میری طرف کوئی وصیت ونصیحت لکھ کر بھیجیں جو زیادہ لمبی نہ ہو بلکہ مختصر ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ وصیت ونصیحت لکھ کر بھیجی۔ السلام علیکم (میں آپ کی طرف

بطور وصیت ونصیحت نبی علیہ السلام کا وہ ارشاد لکھ کر بھیج رہی ہوں جو) میں نے خود نبی علیہ السلام سے سنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں کی ناراضگی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اللہ تعالیٰ لوگوں کی تکالیف سے اس کی کفایت و حفاظت فرماتے ہیں (یعنی لوگوں کی اذیّت سے اسے محفوظ رکھتے ہیں)۔ اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں (یعنی لوگوں کی اذیّت سے وہ شخص محفوظ نہیں رہتا)۔ والسلام"۔

وَكَّلَهُ اللهُ إِلَى النَّاسِ کا معنی محدّثین نے یہ کیا ہے أَيْ سَلَّطَ اللهُ النَّاسَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُؤْذُوهُ وَيَظْلِمُوا عَلَيْهِ۔ یعنی "اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس شخص پر مسلط کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے اذیت پہنچاتے ہیں اور اس پر ظلم کرتے ہیں"۔

لوگوں کا ظلم وستم، اہانت اور اذیت ناقابل بیان آفت ہے۔ اس آفت کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ سرور کونین نبی علیہ السلام اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حدیث شریف ہے اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ "اے اللہ! ہم پر وہ دشمن ومفسدین مسلط نہ فرما جو ہم پر ترس نہ کھائیں"۔

ایک شاعر دنیا کی ناگفتہ بہ حالت کا اور مصائبِ دنیا میں مبتلا شخص کی آہ وفریاد کا بیان ان رقّت انگیز ودرد آمیز اشعار میں کر رہا ہے۔

چمنِ دہر میں سب مائل بیداد رہے
بادِ صرصر رہی کانٹے رہے صیاد رہے

غمِ دنیا نہ رہے فکر سے آزاد رہے
ہے یہ دشوار کہ دنیا میں کوئی شاد رہے

وہی بندہ ہے جسے حکمِ خدا یاد رہے
ہر غم و درد میں صابر رہے دِل شاد رہے

طاعتِ دین میں جب تک رہے ہم شاد رہے
اس سے ہٹتے ہی پریشاں ہوئے برباد رہے

میرے مولیٰ مجھے توفیق عطا ہو اتنی
غم میں صابر رہوں اور لب پہ نہ فریاد رہے

خلاصۂ بیانِ سابق یہ ہے کہ رزق کے سلسلے میں انسان کو زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ انسان و جملہ حیوانات کے رزق کے کفیل ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ.

”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا تعالیٰ کے ذمّے ہے۔ اور وہ جاندار جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی جانتا ہے۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں لکھا ہوا ہے“۔

ہمارے اس بیان کا مقصد یہ نہیں کہ انسان اپنے رزق کی جستجو اور حصولِ رزق کے جائز ذرائع بھی ترک کردے اور گھر بیٹھ کر یہ انتظار کرنے لگے کہ رزق خود بخود غیبی طریقے سے آسمان سے اتر کر اس کے پاس پہنچے گا۔ اور نہ انبیاء علیہم

السلام کی تعلیمات سے یہ چیز ثابت ہے، کیونکہ ہر شخص کے پاس غیب سے رزق نہیں آسکتا۔

بطورِ معجزہ یا کرامت خود بخود غیب سے رزق پہنچ سکتا ہے مگر معجزہ انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور کرامت اولیاء اللہ کے خصائص میں سے ہے۔ نیز کرامت کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے۔ ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتی۔

اس لئے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تربیت و تعلیم کی رُو سے حصولِ رزقِ حلال کیلئے تگ و دو کرنا اور اس کے ذرائع میں کوشش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست تلامذہ و تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے کُل امتِ محمدیہ کیلئے رہنما ہیں۔ اور کتبِ تاریخ و اَسفارِ احادیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسبِ معاش کیا کرتے تھے۔ وہ تجارت و زراعت وغیرہ مختلف پیشوں سے وابستہ تھے۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم امتِ محمدیہ میں سب سے بڑے عابد، زاہد اور متوکّل علی اللہ تھے۔

پس واضح ہوا کہ کسبِ معاش کرنا اور رزق کی جستجو میں تگ و دو کرنا توکُّل علی اللہ اور سنتِ نبویّہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس سلسلے میں کوشش وسعی اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت و کفالتِ رزق میں شک کو مستلزم ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت و ضمانِ رزق کا ازروئے شرع تقاضا یہ ہے کہ انسان رزق کے بارے میں حد سے زیادہ پریشان نہ ہو۔

نیز اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کسبِ معاش کیلئے کوشش اور تگ و دو کے باوجود اصل مؤثّر اللہ تعالیٰ کو سمجھنا چاہیئے۔ اسبابِ رزق پر اسباب کی حد تک اعتماد

و اعتبار کرنا چاہئے۔ ان اسباب کو حقیقی مؤثّر سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ حقیقی مؤثّر اور حقیقتاً رزق دینے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبؔر
یہی وہ در ہے کہ ذلّت نہیں سوال کے بعد

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ رزق انسان کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح موت انسان کو تلاش کرتی ہے۔ یعنی جس طرح موت ضرور آتی ہے اسی طرح ازل میں مقرر شدہ رزق بھی انسان کو ضرور پہنچتا ہے۔

أَخْرَجَ الْحَافِظُ أَبُوْنُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ ج ۷ ص ۹۰ بِإِسْنَادِهٖ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْأَنَّ ابْنَ آدَمَ هَرَبَ مِنْ رِّزْقِهٖ كَمَا يَهْرُبُ مِنَ الْمَوْتِ لَأَدْرَكَهٗ رِزْقُهٗ كَمَا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اگر ابن آدم رزق سے اس طرح بھاگے جس طرح وہ موت سے بھاگتا ہے تو رزق اسے اسی طرح پالے گا جس طرح موت اسے پا لیتی ہے (یعنی جب انسان کی توجہ آخرت کی طرف ہو اور دنیا کی رغبت نہ ہو تو رزق اسے خود تلاش کرتا ہے اور ہر صورت میں رزق اسے پہنچتا ہے)“۔

اللہ تعالیٰ رزق و مال اور تمام معاملات کے بارے میں صحیح اعتقاد اور درست اعمال کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ ہم ہر کام میں اللہ عزّوجلّ ہی کو اصل مؤثر سمجھیں اور جادۂ حق پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔ آمین۔



فصل (۲)

برادران کرام ! آگے اس موضوع یعنی رزق ومال و قناعت سے متعلق چند نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ پیش کی جارہی ہیں۔ امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے ناظرین کو بڑا نفع حاصل ہوگا۔

کئی صحیح احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو چار ماہ کے بعد اس میں روح ڈالی جاتی ہے اور روح ڈالنے کے ساتھ ہی اس کی ساری زندگی کے رزق کی تفصیل بھی لکھ دی جاتی ہے اور بحکم خدا یہ ازلی فیصلہ طے پاجاتا ہے کہ پیدائش کے بعد اس بچے کا رزق وسیع ہوگا یا تنگ۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِیُّ فِی الْجَامِعِ ج ۲ ص ۳۵ مَرْفُوْعًا: أَنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِي بَطْنِ أُمِّهٖ فِي أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ. ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ، فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ: يَكْتُبُ رِزْقَهٗ وَأَجَلَهٗ وَعَمَلَهٗ وَشَقِيٌّ أَوْسَعِيْدٌ. الحدیث.

یعنی ”تم میں سے ہر ایک کے (یعنی ہر انسان کی خلقت کے ابتدائی مرحلے میں) مادۂ خلقت کو چالیس روز تک ماں کے پیٹ میں جمع رکھا جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ اس کے بعد پھر چالیس روز تک وہ منجمد خون کی حالت میں رہتا ہے۔ پھر چالیس روز تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی حالت میں رہتا ہے۔

پھر تین چلّوں یعنی چار ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ اس فرشتے کو چار امور کی کتابت کا حکم دیا جاتا ہے (یعنی یہ چار امور اسی وقت لکھ دیئے جاتے ہیں) (۱) اس کے رزق کے بارے میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر کتنا رزق کھائے گا اور اسے کتنا رزق ملے گا (۲) اس کی عمر لکھ دی جاتی ہے (۳) یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ کون کونسے اعمال کریگا اچھے یا برے (۴) یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ انجام کے اعتبار سے وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چار ماہ کے اختتام پر رحمِ مادر کے اندر بچے میں روح ڈالی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی اور خاتمے سے متعلق چار امور کے فیصلے ہوجاتے ہیں۔

ان چار امور میں سے پہلا امر رزق ہے۔ یعنی یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس کا رزق وسیع ہوگا یا تنگ اور یہ کہ بطورِ رزق اسے کیا کیا ملے گا۔

دوسرا امر اس کی عمر ہے۔ یعنی یہ فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس کی عمر طویل ہوگی یا کم۔

تیسرا امر یہ ہے کہ اس کی زندگی کے اعمال لکھ دیئے جاتے ہیں کہ وہ کیا کیا عمل کرے گا اور اسے کیا کیا واقعات و حادثات درپیش ہونگے۔ اور یہ کہ وہ اچھے اعمال کرے گا یا برے اعمال اپنائے گا۔

چوتھا امر اس کے خاتمے سے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فیصلہ بھی ہوجاتا ہے کہ باعتبار خاتمہ وہ شقی ہوگا یا سعید۔ یعنی اس کا خاتمہ برا ہوگا یا اچھا اور یہ اشقیاء میں سے ہوگا یا سعداء میں سے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اصل اعتبار خاتمے ہی کا ہے۔ لہٰذا نیک اعمال کرنے والے انسان کو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے فخر، عجب اور تکبر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ خوف و رجاء والی حالت میں رہنا چاہیئے کیونکہ خاتمے کا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا رہے۔

کئی انسان بظاہر نیکوکار ہوتے ہیں لیکن قُربِ خاتمہ کے وقت وہ ایسی شرارتوں اور معاصی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں کہ ان کا خاتمہ برا ہو جاتا ہے۔

دیکھئے۔ ابلیس کتنا بڑا عابد تھا۔ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا۔ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لاکھ سال تک اس نے فرشتوں کے ساتھ رہ کر مسلسل عبادت کی لیکن انجام وہی ہوا جو سب کو معلوم ہے یعنی وہ رجیم و مردود بن گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بلعم بن باعوراء نامی شخص بڑا عابد تھا۔ وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ لیکن کفر پر مرا کیونکہ آخر میں وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کفار کی مدد کرنے لگا جس کے نتیجے میں وہ مردود ہو کر مرا۔ قرآن مجید میں اس کے برے انجام کا مختصر حال مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حسنِ خاتمہ کی سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

عزیزانِ کرام ! یہ دنیا ماتم کدہ ہے۔ اس میں ہزاروں غم ہیں، تمنائیں ہیں اور مصائب ہیں جنہوں نے انسان کو گھیر رکھا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزری اور موت کے وقت انہیں حسنِ خاتمہ نصیب ہوا۔ دنیا کا ناگفتہ بہ حال یہ ہے جو اِن اشعار میں مذکور ہے۔

کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا	کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا
یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل	نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور وفا کیا
رہا مرنے کی تیاری میں مصروف	مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا
وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر	بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا
وہاں قَالُوْا بَلٰی، یاں بت پرستی	ذرا سوچو کہا کیا تھا، کیا کیا

أَخْرَجَ أَحْمَدُ فِي كِتَابِ الزُّهْدِ ص ۴۵ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْ هٰذِهِ الْآيَةَ "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ. ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ! لَوْ أَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ أَخَذُوْا بِهَا لَكَفَتْهُمْ. قَالَ فَجَعَلَ يَتْلُوْهَا عَلَيَّ وَيُرَدِّدُهَا حَتّٰى نَعَسْتُ.

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت شروع فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) "اور جو خدا تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (رنج ومحن سے) خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرمادیں گے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اور جو آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہیں (یعنی اس کی کفایت فرماتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتے ہیں) پورا کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے"۔

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ابوذر! اگر تمام لوگ اس آیت کے مقتضیٰ

کے مطابق عمل شروع کر دیں (یعنی تقویٰ اور توکُّل اختیار کر لیں) تو یہ آیت سب کیلئے کافی ہو جائے (یعنی تمام لوگوں کو ان ذرائع سے رزق پہنچے جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہ ہو)۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ آیت پڑھ کر مجھے سناتے رہے۔ یہاں تک کہ میں اونگھنے لگا (یعنی زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے مجھے نیند آنے لگی)"۔

اس حدیث شریف سے کئی امور کی وضاحت ہوئی۔

امرِاوّل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ کے ذریعے بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ جو شخص تقویٰ اختیار کر لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہ آیت باعتبارِ عموم و اطلاق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تقویٰ کی برکت سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ یہ کتنی اہم و مفید بات ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اس سے غافل ہیں۔

امرِثانی یہ ہے کہ ذکرِ خاص بعد العام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہاں بتلایا کہ تقویٰ ذریعہ ہے فراخیٔ رزق کا۔ اور یہ بھی بتلایا کہ تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے رزق پہنچاتے ہیں جن کی طرف انسان کا وَہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

رزق کے سلسلے میں چونکہ انسان زیادہ متفکر اور پریشان ہوتا ہے اس لئے بالخصوص اللہ عزّوجلّ نے یہاں حصولِ رزقِ وسیع کا گُر اور ذریعہ بتلایا اور فرمایا کہ حصولِ رزقِ وسیع کا سب سے بہتر و قوی ذریعہ تقویٰ ہی ہے۔

تقویٰ دارین کی سلامتی اور مسرّتوں کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو

نعمتِ تقویٰ عنایت فرمائیں۔ آمین۔

مرا بیاباں رہے سلامت بڑے مزے سے گزر رہی ہے
نہ اس میں صیاد کا ہے کھٹکا نہ اس میں اندیشۂ خزاں ہے

امر ثالث یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک سے اس آیت کے مضمون کو مزید مستحکم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر لوگ اس آیت پر پوری طرح عمل پیرا ہو جائیں تو اس آیت میں مذکور وعدۂ ربانی کی برکت سے ان کی تمام مشکلات حل ہو جائیں اور پھر تاکید در تاکید کے طور پر نبی ﷺ اس آیتِ مبارکہ کو اتنی دیر تک بار بار تلاوت فرماتے رہے کہ ابوذرؓ طولِ وقفہ کی وجہ سے سو گئے یا اونگھنے لگے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ نبی علیہ السلام کی اتنی تاکید کے باوجود اس آیت پر پوری طرح عمل کرنے والے اور تقویٰ ہی کو حلِّ مشکلات کا ذریعہ سمجھنے والے مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

لوگوں پر حرصِ دنیا کا غلبہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہزاروں مصائب میں مبتلا ہیں۔ اختلافات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے آپس میں اخلاص اور محبت والے تعلقات ختم ہو گئے ہیں۔

کل تک محبتوں کے چمن تھے کِھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گِل
دنیا میں آج حرص سے ہیں سب جلے ہوئے

ایک اور حدیث شریف میں تصریح ہے کہ کثرتِ استغفار کشادگی رزق کا ذریعہ ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: قَالَ نُوْحٌ علیہ السلام لِابْنِہٖ: یَا بُنَیَّ! إِنِّیْ مُوْصِیْکَ بِوَصِیَّةٍ وَّقَاصِرُھَا عَلَیْکَ حَتّٰی لَا تَنْسَاھَا. أُوْصِیْکَ بِاثْنَتَیْنِ وَأَنْھَاکَ عَنِ اثْنَتَیْنِ.

فَأَمَّا اللَّتَانِ أُوْصِیْکَ بِھِمَا فَإِنِّیْ رَأَیْتُھُمَا یُکْثِرَانِ الْوُلُوْجَ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ. وَرَأَیْتُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَسْتَبْشِرُ بِھِمَا وَصَالِحُ خَلْقِہٖ قَوْلُ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" فَإِنَّھَا صَلَاةُ الْخَلْقِ وَبِھَا یُرْزَقُ الْخَلْقُ. وَقَوْلُ "لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" فَإِنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَوْ کُنَّ حَلْقَةً لَّفَصَمَتْھَا وَلَوْ کُنَّ فِیْ کَفَّةٍ لَّرَجَحَتْ بِھِنَّ.

وَأَمَّا اللَّتَانِ أَنْھَاکَ عَنْھُمَا فَالشِّرْکُ وَالْکِبْرُ. فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلْقَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ شَیْءٌ مِّنْ شِرْکٍ وَّلَا کِبْرٍ فَافْعَلْ.

کتابُ الزُّھد ص ۵۱.

یعنی "حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مرسلاً) روایت کرتے ہیں کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے! میں تجھے مختصر سی نصیحت کرنا چاہتا ہوں تاکہ تو اسے بھلا نہ دے۔ میں تجھے دو کام کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔

جن دو کاموں کے کرنے کی نصیحت کرتا ہوں ان میں سے ایک کام و عمل ایسا ہے جسے میں نے اکثر (بذریعہ وحی) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو کر

پہنچتے دیکھا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس عمل سے خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی۔ وہ عمل یہ دعا وذکر ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ. کیونکہ یہی عمل اور یہی ذکر تمام مخلوق کی عبادت ہے اور اسی ذکر کے طفیل تمام مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے۔

دوسری بات جس کے کرنے کی میں تجھے وصیت کرتا ہوں وہ اس کلمے کا ذکر ہے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. کیونکہ اگر آسمان وزمین حلقہ بنا کرر کاوٹ بن جائیں تب بھی یہ کلمہ اور اس کلمے کا ذکر اس رکاوٹ کو توڑ دیگا (اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے گا)۔ اور اگر آسمان وزمین ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں (اور دوسرے پلڑے میں یہ کلمہ ہو تو) کلمے والا پلڑا جھک جائیگا اور آسمان وزمین سے بھاری ہو جائیگا۔

اور جن دو باتوں سے میں تجھے روکنا چاہتا ہوں ان میں سے ایک شرک ہے اور دوسرا تکبر۔ پس اگر تیری استطاعت ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت یعنی موت کے وقت تیرے دل میں ذرّہ برابر بھی شرک اور تکبر نہ ہو تو تو ایسا ضرور کر (یعنی تو اپنے آپ کو ہر صورت میں شرک اور تکبر سے پاک رکھ)"۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بعض اَذکار وسعتِ رزق کا سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا وسعتِ رزق کا ایک خاص ذکر یہ ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ ترمذی شریف میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ جو مسلمان سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتے ہیں اگرچہ وہ بہت زیادہ ہوں۔

نصائح کے سلسلے میں نوح علیہ السّلام کی ایک اور اہم نصیحت بھی پیشِ

خدمت ہے۔

قَالَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِهٖ سَامٍ: يَا بُنَيَّ! لَا تَدْخُلَنَّ الْقَبْرَ وَفِي قَلْبِكَ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ. فَإِنَّهٗ مَنْ يَّأْتِ اللّٰهَ مُشْرِكًا فَلَا حُجَّةَ لَهٗ. وَيَا بُنَيَّ! لَا تَدْخُلَنَّ الْقَبْرَ وَفِي قَلْبِكَ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ. فَإِنَّ الْكِبْرِيَاءَ رِدَاءُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَمَنْ يُّنَازِعُ اللّٰهَ رِدَاءَهٗ يَغْضَبُ عَلَيْهِ. وَيَا بُنَيَّ! لَا تَدْخُلَنَّ الْقَبْرَ وَفِي قَلْبِكَ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْقَنَطِ. فَإِنَّهٗ لَا يَقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِلَّا الضَّالُّ. كتابُ الزُّهدِ لِأحمد ص ۵۱.

یعنی ” حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سام کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے ! تو قبر میں ہرگز داخل نہ ہو (یعنی قبر میں تجھے ہرگز دفن نہ کیا جائے) اس حال میں کہ تیرے دل میں ذرّہ کے برابر بھی شرک ہو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشرک ہو کر پیش ہو گا تو اس کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائیگا۔

اور اے میرے پیارے بیٹے ! تو قبر میں ہرگز داخل نہ ہو (یعنی ہرگز تجھے دفن نہ کیا جائے) اس حال میں کہ تیرے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہو کیونکہ کبریاء اور بڑائی اللہ تعالیٰ کی چادر ہے (یعنی اس کی خاص صفت ہے) پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس کی چادر کے معاملہ میں جھگڑا کرے اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضبناک ہو جاتے ہیں۔

اور اے میرے پیارے بیٹے ! قبر میں تو ہرگز ایسی حالت میں داخل نہ ہو (یعنی ایسی حالت میں تجھے ہرگز دفن نہ کیا جائے) کہ تیرے دل میں ذرّہ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف گمراہ

آدمی ہی مایوس ہوتا ہے"۔

أَخْرَجَ الْحَافِظُ أَبُوْنُعَيْمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ، وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا، وَاجْعَلْ غِنَانَا فِيْ أَنْفُسِنَا، وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِيْمَا عِنْدَكَ. حِلْيَة ج۵ ص ٦٦.

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے فضل سے رزق نصیب فرما۔ اور ہمیں اپنے رزق سے محروم نہ فرما۔ اور جو رزق تو نے ہمیں عطا کیا ہے اس میں برکت نصیب فرما۔ اور ہمارے استغناء کو ہمارے دلوں میں پیدا فرما (یعنی ہمارے دلوں کو استغناء کی دولت سے مالامال فرما)۔ اور جو اجر و ثواب اور اُخروی نعمتیں آپ کے ہاں ہیں ان میں ہمیں رغبت نصیب فرما"۔

حدیثِ ہذا میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ دعائیں فرمائی ہیں۔

پہلی چار دعائیں رزق سے متعلق ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رزق کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ نیز حدیثِ ہذا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرنا جائز ہے بلکہ سنّت ہے۔

چوتھی دعا میں نبی علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ غنا کا اصل مقام و مرکز دل ہے نہ کہ مال۔ اس لئے فرمایا وَاجْعَلْ غِنَانَا فِيْ أَنْفُسِنَا۔ یعنی "ہمارے دلوں میں استغناء پیدا فرما"۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ تونگری بدِل است نہ بمال۔ یعنی تونگری اور غِنا دل کے ساتھ ہوتی ہے، مال کے ساتھ نہیں۔

پانچویں دعا ایک اہم تعلیم پرمشتمل ہے ۔ وہ یہ کہ یہ رزق صرف دنیاوی ضرورت ہے۔اس لئے بقدرِ ضرورت اس کا حصول کافی ہے۔ دنیاوی رزق کو اصلی مقصود اور حقیقی محبوب و مرغوب بنا لینا بہت بڑی غلطی ہے ۔ لہٰذا مسلمان کی اصل رغبت آخرت کی مسرّات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جانے والے اجر وثواب کی طرف ہونی چاہئے۔اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِيْمَا عِنْدَكَ ۔ یعنی ”جو اجر وثواب اور نعمتیں آپ کے ہاں ہیں ان میں ہماری رغبت پیدا فرمائیں “۔

احبابِ کرام ! اُخروی اجر وثواب کا سوز و شوق پیدا کرنے کے وسائل بہت ہیں مثلاً عبادت، کثرتِ تلاوتِ قرآن شریف،احادیثِ نبویّہ وکتبِ دینیہ کا مطالعہ ، کثرتِ ذکر اللہ ، کثرتِ ذکرِ موت اور کثرتِ ذکرِ منازلِ حشر ونشر وغیرہ وغیرہ۔

مگر سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ مجلسِ صالحین وصحبتِ اولیاء اللہ ہے۔

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعتست
بہتر از صد سالہ زہد و طاعتست

یعنی ”صالحین کی ایک ساعت کی صحبت سو سال کی طاعت وزہد سے بہتر ہے “۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی بنا پر حضرات صوفیائے کرام کے یہاں صحبتِ اہل اللہ کو طریقہ سلوک کا جزوِ اعظم قرار دیا گیا ہے۔

ایک شاعر نے درج ذیل اشعار میں اسی قسم کی ایک مجلسِ اہل حق کا ذکر کس بلیغ و دلگداز طریقے سے کیا ہے۔ صالحین کی ہر مجلس کا حال یہی ہوتا ہے جو ان اشعار میں مذکور ہے۔

مپرس از ذاکرانِ نیم شب ہا | کہ مشغول اند با دِل ہا و لب ہا
چہ پُرسی لطفِ دردِ صبح گاہی | کہ ایں لقمہ بہ است از مرغ و ماہی
دل اِینجا مے کند اللہ، اللہ | کہ ہر دم بشنود اللہ ، اللہ
چہ صحت بخش ہست اِینجا فضائے | دل اِینجا بے دوا یابد شفائے
بیائید اے طلبگاراں بیائید | بیائید اے دِل افگاراں بیائید
کجائید اے خدا جویاں کجائید | کجائید اے شفا جویاں کجائید

(۱) ”کیا پوچھتے ہو نصف شب میں ذاکرین کے سوز کا حال۔ بس وہ دل و زبان سے ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔

(۲) پوچھتے کیا ہو کہ بوقتِ سحر ذکر اللہ و آہ و بکاء کے درد میں کتنا سوز و لطف ہے۔ ذکر اللہ کے یہ باطنی ایمانی لقمے مرغ و ماہی کھانے سے زیادہ لطف دہ ہیں۔

(۳) اس مبارک مجلس میں دل مسلسل اللہ اللہ کرتے ہوئے ہر لمحہ چاروں طرف سے اللہ اللہ سنتا رہتا ہے۔

(۴) یہ مبارک فضا روحانی صحت بخش ہے۔ یہاں دل ظاہری دوا کے بغیر صرف ذکر اللہ سے شفایاب ہوتا ہے۔

(۵) آؤ اس مجلس میں اور جلد آؤ اے طالبانِ جنت اور اے زخمی و غمگین

قلوب والو۔

(٦) کہاں ہو اے خدا تعالیٰ کے طلبگارو اور اے روحانی شفا تلاش کرنے والو جلدی آؤ"۔

حرام سے بچنے کی نیت سے طلبِ مال وکسبِ رزقِ طیب کی فضیلت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ درج ذیل جامع حدیثِ مرفوع کی روایت کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا، اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ، وَسَعْيًا عَلٰى أَهْلِهٖ، وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللهَ تَعَالٰى يَوْمَ يَلْقَاهُ وَوَجْهُهٗ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ. وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُّفَاخِرًا مُّرَائِيًا لَقِيَ اللهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. حِلْيَة ج ۳ ص ۱۱۰.

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حلال طریقے سے رزق حاصل کیا حرام سوال سے بچنے کی خاطر، اپنے اہل و عیال کو رزقِ حلال پہنچانے کی خاطر اور اپنے ہمسائے پر مہربانی اور اس کے ساتھ ہمدردی و تعاون کی خاطر تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا۔

اور جس شخص نے حلال مال کمایا دولت بڑھانے، فخر کا اظہار کرنے اور دکھاوے کی غرض سے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض اور غضبناک ہوں گے"۔

اس حدیث سے اوّلاً یہ بات ثابت ہوئی کہ حلال مال کے کسب میں شرعاً کوئی حرج نہیں بلکہ یہ موجبِ اجر وثواب ہے بشرطیکہ کاسِب کی نیت اچھی ہو۔

مثلاً اس کی یہ نیت ہو کہ اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال کے ذریعے وہ خود بھی اور اس کے اہل و عیال بھی حرام سوال سے بچے رہیں گے اور اس مال کے ذریعے وہ کسی مسلمان ہمسائے وغیرہ کی مدد بھی کر سکے گا۔

ثانیاً اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بری نیت سے یعنی فخر و رِیا یا محض بے فائدہ دولت بڑھانے کی نیت سے حلال مال کا کسب بھی موجبِ غضبِ خدا تعالیٰ ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حرام مال حاصل کرنا کتنا خطرناک ہوگا۔

افسوس صد افسوس ...... آج کل گلشنِ اسلام خزاں کی زد میں ہے۔ اس کی بہار ختم ہو رہی ہے بلکہ یوں کہنا بھی بے جا نہیں کہ اس کی بہار بالکل ختم ہو چکی ہے۔ اکثر لوگ حرصِ دنیا میں مبتلا ہیں۔ حلال و حرام کا فرق نہیں کرتے۔

خزاں کی دیکھ کر آمد کہا رو رو کے بلبل نے
چمن میں خانہ ویرانی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

کیا یہ دنیادار، آخرت سے غافل، حریص اور حلال و حرام میں تمیز نہ کرنے والے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ وہ ہمیشہ اس دنیا میں رہنے والے نہیں۔ ان کی عمریں نہایت مختصر ہیں۔ موت کے حملے جاری ہیں۔ ایسا زمانہ بھی بہت جلد آنے والا ہے کہ یہ زمین و آسمان باقی ہونگے۔ شمس و قمر اور ستاروں کا یہ حسین نظام موجود ہوگا۔ بہار و خزاں کا سلسلہ جاری ہوگا۔ مگر نہ یہ لوگ ہونگے اور نہ ان کا نام و نشان ہوگا۔

ہزاروں منزلیں ہونگی ہزاروں کارواں ہونگے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہونگے

عَنْ مُعَاذٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: شَہِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی إِمْلَاکِ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِہٖ. فَقَالَ: عَلَی الْخَیْرِ وَالْأُلْفَۃِ وَالطَّآئِرِ الْمَیْمُوْنِ وَالسَّعَۃِ فِی الرِّزْقِ، بَارَکَ اللہُ لَکُمْ. الحدیث. حِلْیۃ ج ٦ ص ٩٦.

" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی مجلسِ نکاح میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی اور اس کی اہلیہ کیلئے خیرو بھلائی، الفت و محبت، مبارک بخت اور فراخیٔ رزق کی دعا فرمائی۔ نیز یہ بھی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام میں برکت پیدا فرمائیں "۔

حدیث ہذا میں نبی علیہ السلام نے دولہے اور دلہن کیلئے کئی دعائیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک دعا وسعتِ رزق کی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسے موقعہ پر وسعتِ رزق کی دعا کرنا جائز بلکہ سنت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح خیرو الفت اور مبارک بخت کا انسان محتاج ہوتا ہے اسی طرح وہ وسیع رزق کا بھی محتاج ہوتا ہے۔

أَخْرَجَ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا مَرْفُوْعًا: أَنَّ أَہْلَ الْبَیْتِ إِذَا تَوَاصَلُوْا أَجْرَی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمُ الرِّزْقَ وَکَانُوْا فِیْ کَنَفِ اللّٰہِ. کَنْزُ الْعُمَّالِ ج ٦ ص ٤٧٢.

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب کسی خاندان اور کسی گھر والے افراد آپس میں صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر رزق جاری فرما دیتے ہیں (یعنی فراخیٔ رزق نصیب فرماتے

ہیں) اور وہ تمام افراد اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں "۔

اس حدیث میں ایک عجیب نکتے کا ذکر ہے جو نہایت اہم و نافع ہے۔ وہ یہ کہ جس گھر اور خاندان کے افراد کا ایک دوسرے سے تعلق اچھا ہو اور ان کے آپس میں خوش اخلاقی اور محبت والے تعلقات قائم ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں خصوصی طور پر دو قسم کی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ اوّل یہ کہ انہیں کشادہ رزق نصیب فرماتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مختلف آفات سے، بیماریوں سے، شرِّ اَعداء سے، ایذاءِ مفسدین سے اور آپس کے اختلافات اور جھگڑوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہتے ہوئے اَغیار کی نگاہوں میں معظّم و محترم ہوتے ہیں۔

أَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: أَنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ أَكْثَرَ مِمَّا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ. كَنْز ج ٦ ص ٤٧٣.

"حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ موت بندے کو جتنا تلاش کرتی ہے اُس سے کہیں زیادہ رزق آدمی کو تلاش کرتا ہے (یعنی جو رزق اس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے وہ اسے ضرور مل کر رہتا ہے)"۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو رزق ازل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے حصے میں لکھا ہے وہ ضرور انسان کو پہنچ کر رہتا ہے اور وہ اس طرح انسان کی تلاش میں رہتا ہے تا آنکہ وہ انسان کو پالے اور انسان اس کے قبضے میں آجائے جس طرح موت انسان کی تلاش میں رہتی ہے تا آنکہ وہ انسان کو پالے۔

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: أَنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ. كنز ج ٦ ص ٤٧٣.

یعنی ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ بعض دفعہ آدمی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق کے بڑے اور خصوصی حصے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور دُعا ایسا عمل ہے جو تقدیر (تقدیرِ معلّق) کو بھی ردّ کر دیتا ہے۔ اور نیکی انسان کی عمر میں زیادتی (اور برکت) کا باعث بنتی ہے“۔

اس حدیث میں تین اہم باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اول یہ کہ گناہ سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ گناہ کی وجہ سے انسان ایک تو عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوم وہ دنیا میں خصوصی رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دعا کی یہ عظمت بتلائی گئی کہ وہ نہایت نافع ہے یہاں تک کہ گاہے وہ تقدیر خداوندی کو بھی روک دیتی ہے۔ تقدیر سے مراد تقدیرِ معلّق ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ نیکیاں اور احسان عمر بڑھنے اور عمر طویل ہونے کا باعث ہیں۔ نیک اعمال کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔ خصوصاً وہ نیک اعمال و معاملات جو رشتہ داروں سے متعلق ہوں۔

أَخْرَجَ الدَّيْلَمِيُّ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: قَالَ مُوسَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ تُغْلِقُ عَلَى عَبْدِكَ الْمُؤْمِنِ الدُّنْيَا. فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهُ بَابًا مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَقَالَ: هٰذَا مَا

أَعْدَدْتُّ لَهٗ. قَالَ : وَعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ وَارْتِفَاعِ مَكَانِكَ لَوْ كَانَ أَقْطَعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ يُسْحَبُ عَلٰى وَجْهِهٖ مُنْذُ خَلَقْتَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ثُمَّ كَانَ هٰذَا مَصِيْرَهٗ لَكَأَنْ لَّمْ يَرَ بُؤْسًا قَطُّ.

قَالَ : يَا رَبِّ ! إِنَّكَ تُعْطِي الْكَافِرَ فِي الدُّنْيَا. فَفَتَحَ لَهٗ بَابًا مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ فَقَالَ : هٰذَا مَا أَعْدَدْتُّ لَهٗ. فَقَالَ : يَا رَبِّ ! وَعِزَّتِكَ لَوْ أَعْطَيْتَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا لَمْ يَزَلْ فِيْ ذٰلِكَ مُنْذُ خَلَقْتَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ثُمَّ كَانَ هٰذَا مَصِيْرَهٗ كَأَنْ لَّمْ يَرَ خَيْرًا قَطُّ. كنز ج ٦ ص ۴۸۸.

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے یہ روایت کرتے ہیں کہ موسی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے ربّ! (کیا وجہ ہے کہ) آپ اپنے مؤمن بندے پر رزق کے دروازے بند کر دیتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے (اس سوال کے جواب میں) جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا اور فرمایا کہ یہ وہ اجر و ثواب ہے جو میں نے (رزق کی تنگی اور دنیوی تکالیف کے بدلے میں) اپنے بندے کیلئے تیار کر رکھا ہے۔

موسی علیہ السلام نے (اس اجر و ثواب اور جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر) عرض کیا کہ اے اللہ ! آپ کی عزت اور آپ کے جلال و عظمت کی قسم، اگر مؤمن بندے کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور اسے پیدائش کے دن سے لیکر قیامت کے دن تک مسلسل منہ کے بل گھسیٹا جائے اور آخر میں اس کا ٹھکانہ یہ جنت ہو تو وہ اس راحت و سکون اور اس خوشی کی وجہ سے یوں محسوس کرے گا گویا اس نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہ تھی۔

موسی علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ ! (کیا وجہ ہے کہ)

آپ کافر کو دنیا میں (وافر مقدار میں) نعمتیں عطا فرماتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواباً جہنم کے دروازں میں سے ایک دروازہ کھولا اور فرمایا کہ میں نے کافر کیلئے یہ سزا تیار کر رکھی ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اے ربّ! آپ کی عزت کی قسم اگر آپ کافر کو دنیا اور دنیا کی ساری نعمتیں بھی عطا کر دیں اور وہ کافر پیدائش سے لیکر روزِ قیامت تک اُن نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہے، پھر آخر کار اس کا ٹھکانہ یہ جگہ ہو تو وہ یوں محسوس کرے گا گویا اس نے کبھی کوئی نعمت اور کوئی بھلائی دیکھی ہی نہ تھی"۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں رزق و دولت کی فراوانی نہ کوئی بڑی سعادت ہے اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب ہونے کی علامت ہے۔

دیکھئے۔ کئی کفّار بڑے دولتمند ہوتے ہیں، نازو نخروں میں وہ پلتے بڑھتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ ان کا انجام دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

اسی طرح دنیا میں رزق و مال کے اعتبار سے کسی کا تنگدست و مفلس ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ تنگدست و مفلس شخص شقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے۔

کیونکہ دنیا میں کئی مؤمنین کاملین اور اولیاء و عارفین مفلس اور نہایت تنگدست ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی فاقوں میں گزرتی ہے۔ لیکن یہ بات اَظہرِ مِن الشّمس ہے کہ اولیاء اللہ و عارفین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان کیلئے اللہ

تعالیٰ نے آخرت میں وہ مسرّتیں اور نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں، نہ کانوں نے سنی ہیں اور نہ کسی انسان کے تصور میں آئی ہیں۔

لہٰذا جنت کی عظیم اور دائمی مسرّتوں ونعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی چند روزہ غربت اور افلاس کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہی مطلب ہے اس حدیثِ معروف کا اَلدُّنیا سِجنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ یعنی " دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے "۔

أَخرَجَ الحَافِظُ أَبُونُعَیمٍ فِی الحِلیَۃِ ج۸ ص ۲۴۵ عَن عَبدِاللہِ ابنِ مَسعُودٍ وَأَبِی سَعِیدٍ الخُدرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنہُمَا قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: مَن سَخِطَ رِزقَہٗ وَبَثَّ شَکوَاہُ وَلَم یَصبِر لَم یَصعَد لَہٗ إِلَی اللہِ حَسَنَۃٌ وَّلَقِیَ اللہَ وَھُوَ عَلَیہِ غَضبَانُ۔

یعنی " حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو آدمی اپنی تنگیٔ رزق پر ناراض ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہو) اور اس تنگیٔ رزق کا شکوہ پھیلائے (یعنی تنگیٔ رزق کی لوگوں کے سامنے شکایت کرے) اور صبر نہ کرے تو اس کی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتی (یعنی اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا) اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر سخت غصہ ہوگا "۔

اس حدیث میں اُمت کیلئے یہ تعلیم ودرس ہے کہ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہونا چاہیئے۔ اور رزق کی تنگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراضگی کا اظہار کرنے اور شکوہ کرنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف نہیں جاتی۔ نیکی کا بارگاہِ خداوندی میں نہ پہنچنا اس کی عدمِ

قبولیت کی علامت ہے۔

نیز قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر سخت ناراض ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی سے ہمیں بچائیں۔ آمین۔

وَأَخْرَجَ الْحَافِظُ أَبُوْنُعَيْمٍ بِإِسْنَادِهٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَلَّ مَا يُوْجَدُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دِرْهَمٌ مِّنْ حَلَالٍ أَوْأَخٌ يُّوْثَقُ بِهٖ. حِلْيَة ج ۴ ص ۹۴.

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں حلال کا ایک درہم بھی کم ملے گا اور بااعتماد دوست بھی کم ملے گا“۔

اس حدیث میں قربِ قیامت کے بارے میں دو پیشینگوئیوں کا بیان ہے۔ اول یہ کہ آخری زمانہ میں رزقِ حلال کا دستیاب ہونا نہایت مشکل ہو گا۔ دوم یہ کہ امانت دار اور مخلص دوست کا ملنا بھی نہایت مشکل ہو گا۔

اس حدیث کے پیش نظر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حرام مال و رزق سے بچے اور حلال مال و رزق کی تحصیل کی کوشش کرے۔ حدیث مذکور کی پیشینگوئی کے مطابق ہمارے اس آخری زمانہ میں یعنی پندرہویں صدی میں رزقِ حلال کا ملنا بلاریب نہایت مشکل ہے۔

لہٰذا کسبِ رزق و مال کے سلسلے میں آجکل کے مسلمانوں کو نہایت محتاط ہونا چاہئے اور حتی الوسع حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حرص ولالچ سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ لالچ ہی انسان کو حرام میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔ نیز رزق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور وعدۂ رزق پر زیادہ بھروسہ کرنا چاہئے ۔ اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر پورا اعتماد و توکُّل کرنا بہت بڑی

سعادت ہے۔

ابوسلیمان دارانی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ میں سے ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا قول ہے۔

مَنْ وَّثَقَ بِاللّٰہِ فِیْ رِزْقِہٖ زَادَ فِیْ حُسْنِ خُلُقِہٖ، وَأَعْقَبَہُ الْحِلْمُ، وَسَخَتْ نَفْسُہٗ فِیْ نَفَقَتِہٖ، وَقَلَّتْ وَسَاوِسُہٗ فِیْ صَلَاتِہٖ. حِلْیَۃ ج ۹ ص ۲۵۷.

یعنی "جو شخص رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اس کے اخلاقِ حسنہ میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور وہ حلیم الطبع ہوجاتا ہے۔ اور ضروریاتِ زندگی پر مال خرچ کرنے کے بارے میں اس کا نفس سخی ہوجاتا ہے۔ اور نماز میں اس کے وَساوِس کم ہوجاتے ہیں"۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکُّل اور بھروسہ کرنے کی تاکید ہے اور پھر اس توکُّل کے چند فوائد وثمرات بھی انہوں نے ذکر فرمائے ہیں۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ اور توکُّل کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائے اور صرف آخرت میں نفع دینے والے اعمال کو وہ اپنا مقصدِ زندگی بنالے۔

اس سلسلے میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قیمتی قول پیشِ خدمت ہے۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ رحمہ اللہ تعالیٰ عَلٰی مِنْبَرٍ: أَیُّھَا النَّاسُ! أَصْلِحُوْا سَرَائِرَکُمْ تَصْلُحْ عَلَانِیَتُکُمْ، وَاعْمَلُوْا لِآخِرَتِکُمْ تَکْفُوْا أَمْرَ دُنْیَاکُمْ. حِلْیَۃ ج ۵ ص ۲۹۸.

”حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو ! تم اپنی اندرونی کیفیت اور اپنے پوشیدہ معاملات و اعمال کی اصلاح کرلو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری معاملات و اعمال کی اصلاح فرمادیں گے۔ اور تم اپنی آخرت کو سنوارنے کیلئے عمل اور کوشش کرو اللہ تعالیٰ تمہارے دنیوی امور کی کفایت فرمائیں گے“۔

بہر حال رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر پورا بھروسہ کرنا عارفین و صالحین کی خصلت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کم ملے تو صبر کرنا چاہئے۔صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صابرین کے حصے میں آتی ہے۔ اور اگر رزقِ فراخ حاصل ہو تو شکر کرنا چاہئے۔شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شکر اور صبر کے بارے میں بندے کا امتحان لیتے ہیں۔

بشر بن الحارث حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کبار اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ ان کا ایک قول ہے۔

قَالَ : مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ إِلَّا مُبْتَلًى : رَجُلٌ بَسَطَ اللهُ تَعَالىٰ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ فَيَنْظُرُ كَيْفَ شُكْرُهٗ. وَرَجُلٌ قَبَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ رِزْقَهٗ فَيَنْظُرُ كَيْفَ صَبْرُهٗ. حِلْيَة ج۸ ص ۳۵۰.

یعنی ”بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں کسی ایسے انسان کو نہیں جانتا جو کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو (یعنی ہر انسان کسی نہ کسی آزمائش و امتحان میں مبتلا ہے) جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے رزقِ فراخ عطا کیا ہے (وہ اس طرح آزمائش میں مبتلا ہے کہ) اللہ تعالیٰ اسے آزماتے ہیں کہ وہ شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور

جس انسان کا رزق اللہ تعالیٰ نے تنگ کر دیا ہے (وہ اس طرح امتحان میں مبتلا ہے کہ) اللہ تعالیٰ اسے آزماتے ہیں کہ آیا وہ صبر کرتا ہے یا نہیں "۔

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قیمتی قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے بندے کا امتحان لیتے ہیں۔ پس رزق کے بارے میں صبر و شکر کا امتحان ہے۔

کیونکہ دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں۔ اول وہ جو دولتمند و غنی ہیں۔ ان کا امتحان شکر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ وہ شکر کرتے ہیں یا نہیں۔ دوم وہ جو مفلس و غریب ہیں۔ ان کا امتحان اس میں ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں یا نہیں۔

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور قیمتی قول ہے۔ قَالَ: خَصْلَتَانِ تُقَسِّيَانِ الْقَلْبَ: كَثْرَةُ الْكَلَامِ، وَكَثْرَةُ الْأَكْلِ. حِلْيَة ج۸ ص ۳۵۰.

یعنی "دو خصلتیں ایسی ہیں جو آدمی کے دل کو سخت کر دیتی ہیں۔ ایک کثرتِ کلام، دوسری کثرتِ طعام"۔

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جو نرم دل ہو۔ لہٰذا مسلمان کو اُن امور سے بچنا چاہیے جو موجِبِ قساوتِ قلب ہیں۔ جو امور موجِبِ قساوتِ قلب ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو امور ہیں۔ اول کثرتِ کلام، دوم کثرتِ طعام یعنی زیادہ کھانا پینا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشیں جو سعادتِ دارین کا سبب ہیں اور ان اعمال سے محفوظ رکھیں جو قساوتِ قلب اور شقاوتِ دنیا و عقبیٰ کے موجِب ہیں۔ آمین۔



فصل (۳)

اعزّۂ کرام ! جملہ معاملات اور جملہ امورِ رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی رزق تنگ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی رزق کو وسیع اور فراخ کرتے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویّہ میں واضح طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ بندوں کا رزق بندوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ نیک اعمال یعنی تقویٰ فراخیٔ رزق کا سبب ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا. (سورۃ طلاق، آیت ۲-۳، پ ۲۸)

" اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مضرّتوں سے نجات کی شکل نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکُّل کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاحِ مہمّات کے لئے کافی ہیں۔ اللہ پاک جس طرح کرنا چاہیں پورا کر کے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں ہر شے کا ایک اندازہ مقرر

کر رکھا ہے"۔

اس آیت سے اوّلاً یہ واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ فراخیٔ رزق کا بڑا سبب ہے۔

ثانیاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کبھی ایسے ذرائع سے بھی رزق دیتے ہیں جہاں انسان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

ثالثاً اللہ تعالیٰ پر توکُّل کرنا عظیم سعادت ہے۔ توکّل کرنے والوں کے جملہ امور کے اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہوتے ہیں۔

رابعاً دنیا میں ہر شے اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلوں کے مطابق ہوتی ہے۔ رزق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کے رزق کی تفصیلات ازل ہی میں طے کی ہیں۔ ازل میں مقرر شدہ رزق میں نہ کمی ہوسکتی ہے اور نہ زیادتی۔ لہٰذا رزق کے بارے میں انسان کا زیادہ متفکر ہونا بے سود ہے۔

قرآن پاک میں ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. (سورۃ ہود۔ آیت ٦۔ پ ١٢)

"اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّہ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی زیادہ عرصہ رہنے کی جگہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو خوب جانتے ہیں۔ سب چیزیں کتابِ مبین میں ہیں"۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف انسان کے بلکہ ہر دابّہ، ہر حیوان کے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا نظامِ رزق بہت وسیع ہے۔

نیز اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی نہایت وسیع ہے۔ وہ ہر شے کے احوال اور مسکن یعنی رہائش کی جگہ جانتے ہیں۔ چنانچہ ہر دابّہ

کو، ہر حیوان کو اپنے مسکن اور رہائش گاہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچتا رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ. إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (سورۃ الروم۔ آیت ۳۷)

"کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ رزق میں کشادگی پیدا فرماتے ہیں جس کیلئے چاہیں اور اللہ تعالیٰ رزق میں تنگی پیدا فرماتے ہیں جس کیلئے چاہیں اور جب بھی چاہیں۔ اس معاملہ میں عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں مؤمنوں کے لئے"۔

اس آیت سے دو امور معلوم ہوئے۔

(۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح رزق اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی رازق ہیں اسی طرح رزق کی فراخی و تنگی بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ اس سلسلے میں پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اسی سے فراخیٔ رزق مانگے اور اسی سے رزق کی تنگی کے ازالہ کی دعا مانگتا رہے۔

(۲) نیز اس آیت میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ رزق کی فراخی کا سبب عقل و دانش نہیں ہے۔ لہٰذا ہر عاقل و دانا انسان کا دولتمند ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہر بیوقوف و کم عقل کا غریب و مفلس ہونا ضروری ہے۔ بلکہ دولتمند ہونا اور غریب ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادے کا مرہون ہے۔

چنانچہ آپ حضرات نے کئی ایسے انسان دیکھے ہونگے جو عاقل و دانشمند

ہونے کے باوجود مفلس وغریب ہوتے ہیں۔ اور کئی ایسے انسان بھی آپ کی نظر سے گزرے ہونگے جو بے عقل و بیوقوف ہونے کے باوجود بڑے آسودہ حال اور دولتمند ہوتے ہیں۔ ان کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہوتا ہے۔ اس قسم کے احوال عبرت کی نشانیاں ہیں عقلمند قوم کیلئے۔

ایک حدیث پاک ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ جَاعَ أَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ وَأَفْضٰى بِهٖ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّفْتَحَ لَهٗ قُوْتَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ (رواه الطَّبْرَانِيُّ فِي الصَّغِير).

” حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص تنگدست یا محتاج ہوا اور پھر اس نے اپنی غربت و حاجت کو لوگوں سے چھپا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس سے مدد مانگی تو اللہ تعالیٰ لازماً اس کیلئے ایک سال تک رزقِ حلال کا دروازہ کھول دیں گے “۔

ایک اور حدیث پاک ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ نَّزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ نَّزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ. (رواه أبوداؤد والتِّرمذی وقال حَسَنٌ صحيحٌ).

” حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ جو شخص مفلس ہوا اور اس نے اپنا افلاس لوگوں کے سامنے بیان کیا اور ان پر اعتماد کیا تو اس کا افلاس کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور جو شخص مفلس ہوا اور اس نے

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے اسے دفع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ جلدی یا کچھ مدّت کے بعد اسے رزق نصیب فرمادیں گے "۔

رزق وغیرہ جملہ ضروریاتِ زندگی میں ظاہری اَسباب کا استعمال اور اُن اسباب کے مطابق حلِّ مشکلات و ازالۂ آفات و مصائب کے سلسلے میں کوشش کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ اسباب کا استعمال ازروئے شرع جائز بلکہ سنت ہے۔ البتہ زیادہ اعتماد اور زیادہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادے پر ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہی سے مشکلات حل اور مصائب دور ہو سکتے ہیں۔

یہی مقصد ہے اس قولُ اللہ کا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ یعنی " اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور اللہ ہی بہتر کارساز ہے "۔ اور یہی مطلب ہے اس قولُ اللہ کا إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یعنی " اے اللہ ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں "۔

اللہ تعالیٰ سے روحانی تعلق کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اَسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

برادران اسلام ! انسان کی دنیاوی زندگی کی ضروریاتِ اصلیّہ تین ہیں۔ لباس، مکان اور خوراک۔ اگرچہ ان کے علاوہ بھی انسان کی بیشمار ضروریات ہیں لیکن یہ تین ضرورتیں سب سے اہم اور بنیادی ہیں۔ اِن تینوں کے حصول کیلئے انسان سرگرم رہتا ہے۔

ان میں سے بعض کی ضرورت کچھ کم اور محدود ہوتی ہے اور بعض کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ لباس اور مکان کی ضرورت محدود ہے۔ البتہ مکان کی ضرورت اور حاجت پوری کرنے کیلئے زیادہ وسائل اور زیادہ مال چاہئے۔ اور لباس کی ضرورت محدود وسائل اور محدود مال سے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اور خوراک کی ضرورت ان دونوں ضرورتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔خوراک کی ضرورت سب سے وسیع تر بھی ہے اور اس کیلئے زیادہ وسائل اور زیادہ مال بھی چاہئے۔

پس خوراک کے دائرے کا معاملہ وسیع تر ہے اور زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔لباس کی فکر ہر وقت نہیں ہوتی، کپڑے کا ایک جوڑا کئی ماہ تک کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح مکان بھی ایک بار بنالیا جائے تو سالہا سال بلکہ عمر بھر وہی مکان کافی ہوسکتا ہے۔ مگر خوراک کی حاجت اور ضرورت چوبیس گھنٹوں میں کم از کم دو تین مرتبہ پیش آتی ہے یعنی صبح، دوپہر، رات۔ یہ تو تقریباً واجبی حد ہے ورنہ کئی لوگ دن میں بیسیوں مرتبہ اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس بنا پر انسان کو خوراک کی زیادہ ضرورت اور زیادہ فکر رہتی ہے۔ یعنی خوراک کے حصول کی فکر، اس کے تنوّع کا خیال، اس کے مزیدار ہونے کا تصور اور اس کے ہضم ہونے کی فکر۔ غرض اس ایک ضرورت یعنی خوراک و طعام سے متعلق سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی انواع اور ایسے شعبے ہیں جن کی فکر میں انسان مستغرق رہتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان پریشانیوں اور افکار سے نجات دلانے اور بے فکر کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ ہر دابّہ یعنی ہر ذی روح چیز کا رزق میرے ذمہ ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

لٰہذا انسان کو چاہیے کہ وہ رزق کے معاملہ میں زیادہ پریشان اور فکرمند نہ ہو اور نہ ہی اسے رزق کے حصول کیلئے اپنے تمام اوقات صرف کر کے اپنی زندگی تباہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ جتنی بھی سعی اور کوشش کر لے، ملے گا اس کو اتنا ہی رزق جتنا اس کے مقدّر میں لکھا جا چکا ہے۔ اس سے زیادہ وہ حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس سے زیادہ کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔ تعلیماتِ اسلامیہ میں ایک اہمّ شعبہ یہ ہے کہ روزی اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور انسان کے ذمّہ اللہ جلّ جلالہ کی عبادت ہے۔ پس انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ ایک حدیث شریف ہے۔

مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا اهَمَّ الْآخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ.

یعنی "جو شخص (دنیا کے) تمام غموں کو چھوڑ کر صرف ایک آخرت کے غم میں لگ جائے تو اللہ جلّ جلالہ اس کے تمام غموں کے متکفِّل ہو جائیں گے"۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے

تھے افسوس...... جو کام انسان کے کرنے کا تھا یعنی عبادت وہ تو اس نے چھوڑ دیا اور جو کام انسان کے ذمّے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذمّے تھا یعنی روزی دینا وہ اس نے اپنے ذمّے لے لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ آخرت سنور سکی نہ دنیا۔ کیونکہ دنیا تو فانی ہے، یہ باقی رہنے والی شے نہیں۔ اور آخرت کی فکر نہیں کی تا کہ وہ سنور جاتی۔ فکرِ آخرت سے غافل زمانۂ حال کے مسلمانوں کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے۔

نگاہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں — خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی — اَماں شاید ملے اللہ ہُو میں

اِس دور میں مسلمانوں کی حالت وہی ہے جو ایک شاعر نے بیان کی ہے۔

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

انسان اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکُّل کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے کبھی بھوکا نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے مایوس کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں چند واقعات و حکایات پیشِ خدمت ہیں جو نہایت ایمان افروز و نصیحت آموز ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ کرامت صوفی و مشہور بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں تھا، وہاں میں نے تین دن تک ایک فقیر

کو دیکھا جو بالکل خاموش رہ رہا تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا دل کھانے کیلئے کس چیز کی تمنا کرتا ہے؟ کہنے لگا گرم روٹی اور کباب کی تمنا کرتا ہے۔

ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے نکلا تاکہ اس فقیر کیلئے گرم روٹی اور کباب خرید کر لاؤں۔ مگر سارا دن کوشش کے باوجود مجھے یہ چیزیں کہیں سے نہ ملیں۔ چنانچہ میں مایوس ہو کر واپس آ گیا اور آ کر مسجد کا دروازہ بند کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ رات کو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک شخص گرم روٹی اور کباب ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ لو کباب اور روٹی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی یہ چیزیں کیوں لائے ہو؟

اس نے کہا کہ آج ہم نے گھر میں یہ چیزیں پکائی تھیں۔ گھر میں بعض امور کی وجہ سے جھگڑا اور نزاع ہوا۔ جھگڑے اور آپس میں تکرار کی وجہ سے ہم اہل خانہ نے قسم کھائی کہ اب یہ سارا کھانا مسجد ہی میں دیں گے۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔

إِلٰهِيْ إِذَا كُنْتَ تُرِيْدُ أَنْ تُطْعِمَهٗ فَلِمَ أَتْعَبْتَنِيْ طُوْلَ النَّهَارِ.

یعنی ”اے اللہ! جب آپ نے اس فقیر کو کھانا کھلانا ہی تھا تو پھر سارا دن مجھے کیوں تھکایا“۔

اس عبارت سے ابراہیم خواصؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مجھے پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح آسانی سے کھانا عنایت فرمائیں گے تو میں سارا دن کھانے کی تلاش میں اپنے آپ کو نہ تھکاتا۔

اس حکایت سے یہ بات واضح ہوئی کہ طعام وحصولِ رزق اللہ تعالیٰ کی مشیّت و ارادے کا مرہون ہے نہ کہ انسان کی کوشش اور جدّو جہد کا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے انسان خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلے وہ حصولِ مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور مقاصد میں کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت کی دعا مانگے۔

ایک عابد یعنی عبادت گزار بزرگ کسی مسجد میں مقیم ومعتکف تھے۔ ان کے کھانے کا بظاہر کوئی انتظام نہ تھا۔ امام مسجد نے ان سے کہا کہ اگر آپ کسبِ معاش بھی کرتے تو اچھا ہوتا۔ تاکہ آپ کو کھانے کے معاملہ میں پریشانی نہ ہوتی۔ اُس عابد نے امام کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

امام نے تین دفعہ یہ بات دہرائی۔ تو اس عابد نے امام کو توکُّل کے راز سے خبردار کرنے کیلیئے بالآخر یہ جواب دیا کہ مسجد کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا ہے وہ مجھے ہر روز دو روٹیاں دیتا ہے۔ امام نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کا ترکِ معاش درست ہے۔ اس عابد نے کہا۔

يَا هٰذَا ! لَوْلَمْ تَكُنْ إِمَامًا تَقِفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَبَيْنَ عِبَادِهٖ مَعَ هٰذَا النَّقْصِ فِي التَّوْحِيْدِ لَكَانَ خَيْرًا لَّكَ. تُفَضِّلُ ضَمَانَ يَهُوْدِيٍّ عَلٰى ضَمَانِ اللّٰهِ.

یعنی "عقیدۂ توحید میں اس نقص کی وجہ سے اگر آپ امام بن کر لوگوں کے آگے کھڑے نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ آپ ایک یہودی کی ذمّہ داری کو اللہ تعالیٰ کی ذمّہ داری پر ترجیح دیتے ہیں"۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

أَتَطْلُبُ رِزْقَ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهٖ
وَتُصْبِحُ مِنْ خَوْفِ الْعَوَاقِبِ آمِنًا
وَتَرْضٰى بِصَرَّافٍ وَّإِنْ كَانَ مُشْرِكًا
ضَمِيْنًا وَّلَا تَرْضٰى بِرَبِّكَ ضَامِنًا

یعنی " (۱) (اے انسان!) تو اللہ تعالیٰ کا رزق غیر اللہ سے طلب کرتا ہے اور انجام کے خوف سے بے فکر ہے۔

(۲) تو ایک صرّاف یعنی دنیا دار، اگرچہ وہ مشرک ہو، کی ضمانت پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ضامن ماننے پر راضی نہیں ہے"۔

بزرگوں سے ایک بات منقول ہے جو کہ متعدد کتابوں میں درج ہے کہ عالمِ ازل میں جب انسانی ارواح پیدا کی گئیں تو ہر ایک روح نے اپنی پسند کی صنعت اختیار کی۔ پھر عالمِ دنیا میں آنے کے بعد ہر انسان نے وہی صنعت اختیار کی جسے اس نے عالمِ ازل میں پسند کیا تھا۔ مگر ایک گروہ نے عالمِ ازل میں کوئی

بھی صنعت پسند نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے عرض کیا۔ یا اللہ ! ہمیں کوئی دنیوی صنعت و فانی حرفت پسند ہی نہیں آئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقاماتِ طاعت و عبادت دکھائے تو اس گروہ نے کہا۔ اے اللہ ! ہم آپ کی طاعت و عبادت ہی پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَعِزَّتِیْ وَجَلاَلِیْ لَأُسَخِّرَنَّهُمْ لَكُمْ وَلَأَجْعَلَنَّهُمْ لَكُمْ خُدَّامًا وَعِزَّتِیْ وَجَلاَلِیْ لَأُشَفِّعَنَّكُمْ غَدًا فِیْمَنْ عَرَفَكُمْ وَخَدَمَكُمْ.

یعنی "مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم۔ میں ان سب لوگوں کو تمہارے لئے مسخر کر کے تمہارے خادم بنادونگا اور بروزِ حشر تمہاری سفارش ان سب لوگوں کے حق میں قبول کروں گا جو تمہاری خدمت کریں گے اور تمہاری قدر پہچانیں گے"۔

طلبِ رزقِ حلال کیلئے سعی اور کوشش کرنا اور اس کے حصول کیلئے ظاہری ذرائع استعمال کرنا ازروئے شریعت جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ لیکن بعض اولیاء اللہ زہد و تقوی و توکّل علی اللہ کے بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے ظاہری اسباب و ذرائع کے ترک کو ترجیح دیتے ہیں۔ چونکہ ہر آدمی کو یہ بلند مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے عام مسلمانوں کے لئے طلبِ رزق و تحصیلِ رزق کے سلسلے میں ظاہری اسباب و ذرائع کا استعمال جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

حضرت جنید ابو القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ان کے مریدوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

أَنَطْلُبُ أَرْزَاقَنَا ؟ فَقَالَ : إِنْ عَلِمْتُمْ أَيْنَ هِيَ فَاطْلُبُوْهَا. فَقَالُوْا :

أَنَسْأَلُ اللّٰهَ ذٰلِكَ ؟ فَقَالَ : إِنْ عَلِمْتُمْ أَنَّهٗ يَنْسَاكُمْ فَذَكِّرُوْهُ. فَقَالُوْا : أَنَدْخُلُ بُيُوْتَنَا وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَ : التَّجْرِيْدُ مَعَ اللّٰهِ شَكٌّ. قَالُوْا : مَا الْحِيْلَةُ ؟ قَالَ : تَرْكُ الْحِيْلَةِ.

یعنی ” (انہوں نے عرض کیا کہ حضرت !) ہم رزق طلب کرنا شروع کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں رزق کی جگہ کا علم ہو تو طلب کرو (مگر اس بات کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے)۔ مریدوں نے عرض کیا کہ پھر خدا سے طلب کریں؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بُھلا دیتا ہے تو پھر تم اسے یاد دلا دو (مگر اللہ تعالیٰ تو ہر وقت اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہیں)۔ مریدوں نے عرض کیا کہ پھر ہم توکُّل کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی شک کی زندگی ہے (یعنی سب کچھ چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانا شک کی طرح نامناسب کام ہے)۔ مریدوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کونسا حیلہ اور ذریعہ اختیار کریں؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تمام حیلے اور ذرائع ترک کر دو“۔

جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قصّہ زہد و توکُّل علی اللہ کے سلسلے میں اُن کے نہایت بلند مرتبے پر مبنی ہے۔ اس قسم کے بلند و بالا مرتبے والے بزرگ کے یہی شایانِ شان ہے۔ البتہ عام مسلمانوں کے لئے رزق کے بارے میں اسبابِ ظاہری و ذرائع ظاہری پر عمل کرنا اور ان کے مطابق کوشش کرنا مناسب ہے بلکہ بہتر ہے۔ تفاوتِ مراتب کی وجہ سے گاہے گاہے احکامِ شرعیہ بھی قدرے مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی ایک اور حکایت بھی سن لیں۔

بعض کتابوں میں ہے کہ ایک نیک آدمی طلبِ رزق کیلئے گھر سے نکلا۔

رزق کی طلب میں سعی کرتے کرتے تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اچانک سامنے ایک دیوار پر اس کی نظر پڑی جس پر کچھ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

يَسْعَى الْحَرِيْصُ فَلَا يَنَالُ بِحِرْصِهٖ
حَظًّا وَّيَحْظٰى عَاجِزٌ وَّمَهِيْنٌ
هَوِّنْ عَلَيْكَ وَكُنْ بِرَبِّكَ وَاثِقًا
فَأَخُو التَّوَكُّلِ شَانُهُ التَّهْوِيْنُ
طَرَحَ الْأَذٰى عَنْ نَّفْسِهٖ فِيْ رِزْقِهٖ
لَمَّا تَيَقَّنَ أَنَّهٗ مَضْمُوْنٌ

یعنی " (۱) حریص آدمی بڑی محنت کرتا ہے۔ مگر صرف لالچ سے کچھ ہاتھ نہیں آتا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو۔ اور (اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو) ایک عاجز اور کمزور انسان رزق کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

(۲) (اے انسان) صبر کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔ کیونکہ متوکّل انسان کا کام صبر ہے۔

(۳) اس شخص نے رزق کے معاملہ میں اپنے نفس سے بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا جس کو یہ یقین ہو گیا کہ رزق کی ضمانت دیدی گئی ہے (یعنی رزق کے ضامن اللہ تعالیٰ ہیں) "۔

وہ نیک اور صالح شخص یہ اشعار پڑھ کر واپس گھر آ گیا۔ اور پھر زندگی بھر کبھی بھی طلبِ رزق کے لئے اس نے زیادہ کوشش اور زیادہ سعی نہ کی۔

جنید بغدادیؒ کے سابقہ قصہ کی طرح یہ قصہ بھی بعض اولیاء اللہ کے بلند مقام و مرتبے پر مبنی و متفرّع ہے۔ ایسے بزرگ اپنے مستحکم یقین اور بلند مرتبے کی وجہ سے ظاہری وسائل بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں کا حال ان سے مختلف ہوتا ہے۔

چنانچہ علماءِ دین نے لکھا ہے کہ عام مسلمانوں کیلئے حصولِ رزق کیلئے سعی و کوشش کرنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ البتہ فکرِ آخرت فکرِ دنیا و فکرِ رزق پر غالب رہنی چاہئے۔ کیونکہ اصل مقصود تو آخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے۔ حصولِ رضاءِ خدا تعالیٰ کی فکر اور آخرت کی فکر دیگر تمام افکار سے مقدّم اور اہم تر ہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یقین دانم دریں عالَم کہ لا معبود اِلاّ ہو
ولا موجود فی الکونین لا مقصود اِلاّ ہو
چو تیغِ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مجو از غیر حق یاری کہ لا فتّاح اِلاّ ہو

یعنی ”(۱) مجھے یقین ہے کہ اس عالَم میں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ نیز حقیقی موجود اور اصلی مقصود صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) کلمۂ طیبہ یعنی لا اِلٰہ اِلاّ اللہ جیسی روحانی تلوار کے ہوتے ہوئے تم کوئی غم نہ کرو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی دوستی اور مدد کے طالب رہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور فتّاح (کامیابی دینے والا) نہیں“۔

اولیاء اللہ کی نظر ہر مقام پر، ہر حال میں اور ہر معاملہ میں صرف ذاتِ خدا تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ ان کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہوتا ہے۔

مشہور بزرگ، زاہدِ زمانہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک امام مسجد کے پیچھے نماز ادا کی۔ سلام کے بعد امام مسجد اور اِن کے درمیان گفتگو ہوئی۔ امام نے ابو یزید بسطامیؒ سے پوچھا۔

مِنْ أَيْنَ تَأْكُلُ؟ فَقَالَ أَبُوْيَزِيْدَ: اِصْبِرْ حَتّٰى أُعِيْدَ الصَّلَاةَ الَّتِيْ صَلَّيْتُهَا خَلْفَكَ حَيْثُ شَكَكْتَ فِيْ رَازِقِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. فَإِنَّهٗ لَا تَجُوْزُ الصَّلَاةُ خَلْفَ مَنْ لَّا يَعْرِفُ الْمَلِكَ الرَّازِقَ تَعَالٰى.

یعنی ” (اے ابو یزید) آپ کھانا کہاں سے کھاتے ہیں؟ ابو یزیدؒ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر، تاکہ میں وہ نماز لوٹالوں جو میں نے تیرے پیچھے ادا کی۔ کیونکہ تو نے مخلوق کے رازق کے بارے میں شک کیا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں جو رزّاق کو نہ جانتا ہو“۔

دوستو! اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کریں کہ وہ ہمیں حصولِ رزقِ حلال ہی کی توفیق بخشیں اور حرام رزق و مشتبہات سے بچائیں۔ آمین۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو حلال ہی کھا رہے ہیں، حلال ہی پہن رہے ہیں اور حلال مکان ہی میں رہائش رکھتے ہیں۔ اس دور میں حرام کا چرچا ہے اور رزقِ حلال کا حصول بہت مشکل ہے۔ بہت سے لوگ حرصِ دنیا میں عشق کی حد تک مبتلا ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ حبِّ دنیا و حبِّ مال سے ان کے دل مخمور ہیں۔

مشہور صاحبِ کرامات بزرگ حضرت شبلی صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

کہ ایک دفعہ میں نے عزم مصمم کیا کہ جب تک کسی کھانے کی چیز کے متعلق حلال ہونے کی مکمل تشفّی نہ ہوگی اسے نہیں کھاؤں گا۔

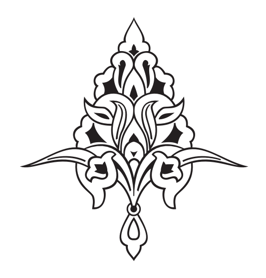
چنانچہ میں جنگل میں نکل گیا۔ وہاں پھر رہا تھا کہ ایک انجیر کے درخت پر میری نظر پڑی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کا پھل توڑ کر کھاؤں۔ فَنَادَتْنِی الشَّجَرَۃُ اِحْفَظْ عَلَیْكَ عَقْدَكَ لَا تَأْكُلْ مِنِّیْ فَاِنِّیْ لِیَهُوْدِیٍّ۔

یعنی ”درخت سے آواز آئی کہ (اے شبلی!) اپنے عہد کا خیال رکھ۔ میرا پھل استعمال نہ کر کیونکہ میں ایک یہودی کی مِلک میں ہوں“۔

اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے معاملات بڑے نرالے اور عجیب ہوتے ہیں۔ وہ تقوی و زہد و عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ اللہ عزّوجلّ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ان کی نگرانی و حفاظت فرماتے ہیں۔ ان کے عہد و پیمان کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دیکھئے حضرت شبلیؒ نے ایک نیک عہد کا عزم کیا کہ صرف حلال رزق ہی کھاؤنگا۔ اس عہد سے مقصد یہ تھا کہ اللہ عزّوجلّ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل میں حضرت شبلیؒ کی غیب سے یوں مدد فرمائی کہ جب شبلیؒ نے صحرا میں انجیر کے ایک درخت کو جنگلی اور غیر مملوک درخت سمجھتے ہوئے اس سے پھل توڑ کر کھانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے درخت کو گویائی کی طاقت بخشی اور درخت اپنی حالت خود بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ کے عہد کے پیشِ نظر میرا پھل آپ کے کھانے کے قابل نہیں کیونکہ میں یہودی کا مملوک ہوں۔

حرام مال کے مقابلے میں حلال چیز تھوڑی ہی مل جائے تو بہت بڑی غنیمت اور سعادت ہے۔ افسوس...... اس زمانہ میں مسلمانوں کو صرف حصولِ دنیا کی فکر ہے، آخرت کی کچھ فکر نہیں۔ حبِّ مال وجاہ کا غلبہ ہے اور محبتِ دنیا و مال وجاہ گناہوں کی جڑ ہے۔ اسی وجہ سے آج کل گناہوں اور شرارتوں کی بہتات اور کثرت ہے۔ حدیث شریف ہے حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (یعنی دنیا کی محبت ہر برائی وگناہ کی جڑ ہے)۔ حبِّ دنیا کے غلبہ کی وجہ سے آج کل ذکرُ اللہ کی، حسنات کی، نیکیوں کی، طاعات کی اور عبادۃُ اللہ کی بڑی کمی ہے۔ اللہ عزّوجلّ ہمارے قلوب کو ذکرُ اللہ کی، حسنات کی، طاعات کی اور عبادۃُ اللہ کی محبت سے منوّر فرمائیں اور ہمیں اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی اور حلال مال پر قناعت کرنے کی توفیق سے نوازتے ہوئے رزقِ حرام ومشتبہات کے استعمال سے بچائیں۔ آمین۔





فصل (۴)

حضرات کرام ! انسان زمین پر اللہ عزّوجلّ کا خلیفہ یعنی جانشین ہے۔ خلیفۃُ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم، رازق اور معبود سمجھتے ہوئے اللہ عزّوجلّ کے احکام کے موافق عمل کرے اور کرائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ذکرُ اللہ کرے اور کروائے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد یہ نہیں کہ رزق و مال وجاہ و دنیا کو مقصدِ حیات سمجھتے ہوئے ان کی تحصیل میں زندگی گزارے۔ بلکہ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ عزّوجلّ کا صحیح جانشین و خلیفہ ثابت کرتے ہوئے اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے عبادت کرے۔ قرآن مجید میں ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے "۔

عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا اور اس صراطِ مستقیم پر چلنا جس پر چلنے سے جنّت ملتی ہے، نیز رضائے خدا تعالیٰ حاصل ہوتی ہے، بلکہ اس پر چلنے سے خود اللہ عزّوجلّ ملتے ہیں۔

امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے کہ عبادت کے

تین درجے ہیں۔ اول ادنیٰ، دوم اوسط، سوم اعلیٰ۔

درجۂ اوّل۔ اگر عبادت رغبتِ ثواب و خوفِ عذاب کی وجہ سے کی جائے تو اس کا نام عبادت ہے اور اس کا فاعل و عامل زاہد کہلاتا ہے۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ پس حصولِ جنت کی نیت سے اور دوزخ سے بچنے کے ارادے سے عبادت کرنا ادنیٰ درجہ ہے۔ یہ عوام کی عبادت ہے۔

درجۂ دوم۔ اگر عبادت اپنے لئے فخر و شرافت سمجھ کر کی جائے اور مقصود خدمۃُ اللہ و اِنتساب اِلَی اللہ و اِرتباط مع اللہ کی سعادت و شرافت حاصل کرنا ہو تو اس کا نام عَبودیت ہے۔ یہ متوسط درجہ ہے۔

درجۂ سوم۔ اور اگر عبادت حصولِ ثواب و خوفِ عقاب کے ارادہ سے نہ کی جائے بلکہ اس لئے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ معبودِ برحق ہیں، وہ بالذات مستحق عبادت ہیں تو اس کا نام عَبودت ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ انبیاءُ اللہ و اولیاءُ اللہ کی عبادت ہے۔

کامل اولیاءُ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت و دوزخ نہ بھی پیدا فرماتے تو پھر بھی ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بالذات محبوبِ اعظم ہیں، وہ بالذات مستحق عبادت ہیں۔ عبادت کی فرضیت میں جنت و دوزخ کا دخل نہیں ہے۔

دیکھئے۔ والدین کی خدمت و اطاعت و فرمانبرداری اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ان کی سزا کا خوف ہوتا ہے یا ان سے مال و دولت کے حصول کی امید ہوتی ہے بلکہ والدین بالذات مستحقِ اِکرام و لائقِ خدمت ہیں۔

عبادت کا تیسرا درجہ اگرچہ اعلیٰ ہے لیکن اللہ جلّ جلالہ اپنے وسیع فضل و

کرم سے عبادت کے درجہ اول و دوم کو بھی قبول فرماتے ہیں۔ نیز اس سے خوش بھی ہوتے ہیں اور ثواب و جنت بھی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔لیکن افسوس کہ اکثر مسلمان غافل ہیں۔غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ رحمتِ الٰہی کے حصول کی بجائے رزق و مال و دنیا کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایسے غافل لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔

یعنی ”لوگوں کے حساب کا وقت (یعنی موت) قریب آرہا ہے اور وہ اعراض کرتے ہوئے غفلت میں ہیں“۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا اپنی زیب و زینت و تزخرف و شہوات سمیت میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے اِعراض کیا۔ پھر آخرت حور و قصور سمیت مجھ پر پیش کی گئی۔ میں نے ان نعمتوں سے بھی منہ موڑ لیا۔ اس کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غائبانہ آواز آئی۔

لَوْ أَقْبَلْتَ عَلَى الدُّنْيَا حَجَبْنَاكَ عَنِ الْآخِرَةِ وَلَوْ أَقْبَلْتَ عَلَى الْآخِرَةِ حَجَبْنَاكَ عَنَّا. فَهَا نَحْنُ لَكَ وَقِسْمَتُكَ مِنَ الدَّارَيْنِ تَأْتِيْكَ.

یعنی ”اگر تو دنیا کی طرف متوجّہ ہوتا تو آخرت سے ہم تجھے روک دیتے (یعنی آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہ ہوتا) اور اگر آخرت (یعنی جنت کی راحتوں اور

مسرّتوں) کی طرف متوجّہ ہوتا تو ہمارے اور تیرے درمیان حجاب آجاتا۔ پس ہم تیرے ہیں اور تیری خوشی اور راحت کا حصہ دونوں جہاں میں تجھے ملتا رہیگا"۔

اس حکایت میں صرف خواصّ عارفین کی عبادت اور مخصوص کیفیت کا ذکر ہے کہ وہ صرف حصولِ رضاءِ خدا تعالیٰ کیلئے عبادت کرتے ہیں۔ یعنی اس حکایت میں عبادت کے درجۂ اعلیٰ کا ذکر ہے۔ عام مسلمان اس قسم کی عبادت سے قاصر ہوتے ہیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں کیلئے یہ بھی بڑی غنیمت اور سعادت ہے کہ آخرت کی نعمتوں اور جنّت کے حصول کی خاطر عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دیں۔ آمین۔

لیکن بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نزدیک بوقت عبادت جنّت مطمعِ نظر نہیں ہوتی بلکہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی رضا ان کا مقصود و مطلوب ہوتی ہے۔

عارف باللہ کا اصل مقام یہ ہے کہ اس کی نظر نہ دنیا کی زینت پر ہو اور نہ آخرت کی نعمتوں پر بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا مطلوب بنالے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مل جائیں تو دونوں جہاں کی نعمتیں اور مسرّتیں بھی حاصل ہوجائیں گی۔

عارف باللہ حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک رباعی ہے جو اُن کی کتاب "لوائحِ جامی" میں نظر سے گزری، وہ فرماتے ہیں۔

با یار بہ گلزار شدم رہگذری

بر گُل نظرے فگندم از بے خبری

دلدار بطعنہ گفت شرمت بادا

رُخسارِ من ایں جا است تُو در گُل نگری

یعنی " (۱) میں اپنے محبوب کے ساتھ باغ پر گزرا۔ بے خبری سے وہاں ایک پھول پر میری نظر پڑی۔

(۲) محبوب نے بطورِ طعنہ کہا کہ شرم و حیا کر۔ میرا چہرا اور رُخسار سامنے ہیں اور تو پھول کو دیکھ رہا ہے"۔

حضرت جامیؒ کی ایک اور مفید و نصیحت آموز رباعی ہے۔

آمد سحر آں دِلبر خونین جگراں

گفت اے زتُو بر خاطر من بارِ گراں

شرمت بادا کہ من بسویت نگراں

باشم ، تُو نہی چشم بسوئے دِگراں

یعنی " (۱) ایک مرتبہ سحر کے وقت میرا محبوب میرے پاس آیا اور کہا اے عاشق ! تو اپنے بُرے رویّہ کی وجہ سے میرے دل پر سخت بوجھ ہے۔

(۲) کیا تجھے اس بات سے شرم نہیں آتی کہ میں تو تیری طرف دیکھ رہا ہوں اور تو دوسری چیزوں کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے"۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی آدمی کا کوئی دوست بھوکا ہو تو وہ ضرور اسے کھانا دے گا۔ اپنے دوست کا بھوکا ہونا اسے برداشت نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ جو رزّاق ہیں وہ کیسے اپنے دوست

اور محبّ کا بھوکا ہونا گوارا کر سکتے ہیں۔ وہ ضرور کھلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کریم و جواد ہیں، سخی اور وسیع خزانوں والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم خزانوں سے کفّار بھی پوری طرح متمتّع ہوتے ہیں تو مسلمان کس طرح محروم رہ سکتے ہیں۔

شیخ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم　　تُو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی " (۱) اے اللہ کریم و سخی ! آپ کے خزانۂ غیب سے کفّار پوری طرح رزق کھا رہے ہیں۔

(۲) اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کو اور خصوصاً اولیاء اللہ کو آپ کس طرح رزق اور مسرّتوں سے محروم کر سکتے ہیں جبکہ آپ اپنے دشمنوں یعنی کفّار پر بھی نظرِ کرم فرماتے ہیں "۔

ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اللہ جلّ جلالہ کی زیارت کی۔ فَقُلْتُ : كَيْفَ أَجِدُكَ ؟ قَالَ : فَارِقْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ۔

یعنی " (ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا (اے اللہ!) میں آپ کو کیسے پا سکوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے ابو یزید!) نفس کا اتباع چھوڑ کر آیئے (یعنی پھر مجھے پالو گے)"۔

اتباعِ نفس و اتباعِ خواہشاتِ نفس نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ابو یزیدؒ کے اس خواب میں یہ اہم بات بتلائی گئی ہے کہ اتباعِ نفس چھوڑنے سے اور اصلاحِ نفس کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی

طرح اتباعِ نفس کے ترک سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور جنت حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرات ! اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہی میں دنیا و آخرت کی کامیابیاں اور مسرّتیں پوشیدہ ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے اعمال پر نگاہ رکھتے ہوئے آخرت کی کامیابی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں ناجائز خواہشوں اور لذتوں سے اپنے آپ کو بند رکھے اور روک رکھے تاکہ اسے آخرت کی آزادی اور مسرّتیں حاصل ہوں۔ اس چند روزہ زندگی میں حصولِ آخرت کی محنت اور کوشش کرنی چاہیے۔ بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تجھے کیوں فکر ہے اے گُل دلِ صد چاک بلبل کی
تُو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے
تمنا آبرو کی ہے اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خُو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گِل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تُو کر لے
اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بُو سے پہلے قطعِ آرزو کر لے

تمام امور و معاملات میں خواہ رزق کا معاملہ ہو یا کوئی اور معاملہ ہو اللہ

تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے اپنی حاجات مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز و مُعین و مددگار سمجھتے ہوئے اسی کی اعانت و نصرت مانگیں۔

اللہ تعالیٰ مانگنے پر خوش ہوتے ہیں اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے إِنَّ اللّٰهَ يَغْضَبُ إِذَا لَمْ يُسْأَلْ۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر غصّہ فرماتے ہیں"۔

عام لوگ اللہ تعالیٰ سے مطلوبہ چیزیں مانگتے ہیں مگر کامل اولیاء اللہ چیزوں کی بجائے خود ذاتِ خدا تعالیٰ مانگتے ہیں۔ بزرگ بڑے دانا ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مل جانے سے دنیا و آخرت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔

احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَا أَحْمَدُ! كُلُّ النَّاسِ يَطْلُبُوْنَ مِنِّيْ إِلَّا أَبَا يَزِيْدَ فَإِنَّهٗ يَطْلُبُنِيْ.

یعنی "اے احمد ! سارے لوگ مجھ سے اپنی ضرورت کی چیزیں طلب کرتے ہیں مگر ابو یزید بسطامی خود مجھے طلب کرتے ہیں"۔

حضرت ابو الفتح بن بشر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ایک باغ میں ہیں اور سامنے دستر خوان بچھ رہا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابو نصر (یہ کنیت ہے بشر حافیؒ کی) اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور بخش دیا اور ساری جنّت میرے لئے مباح کرتے ہوئے فرمایا۔

كُلْ مِنْ جَمِيْعِ ثِمَارِهَا وَاشْرَبْ مِنْ أَنْهَارِهَا وَتَمَتَّعْ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهَا كَمَا كُنْتَ تُحَرِّمُ نَفْسَكَ الشَّهَوَاتِ فِي دَارِ الدُّنْيَا.

یعنی " (اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ) ہر قسم کے جنّتی پھل کھا، اس کی نہروں سے (دودھ وشہد وغیرہ) پی اور جنت کی ہر شے (یعنی ہر نعمت) سے لطف اندوز ہوتا رہ۔ کیونکہ تو نے دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات سے محروم رکھا تھا"۔

ابو الفتحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں بشر حافیؒ سے یہ بھی پوچھا کہ آپ کے دوست امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ فرمانے لگے هُوَ قَائِمٌ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ يَشْفَعُ لِأَهْلِ السُّنَّةِ مِمَّنْ يَّقُوْلُ: اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ.

یعنی " احمد بن حنبل جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور ہر اس شخص کی سفارش کر رہے ہیں جو اہل سنّت میں سے ہو اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے بلکہ قدیم ہے"۔

ابو الفتحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ بشرؒ نے سر ہلایا اور فرمایا۔

هَيْهَاتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ الْحُجُبُ. إِنَّ مَعْرُوْفًا لَّمْ يَعْبُدِ اللهَ شَوْقًا إِلٰى جَنَّتِهٖ وَلَا خَوْفًا مِّنْ نَارِهٖ. وَإِنَّمَا عَبَدَ شَوْقًا إِلَيْهِ. فَرَفَعَهُ اللهُ إِلَى الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى وَرَفَعَ الْحُجُبَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ. فَمَنْ كَانَتْ لَهٗ إِلَى اللهِ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ قَبْرَهٗ وَلْيَدْعُ. فَإِنَّهٗ يُسْتَجَابُ لَهٗ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى.

یعنی " (بشرؒ نے فرمایا کہ) معروف کرخیؒ کے درجے بہت بلند ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان پردے ہیں۔ معروفؒ نے جنت کے شوق یا دوزخ کے ڈر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کی

محبت اور شوق کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے (انہیں اس کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ) انہیں رفیق اعلیٰ تک بلند کر کے اپنی ذات اور ان کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کیلئے دعا مانگنی ہو تو وہ معروف کرخیؒ کی قبر کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہو گی "۔

برادران اسلام ! عبادت سے انسان کا اصل مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے تو سب کچھ مل جاتا ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ " جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں "۔

تُو خدا ہی کے ہوئے پر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

یہ دنیا فانی ہے۔ اس میں آدمی کو کھانے پینے کیلئے اتنا مل جائے کہ انسان زندہ رہ کر اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے تو بس کافی ہے۔ یہی ہمارے بزرگوں کی سوچ تھی اور یہی ان کا طریقہ تھا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور و معروف محدّث و عابد گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مشہور عابد و زاہد محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کہا کہ آیئے۔ آج ایک بزرگ کی زیارت کیلئے چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں بصرہ سے نکلے۔ محمد بن واسعؒ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی تھا۔ اس بزرگ کا مکان آبادی سے دور جنگل میں تھا۔ ہم وہاں جا کر ان کے دروازے پر بیٹھ گئے۔

اندر سے ہمیں گفتگو کی آواز سنائی دی۔شاید اس بزرگ کی لڑکیاں ان سے کھانے پینے کے معاملے پر بحث کر رہی تھیں اور اپنے بُرے حال یعنی فقر و فاقہ کی شکایت کر رہی تھیں۔ وہ بزرگ انہیں تسلی دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ جس ذاتِ قدّوس نے تمہیں پیدا کر کے منہ دانت اور پیٹ دیا ہے وہ تم پر تم سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے۔

اتنے میں ہم نے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے ہمیں داخل ہونے کی اجازت دی۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ وہ بزرگ ہم سے ملے اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ یعنی تمہارا کیا نام ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ محمد اور سفیان۔ فرمایا کیسے آنا ہوا؟ محمد بن واسع نے کہا۔

كِسْرَةُ خُبْزٍ أَتَيْتُ بِهَا لِتِلْكَ الْبَنَاتِ. فَقَالَ: هَاتِهَا جِئْتَ بِهَا فِي وَقْتِهَا.

یعنی ”روٹی کا ایک ٹکڑا ان بچیوں کیلئے لایا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا دیجئے۔ آپ اچھے وقت پر لیکر آئے ہیں“۔

سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر ہم ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ بزرگ نے پوچھا۔ کون؟ اس شخص نے جواب دیا۔ مالک بن دینار (یہ بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں)۔ بزرگ نے فرمایا آجائیں۔ پھر ان سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ ان بچیوں کے لئے دو درہم لایا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا۔

سَبَقَكَ بِهَا مُحَمَّدُ بْنُ وَاسِعٍ. جَاءَهُنَّ بِمَا يَكْفِيهِنَّ الْيَوْمَ.

یعنی ”محمد بن واسع آپ سے سبقت کر گئے ہیں۔ وہ اتنی چیز کھانے کی

لے آئے ہیں جو آج ان بچیوں کیلئے کافی ہے ''۔

مالک بن دینارؒ نے کہا کہ حضرت یہ دو درہم کل کیلئے رکھ لیں۔

فَقَالَ: أَتُخَوِّفُنِيْ يَامَالِكُ! وَاللهِ لَا تَدْخُلُ إِلَيَّ.

یعنی '' اس بزرگ نے کہا۔ اے مالک! آپ مجھے بھوک سے ڈرا رہے ہیں۔ آئندہ آپ میرے پاس نہ آیا کریں ''۔

سفیانؒ فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن واسعؒ نے کہا کہ آپ اس شخص کے مقامِ توکُّل کو دیکھیں اور اس کے گھر کی بُری حالت یعنی حالتِ فقر و فاقہ کو بھی دیکھیں کہ گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے مگر توکُّل کا یہ مقام ہے کہ ایک دن کیلئے بھی اپنے پاس کوئی چیز رکھنا گوارا نہیں ہے۔

سفیانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ بزرگ بڑے فضلاء میں سے ہیں؟ محمد بن واسعؒ فرمانے لگے ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ زُہّاد میں سے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کہ عُبّاد میں سے ہیں؟ فرمایا ہاں۔

سفیانؒ فرماتے ہیں **فَلَمْ أَزَلْ أَذْكُرُ لَهُ الْمَقَامَاتِ وَهُوَ يَقُوْلُ: أَجَلْ أَجَلْ حَتّٰى قَالَ: هٰذَا مِنَ الْفُقَرَاءِ الصَّابِرِيْنَ.**

یعنی '' میں محمد بن واسعؒ کے سامنے ولایت کے مختلف مقامات گنتا رہا اور وہ کہتے رہے ہاں، ہاں۔ تا آنکہ انہوں نے فرمایا کہ یہ بزرگ فقراءِ صابرین میں سے ہیں ''۔

حکایت ہے کہ چند نیک لوگ ایک سیاہ رنگ والے باغباں شخص کی زیارت کیلئے گئے۔ وہ شخص بہت بڑے بزرگ تھے اور باغبان تھے۔ ان کا نام مقبل تھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم ایک باغ میں داخل ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس

باغ میں سیاہ رنگ کے ایک شخص نماز میں مصروف تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے ہماری علیک سلیک ہوئی۔ انہوں نے ایک تھیلا نکالا جس میں روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے اور نمک تھا۔ وہ ٹکڑے انہوں نے ہمارے سامنے رکھے اور کہا کھائیں۔ ہم کھانے لگے۔

پھر بزرگوں کی کرامات کا ذکر چھڑا۔ وہ شخص خاموش تھے۔ ہم میں سے ایک آدمی نے کہا۔ اے مقبل ! ہم آپ کی زیارت اور آپ سے مستفید ہونے کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ہمیں کوئی بات سنادیں۔ انہوں نے فرمایا۔

أَيُّ شَيْءٍ أَنَا وَأَيُّ شَيْءٍ عِنْدِيْ أُخْبِرُكُمْ بِهٖ؟ أَنَا أَعْرِفُ رَجُلاً لَوْسَأَلَ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَ هٰذَا الْبَاذِنْجَانَ ذَهَبًا لَفَعَلَ.

یعنی " (مقبلؒ نے فرمایا کہ) میں کیا چیز ہوں اور میرے پاس کیا ہے کہ تمہیں بتاؤں؟ (یعنی نہ میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے اور نہ ہی میری کوئی حیثیت ہے۔) البتہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ یہ باذِنجان (بینگن کا پودا) سونا بن جائے تو واقعی یہ پودا سونا بن جائیگا"۔

راوی کہتا ہے کہ بس یہ کہنا ہی تھا کہ وہ سارا پودا چمکدار سونے میں تبدیل ہوگیا۔ ہم میں سے کسی آدمی نے کہا کہ اے مقبل ! کوئی آدمی یہ پودا حاصل کرسکتا ہے؟ حضرت مقبلؒ نے اس پودے کو جڑ سے نکال کر فرمایا کہ یہ لو یعنی اسے اکھاڑ کر ہمارے سامنے رکھدیا۔ وہ پودا سارا سونا بن چکا تھا۔ اس سے باذِنجان (بینگن) کا ایک دانہ اور چند پتے گرے جو میں نے اٹھالئے۔ آج بھی میرے

پاس ان میں سے کچھ باقی ہیں جو میں وقتاً فوقتاً ضرورت کے تحت خرچ کرتا رہتا ہوں۔

پھر حضرت مقبلؒ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی کہ دوبارہ اسی طرح باذِنجان پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس اکھڑے ہوئے باذِنجان کی جگہ نیا باذِنجان نمودار ہو گیا۔

مذکورہ صدر حکایت سے معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی کا اصل مقصود و مطلوب حصولِ رضاءِ خدا تعالیٰ ہے۔ بزرگانِ دین صرف اسی مقصد کے پیشِ نظر اپنی زندگی فقیروں جیسی گزارتے ہیں نہ کہ اس وجہ سے کہ انہیں دنیا ملتی نہیں اور وہ حصولِ مال و دولت پر قادر نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان کے ہاں غیبی دولت کی کمی نہیں ہوتی۔ وہ صرف ارادہ کریں تو بطور کرامت دنیا ان کے قدموں میں پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ صدر حکایت میں یہ بات مذکور ہے کہ حضرت مقبلؒ کے ارادہ اور دعا سے باذِنجان (بینگن) کا پودا سونا بن گیا۔ ایسے بزرگوں کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

اس قسم کی کرامت والی ایک اور حکایت سُن لیں۔

حضرت ابو القاسم جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں پر میں نے فقراء و اولیاء اللہ کی ایک جماعت دیکھی جو بزرگوں کی کرامات کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔

ان میں سے ایک فقیر نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر وہ اس ستون کو حکم دے کہ آدھا سونے کا اور آدھا چاندی کا بن جائے تو یہ ستون اسی طرح بن جائیگا۔حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں ستون کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اسی وقت اس کا آدھا حصہ سونے کا اور آدھا چاندی کا بن گیا۔(یعنی وہ فقیر خود صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔)

اسی قسم کی ایک تیسری حکایت بھی سن لیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ مِنیٰ کے ایک پہاڑ پر تھے۔ آپ نے اپنے رفیق سے کہا۔

لَوْأَنَّ وَلِيًّا مِّنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ أَمَرَ هٰذَا الْجَبَلَ أَنْ يَّمِيْدَ لَمَادَ. فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ. فَقَالَ: اُسْكُنْ. فَلَمْ أُرِدْكَ بِهَا. إِنَّمَا ضَرَبْتُ مَثَلًا فَسَكَنَ.

یعنی " اللہ تعالیٰ کا ولی اگر اس پہاڑ کو ہلنے کا حکم دے تو یہ پہاڑ ہل جائیگا۔(بس یہ کہنا ہی تھا کہ) پہاڑ ہلنے لگا۔حضرت فضیلؒ نے پہاڑ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ ساکن ہو جا۔میرا ارادہ تجھے ہلانے کا نہیں تھا بلکہ میں صرف مثال بیان کر رہا تھا۔چنانچہ پہاڑ فوراً ساکن ہو گیا "۔

بہر حال میں بیان یہ کر رہا تھا کہ ہمارے اَسلاف کے نزدیک دنیا کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ نیز جب بندہ اپنی کوشش و محنت کا رُخ آخرت کی طرف کر دے اور اسی کو اپنا مطلوب و مُدّعا بنا لے تو اللہ تعالیٰ کس طرح غیبی طاقت سے اپنا وعدہ رزّاقیّت پورا فرماتے ہیں۔

اس سلسلے میں بزرگوں کی مزید چند حکایات پیش کرتا ہوں تاکہ ہم ان سے سبق و عبرت حاصل کریں۔جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز میخواں قصۂ پارینہ را

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دریائے فرات کے کنارے جارہا تھا۔ اچانک میرے دل میں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو فوراً پانی کی موج نے ایک مچھلی دریا سے باہر میرے پاس پھینک دی۔

وَإِذَا رَجُلٌ يَّعْدُوْ وَيَقُوْلُ: أَشْوِيهَا لَكَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَشَوَاهَا فَقَعَدْتُ وَأَكَلْتُهَا.

یعنی ”اتنے میں ایک آدمی دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کیلئے یہ مچھلی پکادوں؟ میں نے کہا پکادو۔ چنانچہ اس نے پکا کر مجھے دی اور میں نے کھائی“۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے نیک بندے کو رزق پہنچایا اور کس طرح عجلت سے ان کی دلی خواہش پوری فرمائی۔ اگر بندہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی رزّاقیّت پر توکُّل کرے اور مکمل طور پر خدا تعالیٰ کا ہو جائے تو اللہ عزّوجلّ غیب سے اس پر رزق کے اور راحتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے بوقتِ وفات کسی نے کہا کہ آپ اپنی اولاد کو مفلس چھوڑ کر جارہے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔

أَوْلَادِيْ أَحَدُ رَجُلَيْنِ: إِمَّا رَجُلٌ يَّتَّقِي اللهَ فَسَيَجْعَلُ اللهُ

لَهٗ مَخْرَجًا. وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ. وَإِمَّا رَجُلٌ مُّكِبٌّ عَلَى الْمَعَاصِيْ. فَلَا أُقَوِّيْهِ عَلٰى مَعَاصِي اللّٰهِ.

یعنی ”میری اولاد یا تو متقی ہو گی (یا گناہوں پر گر پڑنے والی ہو گی۔ اگر وہ متقی ہو گی) سو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا ذریعہ خود پیدا فرما دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے متولّی اور نگران ہیں۔ اور اگر وہ گناہوں پر گِر پڑنے والی ہو گی تو میں (اس صورت میں) اپنی اولاد کیلئے مال چھوڑ کر اس کو گناہوں کیلئے مزید طاقتور نہیں بنانا چاہتا“۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ خلافت ملنے سے قبل ان کیلئے ایک ہزار درہم سے کپڑوں کا جوڑا خرید کر لایا جاتا تو آپ فرماتے۔ مَا أَحْسَنَهَا لَوْلَا خُشُوْنَةٌ فِيْهَا۔ یعنی ” (باوجود کپڑا اچھا ہونے اور قیمتی ہونے کے فرماتے کہ) کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس میں کھردرا پن بھی نہ ہوتا“۔

لیکن خلیفہ بننے کے بعد صرف چار یا چھ درہم سے معمولی کپڑا خرید کر جب ان کیلئے لایا جاتا تو آپ فرماتے۔ مَا أَحْسَنَهَا لَوْلَا نُعُوْمَةٌ فِيْهَا۔ یعنی ” کپڑا اچھا ہے لیکن اس کی یہ نرمی (کپڑے کا ملائم ہونا) نہ ہوتی تو بہت اچھا ہوتا“۔

آپ (عمر بن عبد العزیزؒ) سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرا نفس تَوّاق اور ذَوّاق ہے یعنی بڑے شوق و ذوق والا ہے۔ جب اسے کوئی خواہش ہو اور وہ پوری ہو جائے تو پھر اس سے اوپر والی چیز کی تمنا کرتا ہے تا آنکہ اس کا مزہ بھی حاصل کر لے۔ اور اس وقت دنیا کی سب سے بلند اور اہم تر چیز یعنی خلافت اسے حاصل ہو گئی ہے۔

فَتَاقَتْ إِلٰى مَا فَوْقَهَا. فَلَمْ تَجِدْ شَيْئًا فَوْقَهَا إِلَّا مَا عِنْدَ اللّٰهِ فِي الدَّارِ

الْاٰخِرَةِ. فَتَاقَتْ إِلَيْهِ وَلَا يُمْكِنُ الْوُصُوْلُ إِلَيْهِ إِلَّا بِتَرْكِ الدُّنْيَا.

یعنی ”خلافت حاصل ہونے کے بعد (میرا نفس) خلافت سے بھی بلند چیز کا مشتاق ہوا۔ اور خلافت سے بلند درجہ تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتا ہے۔ سو میرے نفس کو (آخرت میں ملنے والے) اس بلند درجے کی خواہش ہوئی۔ اور اس کا حصول ترکِ دنیا سے ہوتا ہے (اس لئے میرا نفس ترکِ دنیا اختیار کرنے لگا)“۔

بہرحال ان واقعات وحکایات سے ہمیں یہ ترغیب ملتی ہے کہ رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر انسان کو بھروسہ کرنا چاہئے اور سب ضروریات اور حاجات میں اللہ عزّوجلّ کی طرف متوجّہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ حلّالُ المشکلات وقاضی الحاجات ہیں۔ تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے گناہوں سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض واحکام کی بجا آوری میں کوشش کرنی چاہیے۔ موت کو یاد رکھنا چاہئے، اس سے عبادت کا شوق بڑھتا ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کن امور کو ملحوظ رکھ کر اپنی زندگی گزاری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ چار امور ہیں۔

اوّل یہ کہ مجھے یہ یقین ہوا کہ میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ سے اوجھل نہیں ہوسکتا فَاسْتَحْيَيْتُ اللهَ أَنْ أَعْصِيَهُ۔ ”سو مجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے حیا آئی“۔

دوم یہ کہ مجھے یہ یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے رزق مقرر ہے جو مجھے ہر صورت میں ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہی میرے رزق کے ضامن

ہیں۔ فَوَثِقْتُ بِہٖ وَقَعَدْتُّ عَنْ طَلَبِہٖ۔ ”سو میں نے اس پر (یعنی اللہ تعالیٰ پر) اعتماد کیا اور طلب چھوڑ دی“۔

سوم یہ کہ مجھے یہ یقین ہوا کہ مجھ پر کچھ فرائض ہیں جنہیں میں نے ہی پورا کرنا ہے۔ میری جگہ کوئی اور آدمی وہ فرائض پورے نہیں کریگا۔ فَاشْتَغَلْتُ بِہٖ۔ ”پس میں ان میں مشغول ہو گیا“۔

چہارم یہ کہ مجھے یہ یقین ہوا کہ میری موت میری طرف دوڑتی ہوئی آرہی ہے۔ تو میں بھی موت کی طرف دوڑنے لگا۔ یعنی موت کی تیاری شروع کردی۔ وَاسْتَعْدَدْتُ لِلْاٰخِرَۃِ فَأَنَا مَشْغُوْلٌ بِمَا أَلْقَاہُ مِنْ کَرَمِ اللّٰہِ وَثَوَابِہٖ وَعِقَابِہٖ۔ یعنی ”میں نے آخرت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پس میں مشغول ہوں ان امور میں جن سے میں ہمکنار ہوں یعنی اللہ جلّ جلالہ کا فضل و کرم اور ثواب و خوفِ عقاب“۔

دوستو اور بزرگو! یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے افعال و اَخبار اور اعتقاد و ایمان کا امتحان لے رہے ہیں۔ اس عظیم امتحان کا نتیجہ آخرت میں میدانِ حشر میں ظاہر ہو گا۔ وہاں معلوم ہو جائیگا کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام۔ کامیاب کو جنّت ملے گی اور ناکام دوزخ میں جائیگا۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ. وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ.

یعنی ”ہم ضرور تمہاری آزمائش لیں گے خوف اور بھوک میں مبتلا

کرنے سے، نیز اموال، جانوں اور پھلوں میں نقصان اور کمی ظاہر کرنے سے اور ان صابروں کو ہماری طرف سے خوشیوں کی خوشخبری سُنادو جو مصیبت سے دوچار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہوئے اور اللہ عزّوجلّ کے فیصلے پر راضی ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھتے ہیں إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ یعنی ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں "۔

حضرت ابراہیم بن اشعث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ایک رات سورۂ محمد کی تلاوت کررہے تھے اور روتے ہوئے اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔

وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰہِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ وَنَبۡلُوَاۡ أَخۡبَارَکُمۡ.

یعنی " (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے۔ تاکہ ہم جان لیں تم میں سے مجاہدین وصابرین کو۔ اور ہم تمہاری خبروں کا امتحان لیں گے "۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ اس آیت کی تلاوت کے ساتھ یہ کہتے جارہے تھے وَتَبۡلُوۡ أَخۡبَارَنَا، وَتَبۡلُوۡ أَخۡبَارَنَا۔ یعنی " (اے اللہ) آپ ہمارا امتحان لیں گے۔ ہماری خبروں کو آزمائیں گے "۔

وَیَقُوۡلُ: إِنۡ بَلَوۡتَ أَخۡبَارَنَا فَضَحۡتَنَا وَھَتَکۡتَ أَسۡتَارَنَا. إِنۡ بَلَوۡتَ أَخۡبَارَنَا فَضَحۡتَنَا وَھَتَکۡتَ أَسۡتَارَنَا. إِنۡ بَلَوۡتَ أَخۡبَارَنَا فَضَحۡتَنَا وَھَتَکۡتَ أَسۡتَارَنَا.

یعنی ”اگر آپ نے ہماری خبروں کا امتحان لیا تو آپ ہمیں رُسوا کر دیں گے اور ہمارے عیوب کے پردے کھول دیں گے (بار بار یہ الفاظ دہراتے رہے)“۔

ناظرین کرام! حضرت فضیل بن عیاضؒ بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے، بڑے عابد تھے، شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے باوجود دوزخ کا خوف اور آخرت کی فکر ان پر سوار رہتی تھی۔

مگر افسوس آج کل مسلمان کس قدر غافل ہیں، گناہوں میں غرق ہیں، حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ نمازیں نہیں پڑھتے۔ عبادت اور ذکر اللہ سے غافل ہیں۔ آخرت اور روزِ جزاء کی فکر نہیں کرتے۔ دنیا کی فکر میں مستغرق ہیں۔ دوزخ کا خوف دلوں میں نہیں ہے۔ اس غفلت کے باوجود جنت کی امید رکھتے ہیں۔ یہ نہایت افسوس کا معاملہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اتنی غفلت تو نہ کر اے دل خدا کے واسطے
فکر کر کچھ تو بھلا روزِ جزا کے واسطے

حق کی نافرمانیوں سے باز آ تُو باز آ
آگ دوزخ کی بھڑکتی ہے سزا کے واسطے

کام دوزخ کے ہیں اور جنّت کا ہے امیدوار
قصرِ جنّت بس بنا ہے پارسا کے واسطے

دست و پا کام و زبان و چشم و گوش اور نقدِ مال
چاہیے سمجھو کہ ہیں شکرِ خدا کے واسطے

شکر کے معنی ہیں یہ ہو اُن سے محتاجوں کو نفع
مت سمجھنا اپنی ہی حاجت روا کے واسطے
شمعِ اعمالِ نِکو روشن تُو کر ہمراہ لے
کُنجِ قبر تنگ تیرہ کی ضیا کے واسطے

اللہ عزّوجلّ مسلمانوں کو غفلت سے بیدار ہونے، نیک اعمال کرنے، عبادات میں مشغول ہونے، حلال وحرام میں تمیز کرنے، رزقِ حرام سے بچنے اور حلال پر قناعت کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔آمین۔





فصل (۵)

برادرانِ اسلام ! اکثر مسلمان صبح سے شام تک نہ معلوم کتنی چیزیں کھاتے رہتے ہیں اور گاہے کھانے کو کچھ نہ ملے یا کم ملے تو اللہ تعالیٰ سے شکوے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے اسلاف ایک معمولی سی چیز کھانے کیلئے سالہا سال ترستے رہتے تھے، اور نہ ملنے پر صبر کرتے تھے، ان کی نظر صبر کے ثواب اور اس قسم کی آیات پر ہوتی تھی إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں"۔

ذیل میں چند واقعات ذکر کئے جارہے ہیں جن سے آپ بخوبی اندازہ لگالیں گے کہ ہمارے اسلاف نے کتنے فقر و غربت کی زندگی گزاری۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک مجھے بھنے ہوئے جگر اور کلیجی کی خواہش رہی مگر میں غربت اور تنگدستی کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہا۔ ایک دفعہ جہاد پر اس ارادے سے جانے کیلئے تیار ہوا کہ ثواب کے ساتھ ساتھ شاید مال غنیمت میں سے کوئی بکرا وغیرہ میرے حصے میں آجائے اور اس طرح ثوابِ جہاد کے ساتھ ساتھ جگر اور کلیجی کھانے کی خواہش پوری ہوجائے۔

چنانچہ ہم لوگ جہاد پر گئے اور مشرکین سے لڑے۔ لڑائی کے بعد

ہمیں غنیمت کا مال مل گیا۔ میں نے اپنے حصے کا ایک بکرا لیا پھر میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ ذبح کر کے اس کی کلیجی پکاؤ اور میں خود سو گیا۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے یہ لکھنا شروع کیا کہ فلاں آدمی جہاد میں اس لئے شریک ہوا تاکہ لوگ اسے شجاع (بہادر) کہیں اور فلاں آدمی مالِ غنیمت حاصل کرنے کیلئے جہاد میں شریک ہوا اور فلاں آدمی تکبّر اور فخر کیلئے جہاد میں شریک ہوا۔ پھر وہ فرشتے میرے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

شَهْوَانِیٌّ مِّسْكِيْنٌ اشْتَهٰى كَبِدًا مَّشْوِيًّا فَقُلْتُ: بِاللّٰهِ لَا تَفْعَلُوْا. فَأَنَا تَائِبٌ إِلَى اللّٰهِ. ثُمَّ قُلْتُ: يَا رَبِّ! لَا أَعُوْدُ. يَا رَبِّ! لَا أَعُوْدُ. يَا رَبِّ! لَا أَعُوْدُ. أَنَا تَائِبٌ إِلَيْكَ مِنْ سَائِرِ الشَّهَوَاتِ.

یعنی ” (فرشتوں نے کہا کہ) یہ بیچارہ نفس پرست ہے۔ بھنے ہوئے جگر اور کلیجی کا خواہشمند ہے۔ (محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے درخواست کی کہ خدا کے واسطے ایسا نہ کرو (یعنی مجھے ثواب سے محروم لوگوں میں شمار نہ کرو) میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں (کہ آئندہ ایسا ارادہ بالکل نہیں کروں گا) پھر میں نے (خواب ہی میں) کہا۔ اے ربّ ! میں پھر ایسی نیت کبھی نہیں کرونگا۔ میں پھر ایسا نہیں کروں گا۔ میں پھر ایسا نہیں کروں گا۔ میں تمام خواہشات چھوڑ کر آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں “۔

ابو تراب نخشبی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے عارف باللہ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بھر صرف ایک بار میرے دل میں ایک دنیوی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ ایک سفر کے دوران میرے دل میں انڈے اور تازہ روٹی کھانے کا شوق پیدا ہوا۔

چنانچہ میں اس شوق کو پورا کرنے کیلئے قریب واقع ایک بستی میں گیا کہ شاید اس میں میری خواہش پوری ہو جائے۔

اس بستی میں ایک شخص کی چوری ہو گئی تھی۔ اس شخص نے مجھے پکڑ کر چیخنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص بھی چوروں کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے مجھے سزا کے طور پر ستر کوڑے مارے۔ پھر ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور ان لوگوں سے کہا۔ بد بختو ! یہ تو ابو تراب نخشبی ہیں جو کہ بڑے بزرگ ہیں۔

حضرت نخشبیؒ فرماتے ہیں کہ پھر سارے لوگ مجھ سے معذرت کرنے لگے اور ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے گیا۔

فَقَدَّمَ لِيْ خُبْزًا وَبَيْضًا فَقُلْتُ لِنَفْسِيْ : كُلِيْ بَعْدَ سَبْعِيْنَ دُرَّةً.

یعنی " اس شخص نے میرے سامنے تازہ روٹی اور انڈے رکھے۔ پس میں نے اپنے نفس سے کہا کہ کھا ستر کوڑے لگنے کے بعد "۔

اس واقعہ سے کئی اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل یہ کہ ہمارے اَسلاف و بزرگانِ دین کس طرح تنگدستی کی زندگی گزارتے تھے۔

دوم یہ کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح اور محاسبہ میں نہایت شدت و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ دیکھئے، ہمارا نفس دن میں کئی مرتبہ مختلف الانواع طعام کی خواہش کرتا ہے اور حتی المقدور ہم نفس کی اس قسم کی خواہشاتِ مباحہ پوری بھی کرتے ہیں۔ مگر شیخ نخشبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نفس نے عُمر بھر میں صرف ایک مرتبہ دنیوی چیز یعنی انڈے اور روٹی کی خواہش کی تھی۔

شیخ نخشبیؒ بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ وہ درختوں کے

پتے کھانے پر اور روٹی کے روکھے سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مُسبّبِ الاَسباب ہیں۔قرآن پاک میں اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

یعنی ” جس شخص نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کامیابی کا راستہ پیدا فرما دینگے اور ایسی جگہ سے اسے رزق پہنچائیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ تھا“۔

ایک شخص کا قول ہے کہ میں ایک دن اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کے بارے میں متفکر تھا۔ اِسی پریشانی کے عالَم میں مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک جزیرہ میں پایا۔

میں نے دل ہی دل میں کہا۔ أَيْنَ يَصِلُنِيْ مَا آكُلُ وَمَا أَشْرَبُ؟ یعنی ” یہاں (اس جزیرہ میں) مجھے کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے ملیں گی؟“

فرماتے ہیں کہ جب یہ خیال دل میں آیا تو غیب سے ہاتف نے یعنی ایک فرشتے نے مجھے یہ آواز دی۔

يَا هٰذَا ! لَوْ كَانَ رِزْقُكَ خَلْفَ سَبْعَةِ أَبْحُرٍ لَأَتَاكَ. فَانْتَبَهْتُ مَسْرُوْرًا وَزَالَ عَنِّيْ مَا كُنْتُ أَجِدُ. ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ جَائَتْنِيْ رِسَالَةٌ عَلٰى يَدِ بَعْضِ الْأَصْحَابِ مِنْ رَّجُلٍ لَمْ يَخْطُرْ بِبَالِيْ. فَقُلْتُ: صَدَقَ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

یعنی ” (ہاتف غیبی نے آواز دیکر کہا کہ) اگر آپ کا رزق سات سمندروں کے پیچھے ہو تو بھی وہ آپ کو پہنچ کر رہیگا۔ (فرماتے ہیں کہ) میں بیدار ہو کر بہت خوش ہوا۔میری پریشانی دور ہوئی۔ پھر مجھے بعض رفقاء کے ہاتھوں ایک ایسے

آدمی کی طرف سے کامیابی کا مژدہ پہنچا جس کا مجھے تصور بھی نہ تھا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (یعنی تقویٰ اختیار کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کوئی راہ نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اسے رزق پہنچاتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا"۔

اللہ والوں میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ وہ عُمر بھر پہاڑ کے ایک غار میں رہے۔ اس سے باہر نہیں نکلے مگر ان کا رزق انہیں وہیں پہنچتا رہا۔

چنانچہ ایک نیک و صالح شخص فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی جبل لبنان میں گئے تاکہ ہمیں کوئی بزرگ مل جائیں۔ لبنان میں ایک پہاڑ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اولیاء اللہ و ابدال رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم اس پہاڑ پر تین روز تک گھومتے رہے۔ آخر کار میں تو ایک بلند جگہ پر بیٹھ گیا کیونکہ میری ٹانگ میں کچھ تکلیف تھی اور رفقاء گھومتے رہے۔ میں نے دو دن تک اپنے ساتھیوں کا انتظار کیا مگر وہ واپس نہ آئے۔

وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ نیچے ایک جگہ پانی کا چشمہ تھا۔ میں نے وہاں جاکر وضوء کیا اور نماز میں مصروف ہوگیا۔ نماز کے اندر کسی تلاوت کرنے والے شخص کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میں نماز سے فارغ ہو کر اس طرف گیا جس طرف سے وہ آواز آئی تھی۔

میں نے وہاں جاکر دیکھا کہ ایک بڑے غار میں ایک نابینا شخص ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر مجھ سے پوچھا کہ جِنّی ہو یا اِنسیّ (یعنی جِنّ ہو یا انسان)؟ میں نے کہا اِنسیّ۔ یعنی میں انسان ہوں۔ وہ فرمانے لگے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ مَا رَأَيْتُ هٰهُنَا إِنْسِيًّا مُنْذُ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً غَيْرَكَ.

یعنی " (انہوں نے) یہ کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ إِلَخ پڑھ کر کہا کہ آپ کے علاوہ تیس سالوں سے میں نے یہاں پر کوئی انسان نہیں دیکھا"۔

پھر مجھے کہا کہ آپ تھکے ہوئے ہونگے۔ آئیں آرام کریں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے غار کے اندر جاکر تین قبریں دیکھیں۔ میں ان قبروں کے پاس سوگیا۔ جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو انہوں نے مجھے آواز دی۔

الصَّلَاةَ. يَرْحَمُكَ اللّٰهُ. وَلَمْ أَرَ رَجُلًا أَعْرَفَ بِأَوْقَاتِ الصَّلَاةِ مِنْهُ.

یعنی " (انہوں نے مجھے آواز دیکر کہا کہ) نماز کا وقت ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کریں۔ (وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ) میں نے اُن سے زیادہ اوقاتِ نماز جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا"۔

چنانچہ میں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد وہ عصر تک نوافل میں مشغول رہے۔ پھر نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد انہوں نے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

یعنی " اے اللہ ! آپ اُمّتِ محمدیّہ کی اصلاح فرمادیں۔ اے اللہ ! آپ اُمّتِ محمدیّہ پر رحم کریں۔ اے اللہ ! آپ اُمّتِ محمدیّہ سے مصائب و مشکلات دور فرمادیں"۔

پھر ہم نے نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ دعا

کہاں سے معلوم ہوئی ہے اور کس نے سکھائی؟ انہوں نے فرمایا لَا يَحْتَمِلُ إِيْمَانُكَ ذٰلِكَ۔ یعنی ”آپ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے“۔

پھر فرمایا کہ جو شخص ہر روز اس دعا کو تین مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ابدالوں میں لکھ دیں گے۔

روض الریاحین میں علامہ یافعیؒ لکھتے ہیں کہ رئیس صوفیاء حضرت ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں۔

مَنْ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ اجْبُرْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ. كُتِبَ مِنَ الْأَبْرَارِ. قَالُوْا: وَهُوَ دُعَاءُ الْخَضِرِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

یعنی ”جو شخص یہ دعا (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ سے لیکر اَللّٰهُمَّ اجْبُرْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ تک) ہر روز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو نیکو کاروں میں داخل فرمادیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے“۔

بہر حال اس دعا کے بارے میں یہ حوالہ ضمناً میں نے پیش کر دیا۔ پھر اس واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ نمازِ عشاء کے بعد اُس نابینا بزرگ نے مجھے کہا کہ کھانا کھائیں گے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ غار کے اندر آپ چلے جائیں وہاں جو کچھ موجود ہو وہ کھالیں۔

فَوَجَدْتُ صَخْرَةً عَلَيْهَا جَوْزٌ وَّزَبِيْبٌ وَّخُرْنُوْبٌ وَّتُفَّاحٌ وَّتِيْنٌ وَّحَبَّةُ الْخَضْرَاءِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْ ذٰلِكَ فِيْ نَاحِيَةٍ. یعنی ”میں نے (اندر جاکر) وہاں ایک چٹان پر اخروٹ، منقی، خرنوب (ایک خاردار قسم کے درخت کا پھل)،

سیب، انجیر اور مختلف قسم کے پھلوں کو موجود پایا۔ ان میں سے ہر ایک پھل علیحدہ علیحدہ کونوں میں رکھا ہوا تھا"۔

وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ میں جتنا کھا سکتا تھا اتنا کھایا۔ وہ نابینا بزرگ ساری رات نہیں سوئے بلکہ ذکر و عبادت میں مشغول رہے۔ سحری کے وقت انہوں نے وتر اور نمازِ تہجد ادا کی۔ اس کے بعد انہوں نے بھی ان پھلوں میں سے کچھ کھایا۔ پھر بیٹھ گئے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے وہ سو گئے تا آنکہ آفتاب دو نیزوں کے بقدر نکلا۔ پھر وہ بزرگ کھڑے ہوئے اور وضوء وغیرہ کیا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آتا ہے؟ اتنا لذیذ پھل میں نے کبھی نہیں کھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ خود اس کا معائنہ کر لیں گے۔

فَدَخَلَ طَائِرٌ جَنَاحَاهُ أَبْيَضَانِ وَصَدْرُهُ أَحْمَرُ وَرَقَبَتُهُ خَضْرَاءُ وَفِيْ مِنْقَارِهِ حَبَّةُ زَبِيْبٍ وَّبَيْنَ رِجْلَيْهِ جَوْزَةٌ فَوَضَعَ الزَّبِيْبَةَ عَلَى الزَّبِيْبِ وَالْجَوْزَةَ عَلَى الْجَوْزِ.

یعنی " تھوڑی دیر کے بعد ایک پرندہ آیا جس کے پر سفید، سینہ سرخ اور گردن سبز تھی۔ چونچ میں منقی اور پنجوں میں اخروٹ تھے۔ اس نے منقی کو منقی کی جگہ پر اور اخروٹ کو اخروٹ کی جگہ پر رکھا"۔

وہ نابینا بزرگ فرمانے لگے کہ آپ نے دیکھ لیا؟ میں نے کہا۔ جی ہاں دیکھ لیا۔ پھر فرمایا۔

هٰذَا الطَّائِرُ يَأْتِيْنِيْ بِهٰذِهِ الْفَاكِهَةِ مُنْذُ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً۔ یعنی " یہ پرندہ میرے پاس یہ مختلف قسم کے پھل اور میوہ جات تیس سال سے لا رہا ہے"۔

میں نے کہا کہ دن میں کتنی بار یہ پرندہ پھل لیکر آتا ہے؟ فرمایا سات بار۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن شمار کیا تو پندرہ مرتبہ آیا۔ میں نے ان بزرگ کو یہ بات بتائی تو فرمایا۔

قَدْ زَادَكَ مَرَّةً اِجْعَلْنَا فِیْ حِلٍّ. یعنی "معاف کیجئے آپ کی وجہ سے اس پرندے نے فی کس مقررہ سات چکروں پر ایک چکر زیادہ لگایا"۔

وہ نابینا بزرگ چھلکوں سے بنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے تھے جو شجرۂ موز (کیلے) کے چھلکوں سے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کہاں سے لیتے ہیں؟ فرمایا۔

یَأْتِیْنِیْ هٰذَا الطَّائِرُ فِیْ كُلِّ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ بِعَشَرِ قِطَعٍ مِّنْ هٰذَا اللِّحَاءِ فَأَصْنَعُ مِنْهُ قَمِیْصًا وَّمِئْزَرًا. وَكَانَتْ عِنْدَهٗ مِسَلَّةٌ یَّخِیْطُ بِهَا اللِّحَاءَ.

یعنی "ہر سال عاشورے (۱۰ محرم) کے دن یہ پرندہ میرے پاس اس نوع کے دس چھلکے لے آتا ہے جن سے میں قمیص اور تہہ بند سی لیتا ہوں۔ ان کے پاس ایک بڑا سُوا تھا جس سے وہ ان چھلکوں کو سی لیا کرتے تھے"۔

فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ انہوں نے پرانے پھٹے ہوئے چھلکے بطور بچھونے کے اپنے نیچے بچھائے ہوئے تھے۔

وَرَأَیْتُ عِنْدَهٗ حَجَرًا یَّصُبُّ عَلَیْهِ الْمَاءَ ثُمَّ یَأْخُذُ الْمَاءَ الَّذِیْ یَنْزِلُ مِنْهُ فَیَمْسَحُ بِهِ الشَّعْرَ الَّذِیْ یَنْبُتُ عَلَیْهِ فَیَحْلِقُهٗ.

یعنی "میں نے ان نابینا بزرگ کے پاس ایک پتھر دیکھا جس پر وہ پانی ڈال دیتے، پھر پتھر سے مس ہونے والے پانی کو لے کر اُن بالوں کو تر کر دیتے

جنہیں مونڈنا مقصود ہوتا۔ اس عمل سے وہ بال گر جاتے تھے "۔

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نابینا بزرگ کے پاس سات اشخاص آئے جن کی آنکھیں سرخ تھیں اور اوپر نیچے پھٹی ہوئی تھیں۔ ان کا لباس ان کے بال تھے۔ بزرگ نے فارسی میں مجھے کہا کہ آپ خوف نہ کریں یہ مسلمان جِنّ ہیں یعنی مسلمان جِنّ ہیں۔ پھر ان جنّوں میں سے ایک جِنّ نے سورۃ طٰہٰ، دوسرے نے سورۃ فرقان اس نابینا بزرگ کو سنائی اور ایک نے سورۃ رحمٰن کی چند آیات سیکھیں۔ پھر وہ چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ جن علم حاصل کرنے اور سیکھنے کیلئے آئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس بزرگ نے سجدہ میں یہ دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ امْنُنْ عَلَيَّ بِإِقْبَالِيْ عَلَيْكَ وَإِصْغَائِيْ إِلَيْكَ وَإِنْصَاتِيْ لَكَ وَالْفَهْمِ عَنْكَ وَالْبَصِيْرَةِ فِيْ أَمْرِكَ وَالنَّفَاذِ فِيْ خِدْمَتِكَ وَحُسْنِ الْأَدَبِ فِيْ مُعَامَلَتِكَ. وَرَفَعَ صَوْتَهٗ.

" اے اللہ ! مجھ پر یہ احسان فرمائیں کہ میں ہمیشہ کیلئے آپ کی طرف متوجہ رہوں۔ آپ کے احکام گوشِ ہوش سے سنوں۔ آپ کا ہر حکم بے چون و چرا خاموشی سے تسلیم کروں۔ آپ کے احکام کا فہم اور آپ کے معاملاتِ بندگی کی بصیرت نصیب ہو۔ آپ کی عبادت میں زندگی گزرے اور آپ کے ساتھ معاملات میں حسنِ ادب حاصل ہو جائے۔ یہ دعا اس نابینا بزرگ نے بلند آواز سے مانگی "۔

میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ پیاری اور جامع دعا کہاں سے حاصل کی؟ فرمایا کہ اس کا مجھے الہام ہوا۔ میں نے ایک رات یہ دعا پڑھی تو ہاتف نے

آواز دی إِذَا دَعَوْتَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ فَفَخِّمْ فَإِنَّهُ مُسْتَجَابٌ.

یعنی " (ہاتف نے کہا کہ) جب آپ یہ دعا پڑھیں تو بلند آواز سے اور تعظیم سے پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے "۔

وہ مرد صالح فرماتے ہیں کہ میں چوبیس دن اس نابینا بزرگ کے پاس ٹھہرا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہاں تک یعنی میرے پاس کیسے پہنچے؟ میں نے انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا کہ میں ساتھیوں کے انتظار میں تھا مگر وہ نہیں آئے۔

فرمانے لگے کہ اگر مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا تو میں اتنی مدت آپ کو اپنے پاس نہ ٹھہراتا، کیونکہ آپ کے رفقاء آپ کی وجہ سے بڑے متفکر ہوں گے۔ اب اگر آپ زیادہ ٹھہریں گے تو وہ مزید پریشان ہوں گے۔ لہٰذا اب آپ کیلئے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں بلکہ واپس جانا ہی بہتر ہے۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے راستے کا علم نہیں ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر زوال کے وقت فرمایا اٹھیں، جانے کی تیاری کریں۔

میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمادیں۔ انہوں نے فرمایا

عَلَيْكَ بِالْجُوْعِ وَالْأَدَبِ فَإِنِّيْ أَرْجُوْلَكَ أَنْ تَلْحَقَ بِالْقَوْمِ.

یعنی " (یہ وصیت فرمائی کہ) آپ دو باتوں پر عمل کریں۔ ایک بھوک اختیار کریں اور شکم سیری سے پرہیز کریں اور دوسرا یہ کہ ادب ملحوظ رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بزرگوں کے مقام کو پالیں گے "۔

ادب بڑی فضیلت والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ادب کی سعادت سے سرفراز فرمائیں۔ ادب عظمت و شرافت و ترقی کی علامت ہے اور بے ادب

انسان ہمیشہ کے لئے عظمت و ترقی سے محروم رہتا ہے۔ کسی شاعر نے ادب کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی "ادب ایک مقام ہے آسمان کے نیچے جو کہ عرش سے نازک تر ہے۔ اس نازک مقام میں بڑے اولیاء اللہ مثل جنید بغدادیؒ و بایزید بسطامیؒ حیران و سرگرداں و ترساں آتے ہیں"۔

اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے۔

ادب تاج است از لوحِ الٰہی
بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

یعنی "ادب ایک تاج ہے لوحِ ربانی سے۔ یہ تاج سر پر رکھئے اور پھر جہاں جانے کو جی چاہے جایئے، کامیابی پاؤ گے"۔

بہر حال اس نابینا بزرگ نے وصیت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں آپ کو ایک بزرگ کے لئے بطور امانت ایک ہدیہ یعنی تحفہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ یہ تحفہ اس بزرگ کو میری طرف سے پہنچا دیں۔ وہ یہ کہ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد زمزم کے کنویں اور مقام ابراہیمی کے درمیان آپ کو ایک شخص ملے گا۔ اس سے ملاقات کر کے میرا سلام اسے پہنچا دینا (سلام ایک تحفہ ہے جو ایک دوسرے کو پہنچایا اور بھیجا جاتا ہے)۔

اس شخص کے کچھ خصوصی احوال بھی انہوں نے مجھے بتائے اور یہ بھی فرمایا کہ اس شخص سے اپنے لئے دعا بھی کروانا۔

پھر وہ نابینا بزرگ غار سے نکلے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ غار کے دروازے پر ایک درندہ کھڑا ہے۔ انہوں نے اس درندے سے کچھ کلام کیا جو میں نہ سمجھ سکا۔

پھر مجھے فرمایا کہ آپ اس درندے کے پیچھے چلے جائیں، جہاں یہ درندہ رُک جائے وہاں پر دائیں یا بائیں جانب آپ کو راستہ مل جائیگا۔ چنانچہ وہ درندہ میرے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، ایک گھنٹے تک میں اس کے پیچھے چلتا رہا، پھر وہ کھڑا ہو گیا۔

میں نے دائیں طرف عقبہ دمشق کو پایا۔ یہ مشہور شہر ہے۔ میں جامع مسجد میں گیا۔ وہیں میرے رفقاء بھی موجود تھے، ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں اس نابینا بزرگ کا سارا قصہ سنایا۔

فرماتے ہیں کہ ہم سب پھر اس پہاڑ کی طرف نکلے نابینا بزرگ کی زیارت کیلئے۔ ہمارے ساتھ بے شمار لوگ تھے۔ ہم اسی پہاڑ میں اسی جگہ پر پہنچے جہاں وہ بزرگ ملے تھے۔ مگر مسلسل تین دن تک ہم اس غار کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

لوگوں نے مجھے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی خصوصی کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی تھی اور ہم سے پوشیدہ رکھی۔

وہ مرد صالح فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر سال حج کیلئے جاتا رہا اور اس شخص کو تلاش کرتا رہا جس کے بارے میں مجھے اس نابینا بزرگ نے

فرمایا تھا کہ اس سے ملاقات کر کے دعا کروانا۔ لیکن اس شخص سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اس واقعہ کے پورے آٹھ سال بعد ان علامات (جو علامات نابینا بزرگ نے بیان فرمائی تھیں) والے ایک شخص مجھے زمزم و مقام ابراہیمی کے درمیان نمازِ عصر کے بعد ملے۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

میں نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے میرے لئے دعا کی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ابراہیم کرمانی (غار والے نابینا بزرگ) آپ کو سلام کہتے تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ نے انہیں کہاں دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ جبل لبنان (لبنان کے ایک پہاڑ) میں۔

انہوں نے فرمایا رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا وہ انتقال کر گئے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں، ابھی ابھی میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھ کر انہیں ان بھائیوں کے پاس دفنا کر آیا ہوں جن کی قبریں آپ نے غار میں دیکھی تھیں۔

پھر فرمانے لگے کہ جس وقت ہم انہیں غسل دے رہے تھے۔

إِذَا بِالطَّائِرِ الَّذِیْ کَانَ یَأْتِیْہِ بِقُوْتِہٖ قَدْ سَقَطَ. فَلَمْ یَزَلْ یَضْرِبُ بِجَنَاحَیْہِ حَتّٰی مَاتَ. فَدَفَنَّاہُ عِنْدَ رِجْلَیْہِ.

یعنی "اچانک وہ پرندہ جو ہمیشہ ان کیلئے پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں لایا کرتا تھا ہمارے پاس گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر اس نے بھی جان دیدی۔ ہم نے اس پرندے کو بھی اس بزرگ کے پاؤں کے قریب دفنا دیا"۔

اس غار والے نابینا بزرگ کی موت کا قصہ بیان کرنے کے بعد پھر وہ

بزرگ (یعنی زمزم و مقام ابراہیمی کے درمیان ملنے والے بزرگ) اٹھ کھڑے ہوئے اور طواف میں مصروف ہو گئے اور غائب ہو گئے۔ وہ مردِ صالح فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

برادران اسلام ! یہ حکایت نہایت ایمان افروز اور بہت سے اَسرار اسلامیّہ اور متعدد رموزِ قدرۃ اللہ پر مشتمل ہے۔ اس ایمان افروز واقعہ میں عبرت و موعظت کے کئی درس ہیں۔

اوّلاً۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت کی واضح دلیل ہے۔ دیکھئے ایک نابینا انسان کو اللہ تعالیٰ کئی سال تک پہاڑ کے غار میں بغیر ظاہری وسائل کے رزق پہنچاتے رہے۔

ثانیاً۔ یہ قدرتِ خدا تعالیٰ کی نیرنگی کا حیرت انگیز مظہر ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک نابینا انسان کو پہاڑ کے ایک غار میں سالہاسال تک ایک پرندے کے ذریعہ مختلف الانواع اعلیٰ ترین رزق یعنی انجیر، اخروٹ، منقی، سیب، خرنوب صبح و شام پہنچاتے رہے۔

ثالثاً۔ اسی پرندے کے ذریعہ تن پوشی و ستر پوشی کیلئے عجیب و غریب سامان بھی اس نابینا بزرگ کو پہنچایا جاتا رہا۔

اس عبرت انگیز قصے میں آپ نے پڑھا کہ اس بزرگ کے پاس وہ پرندہ ایک خاص قسم کے درخت کے وسیع و عریض لمبے چوڑے چھلکے لے آتا تھا۔

رابعاً۔ وہ درخت کے چھلکے دس محرم کو لے آتا تھا جو قدیم زمانہ سے تمام اَدیانِ سماویّہ میں مبارک دن شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کو اس مبارک دن یعنی دس محرم کی تاریخ سے باخبر رکھا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و

قدرت کی حیرت انگیز دلیل ہے۔

خامساً۔ انسان کے بدن پر جابجا لامحالہ کچھ زائد بال ہوتے ہیں۔ ان زائد بالوں کی صفائی اور ازالے کا بھی اللہ تعالیٰ نے وہ عجیب وغریب انتظام فرمایا تھا جو آپ نے اس قصے میں پڑھا۔

سادساً۔ غار میں رہنے والے وہ بزرگ اگرچہ نابینا تھے یعنی ظاہری آنکھوں سے محروم تھے لیکن ان کی قلبی بصارت وبصیرت حیرت انگیز حد تک تیز اور صحیح وسالم تھی۔ چنانچہ وہ اس بصیرت قلبی کے ذریعہ تمام امورِ حیات سرانجام دیتے رہے اور اس بصیرت قلبی کی برکت سے وہ پوری طرح اوقاتِ نماز جانتے تھے۔

سابعاً۔ بوقت ضرورت درندے بھی اس نابینا بزرگ کے مطیع و فرمانبردار ہوتے تھے۔

اس قصّے میں آپ نے پڑھا کہ اس مہمان مرد صالح کی رہنمائی کیلئے اور عقبۂ دمشق تک پہنچانے کیلئے اس نابینا بزرگ نے ایک درندے کو بلایا۔ پھر اس درندے سے باتیں کیں اور خوب سمجھایا۔ پھر اس درندے نے اس بزرگ کے حکم کی پوری تعمیل کی اور اس مہمان کو صحیح وسالم اور محفوظ طریقے سے منزلِ مقصود تک پہنچایا۔

ثامناً۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نابینا بزرگ اَبدال میں سے تھے یا اسی طرح ولایتِ ربّانیّہ کے کسی بلند مرتبے پر فائز تھے۔ جنّات بھی ان کی خدمت میں ان سے قرآن پڑھنے کیلئے اور دین سیکھنے کیلئے آتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض مستجاب ومقبول دعاؤں کا الہام فرمایا تھا۔

اس حکایت میں دو مبارک واہم دعائیں مذکور ہیں۔ ان کا اہتمام کرنا یقیناً موجبِ برکتِ عظیمہ وباعثِ سعادتِ کبیرہ ہے۔

پہلی دُعا۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا وہ ہے جس کا ذکر تفصیلاً اس قصے میں گزر چکا ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ امْنُنْ عَلَيَّ بِإِقْبَالِي عَلَيْكَ وَإِصْغَائِي إِلَيْكَ وَإِنْصَاتِي لَكَ وَالْفَهْمِ عَنْكَ وَالْبَصِيرَةِ فِي أَمْرِكَ وَالنَّفَاذِ فِي خِدْمَتِكَ وَحُسْنِ الْأَدَبِ فِي مُعَامَلَتِكَ.

حلیہ میں حافظ ابو نعیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ خضر علیہ السلام کی دعا ہے۔ وہ بعض خاص اولیاء اللہ کو یہ دعا سکھاتے ہیں۔ حلیہ میں یہ دعا ذرا تفصیل سے مذکور ہے۔

حلیہ میں باسند ابو نعیمؒ نے ابو اسحاق مارستانیؒ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے بوقت ملاقات انہیں یہ دعا سکھائی۔ یہ دعا بظاہر صرف ایک دعا معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ دس کلمات یعنی دس انواعِ دعا پر مشتمل ہے۔ حلیہ کی عبارت یہ ہے۔

عَنْ أَبِي الْحَسَنِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْجَرِيرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْمَارِسْتَانِيِّ يَقُولُ: رَأَيْتُ الْخَضِرَ عَلَيْهِ السَّلَام فَعَلَّمَنِي عَشْرَ كَلِمَاتٍ وَأَحْصَاهَا بِيَدِهِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْإِقْبَالَ عَلَيْكَ. وَالْإِصْغَاءَ إِلَيْكَ. وَالْفَهْمَ عَنْكَ. وَالْبَصِيرَةَ فِي أَمْرِكَ. وَالنَّفَاذَ فِي طَاعَتِكَ. وَالْمُوَاظَبَةَ عَلَى إِرَادَتِكَ. وَالْمُبَادَرَةَ فِي خِدْمَتِكَ. وَحُسْنَ الْأَدَبِ فِي مُعَامَلَتِكَ. وَالتَّسْلِيمَ وَالتَّفْوِيضَ إِلَيْكَ.

”ابو اسحاق مارستانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (یہ صالحین کبار و اولیاء اللہ

میں سے تھے) کہ خضر علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے بطور خاص تحفے کے اِن دس کلماتِ دعائیہ (یعنی ایک دعا جو دس انواعِ دعا پر مشتمل ہے) کی تعلیم دی۔ (اس دعا کا ترجمہ یہ ہے) " اے اللہ ! میں آپ سے اس بات کی توفیق مانگتا ہوں کہ میں ہر وقت تیری طرف متوجہ رہوں۔ تیرے اوامر و نواہی و احکام گوشِ ہوش سے سنوں۔ تیرے احکام خوب سمجھوں۔ تیرے ہر امر و حکم کی بصیرت حاصل ہو۔ تیری طاعت و عبادت میں اچھی طرح نافذ ہوں یعنی لگا رہوں۔ ہمیشہ تیری مشیّت، ارادہ و مرضی کے مطابق رہوں۔ تیری عبادت و خدمت کے سلسلہ میں مبادرت و سبقت کروں۔ تیرے معاملات میں ادب سے پیش آنا نصیب ہو یعنی بے ادبی سے بچوں اور ہر کام تیرے سپرد کروں یعنی تیرے ہر فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا رہوں "۔

حضرات کرام ! یہ نہایت مبارک دعا ہے۔ سب حضرات وقتاً فوقتاً یہ دعا پڑھا کریں۔ اس دعا کے بہت زیادہ فوائد اور اچھے اثرات و نتائج آپ اپنی زندگی میں، اعمال و اقوال میں، نشست و برخاست میں اور رات دن میں محسوس کریں گے۔ اور آپ کے اہل و عیال کو اس کی برکات حاصل ہونگیں۔ اولاد اور خاندان کے جملہ افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اس جامع و مبارک دعا کی برکت سے نیکی کی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دیتے ہوئے برائیوں سے محفوظ رکھیں گے۔

اس قصے میں یہ بات مذکور ہے کہ اس نابینا بزرگ کو یہ دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتے یعنی ہاتف نے بتلائی اور ہاتف نے یہ بھی بتلایا کہ اس کے ذریعہ دعا قبول ہوتی ہے۔

دوسری دُعا۔ اس قصّے میں دوسری وہ خاص دعا ہے جسے وہ بزرگ نماز عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ أَصْلِحْ أُمَّۃَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ أُمَّۃَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ أُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

یہ بڑی مبارک دعا ہے اور اس کی بہت زیادہ برکات ہیں۔ رئیس الاَولیاء ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خضر علیہ السلام کی خصوصی دعا ہے اور اسے روزانہ پڑھنے والا شخص نیکو کاروں میں داخل ہوگا۔

تاسعًا۔ قدرتِ خداوندی اور محبتِ اولیاء اللہ کا یہ نادر مظاہرہ دیکھئے کہ جب اس نابینا کا انتقال ہوا تو ان کے رزق اور ان کی خوراک وپوشاک کا عالمِ اَسباب میں جو پرندہ بحکم خدا تعالیٰ ذمہ دار تھا اس پرندے کو اس بزرگ کی موت کا علم ہوا اور اس نے وہیں جان دیدی۔ چنانچہ وہ اس بزرگ کے پاؤں میں دفنایا گیا۔

عاشرًا۔ اللہ تعالیٰ کی کارسازی اور " **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ** " کا یہ غریب وعجیب مظاہرہ دیکھئے کہ جب اس نابینا بزرگ کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کے دفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے کا سامان مہیا کرتے ہوئے اسی وقت چند اولیاء اللہ بھیجے۔

بلا ریب اللہ تعالیٰ بہتر کارساز ہیں اور ان کی نصرت ہمارے لئے کافی ہے **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ**۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کی صحیح محبت نصیب فرمائیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ الحدیث۔ یعنی " جو شخص خدا تعالیٰ کا

ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں "۔

تو خدا ہی کے ہوئے پر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

اللہ عزّ و جلّ ہمیں ایفائے عہدِ ازلی کی اور اس عہدِ ازلی کے تقاضے کے مطابق نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔





فصل (٦)

برادران عظام ! انسان کی یہ زندگی بے فائدہ وعبث ومہمل نہیں ہے بلکہ ایک عظیم مقصد کیلئے اللہ عزّوجلّ نے انسان کو یہ زندگی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ زندگی عبادت، ذکر اللہ اور طاعات کیلئے دی ہے۔ عبادت، طاعت، ذکر اللہ، تعمیرِ آخرت، تحصیلِ مسرّاتِ عقبیٰ کے لئے اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے انسان کو زمین پر اللہ تعالیٰ نے خلافت دی ہے۔

حدیث شریف ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ " دنیا آخرت کیلئے کھیتی اور کسبِ اعمال کی جگہ ہے "۔

ازل میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے بندگی واطاعت کا عہد لیا ہے۔ ہم پر اس ازلی عہد کی پابندی کرنا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے۔

حضرات ! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میرے احکام کی تعمیل کرو۔ میرا عہد پورا کرو۔ أَوْفُوْا بِعَهْدِیْ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔ یعنی " تم اپنا عہدِ عبادت پورا کرتے رہو، میں اپنا عہدِ رزق رسانی پورا کرونگا "۔

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی تعمیل اور اللہ جلّ جلالہ کی رضا کے حصول میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام اور اس کی حاجات کو پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ جب ہم ایفاءِ عہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ پورا

فرمائیں گے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسی مدد و نصرت فرماتے ہیں کہ وہ حیران رہ جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں کے اَفکار و خیالات خراب ہو چکے ہیں۔ دنیاوی افکار ان پر غالب آ چکے ہیں۔ آخرت کی فکر برائے نام رہ گئی ہے۔ مسلمانوں کے موجودہ احوال کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم نے جب خود ہی وفاؤں کا نہ کچھ ساتھ دیا
پھر زباں پر گلۂ شکوۂ دَوراں کیوں ہو
ہم نے جب خود ہی کیا دشت نوردی کو قبول
شکوۂ تلخی افتادِ بیاباں کیوں ہو
ہم نے جب خود ہی سجایا ہے چمن کانٹوں سے
دامنِ شوقِ حدیثِ گُلِ خنداں کیوں ہو
روشنی دے کے اندھیروں کو خریدا ہم نے
مطلعِ زیست پہ پھر صبح درخشاں کیوں ہو

ایفائے قول وعہد کے فوائد و برکات کے بارے میں ایک حکایت ہے۔ ایک شخص کا قول ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ ایک شخص اہل یمن سے آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کیلئے ایک ہدیہ لایا ہوں۔ پھر ایک رفیق سے کہا کہ اپنا قصہ سنائیے۔

اس نے یہ قصہ سنانا شروع کیا کہ میں صنعاء یمن سے حج کے ارادہ

سے چلا۔ ایک شخص نے مجھے یہ پیغام دیا کہ جب آپ کو نبی ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کا موقع ملے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے صاحبین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو میرا سلام کہنا۔

اس شخص نے کہا کہ میں مدینہ منورہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارک کی زیارت کیلئے حاضر ہوا مگر وہ پیغام مجھے یاد نہ رہا اور ہمارا قافلہ مدینہ منورہ سے واپس روانہ ہوا۔

جب میں ذوالحلیفہ میں احرام باندھنے کی تیاری کر رہا تھا تو اس وقت مجھے وہ پیغام یاد آیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میری اونٹنی اور سامان کا خیال رکھنا، میں مدینہ منورہ جارہا ہوں، مجھے ایک پیغام پہنچانا ہے۔ ساتھیوں نے کہا کہ اب تو قافلہ روانہ ہونے والا ہے، تم اتنی جلدی مدینہ منورہ سے واپس لوٹ کر قافلے کے ساتھ نہیں مل سکو گے۔ میں نے کہا کہ اگر میں نہ پہنچ سکا تو تم میری اونٹنی اور سامان ساتھ لے جانا۔

اس شخص نے کہا کہ میں پھر واپس مدینہ منورہ چلا گیا اور نبی علیہ السلام و صاحبین رضی اللہ عنہما کو اس شخص کا سلام پہنچایا۔

سلام پہنچانے سے فارغ ہونے کے بعد جب میں واپس ہوا تو مجھے ایک شخص ملا، میں نے اس سے اپنے قافلے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ قافلہ تو چلا گیا ہے۔

میں واپس مسجد نبوی میں آیا اور ارادہ کیا کہ جب تک کوئی دوسرا قافلہ جانے کیلئے تیار نہیں ہوتا اس وقت تک میں مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہوں گا (کیونکہ اس زمانے میں اکیلا جانا نہایت مشکل اور ناممکن تھا)۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں سوگیا۔ رات کے آخری حصے میں نبی کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت ہوئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذَا الرَّجُلُ. فَالْتَفَتَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: أَبُو الْوَفَاءِ؟ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كُنْيَتِيْ أَبُو الْعَبَّاسِ. فَقَالَ لِيْ: أَنْتَ أَبُو الْوَفَاءِ. وَأَخَذَ بِيَدِيْ فَوَضَعَنِيْ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. فَأَقَمْتُ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حَتّٰى وَرَدَتِ الرُّفْقَةُ.

یعنی ”(ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا) یا رسول اللہ! وہ آدمی (جس نے آکر سلام پہنچایا ہے) یہ ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے میری طرف متوجّہ ہو کر فرمایا۔ کیا (تُو) ابو الوفاء (وفاء والا) ہے (یعنی تیری کنیت ابو الوفاء ہے)؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری کنیت ابو العباس ہے (مجھے اسی کنیت سے پکارا جاتا ہے)۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ نہیں، تُو ابو الوفاء (وفاء کرنیوالا) ہے۔ پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) میں پہنچا دیا (میں جب صبح نیند سے بیدار ہوا تو بجائے مدینہ منورہ کے مَیں مکہ مکرمہ پہنچ چکا تھا) پھر میں نے آٹھ دن مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد (یعنی آٹھ دن گزرنے کے بعد) میرے قافلہ والے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچے“۔

عزیزانِ محترم! اس حکایت میں ایفاءِ عہد و وعد کی بڑی فضیلت اور بڑی برکت کا ذکر ہے۔ دیکھئے۔ اس شخص نے وعدہ پورا کرنے کے سلسلے میں تکلیف برداشت کی اور قافلہ کی رفاقت چھوڑ دی لیکن اللہ تعالیٰ کے ایک حکم یعنی ایفاءِ وعدو عہد کو بجالایا۔ آخرت کا اجر و ثواب تو آخرت میں ملے گا جو کہ یقیناً بہت بڑا ہوگا۔

لیکن آخرت سے قبل بھی اللہ تعالیٰ نے اسے ایفاء عہد کی کئی برکتوں سے یوں نوازا کہ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت نصیب ہوئی۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ابو الوفاء کی کنیت و نام سے موسوم فرمایا۔ ابو الوفاء کا معنی ہے وفادار، وفا والا۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بطریقۂ معجزہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں پہنچایا۔ یہ بیش بہا برکات و سعادات اس شخص کو ایفائے وعدہ کے طفیل حاصل ہوئیں۔

جب ایک انسان کے ساتھ کیے گئے وعدے اور عہد کے ایفاء کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بدلہ دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے، ان کے اوامر کے امتثال اور ان کے ساتھ کئے ہوئے وعدۂ عبادت کے ایفاء کے بدلے میں ملنے والی برکات و سعادات کا اندازہ آپ خود لگالیں۔ جو شخص اللہ و رسول کے اوامر و احکام پر عمل پیرا رہے یقیناً وہ شخص کبھی بھی بھوک اور پیاس کی وجہ سے نہیں مریگا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ لوگوں کی نگاہیں دنیائے رنگ و بو میں، مال و دولت میں، خواہشات اور گناہوں میں الجھی ہوئی ہیں۔ طاعات و حسنات کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہے۔

نگاہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صُبحگاہی اَماں شاید ملے اللہ ہُو میں

شیخ ابو عمران واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکہ مکرمہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی غرض سے نکلا۔ راستہ میں اتنی شدید پیاس لگی کہ میں اپنی زندگی سے ناامید ہوگیا اور شجرۂ اُمّ غیلان (کیکر کے درخت)

کے نیچے بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگا۔

اتنے میں ایک فارس (شہسوار) آئے۔ وہ ایک سبز رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کا لباس، زین اور لگام وغیرہ دیگر سب چیزیں سبز تھیں۔ ان کے ہاتھ میں سبز رنگ کا ایک پیالہ تھا جس میں سبز رنگ کا پانی تھا۔ اس شخص نے وہ پیالہ مجھے دے کر کہا۔

إِشْرَبْ ۔ پی لیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تین سانسوں سے خوب پیٹ بھر کر پیا مگر وہ پانی کم نہ ہوا۔

پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا مدینہ منورہ جارہا ہوں تاکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کروں۔

یہ سن کر انہوں نے فرمایا۔ إِذَا وَصَلْتَ وَسَلَّمْتَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِمَا فَقُلْ لَهُمْ: رِضْوَانُ (أَيْ مَلَكُ الْجَنَّةِ) يَقْرَؤُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ.

یعنی " جب آپ (مدینہ منورہ) پہنچ جائیں اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صاحبین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کی خدمت میں زیارت وسلام کیلئے حاضر ہوجائیں تو میری طرف سے بھی یہ عرض کردینا کہ (جنتی فرشتوں کا سردار) رضوان (نامی فرشتہ) آپ تینوں کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے "۔

معلوم ہوا کہ گھوڑے پر سوار انسانی شکل میں رضوان نامی فرشتہ تھا جو جنتی فرشتوں کا سردار ہے۔ اور رضوان فرشتہ ہی بحکم خدا تعالیٰ اس بزرگ کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانی لے کر آیا تھا۔ گاہے گاہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غیب سے اس طرح فرشتوں کے ذریعہ مدد فرماتے ہیں اور رزق عطا فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ عدن شہر سے اپنے رفقاء کے ساتھ سفر پر نکلا۔ دورانِ سفر رات کے وقت میری ٹانگ میں سخت تکلیف شروع ہوگئی جس کی وجہ سے میں چلنے سے عاجز ہوگیا اور اپنے رفقاء کے ہمراہ آگے نہ جاسکا۔ رفقاء چلے گئے اور میں اکیلا سمندر کے کنارے رہ گیا۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں روزے سے تھا لیکن افطار کیلئے میرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ جب رات کو میں سونے کی تیاری کرنے لگا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے دو روٹیاں پڑی ہیں اور ان کے درمیان میں پرندے کا بھنا ہوا گوشت ہے۔ میں نے وہ روٹیاں اور گوشت رکھ دیا اور ان میں سے کچھ بھی نہ کھایا(کیونکہ انہیں تردّد تھا کہ یہ طعام ان کے لئے ہے یا کسی اور شخص کے لئے۔ نیز اس کے حلال وحرام ہونے میں بھی انہیں تردّد تھا)۔

اتنے میں ایک شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں لوہے کا ڈنڈا تھا۔ فَقَالَ لِیْ: کُلْ یَامُرَائِیْ۔ یعنی "مجھے اس نے کہا کہ اے ریا کار شخص ! کھا"۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روٹی اور کچھ گوشت کھا لیا اور بقیہ کھانا کپڑے میں لپیٹ کر سر کے قریب رکھ دیا اور سو گیا۔ فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو حیرت ہوئی کہ وہ کپڑا موجود تھا مگر اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے وہ کھانا صرف ضرورت پوری کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد جو کھانا بچ گیا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اٹھالیا گیا۔ اس حکایت میں دنیائے رنگ و بُو میں الجھے ہوئے لوگوں کیلئے بڑا سبق ہے۔

نگاہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صُبحگاہی
اَماں شاید ملے اللہ ہُو میں

ایک شاعر مسلمانوں کی غفلت کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اتنی غفلت تو نہ کر اے دِل خدا کے واسطے
فکر کر کچھ تو بھلا روزِ جزا کے واسطے
حیف تو سوتا رہے ہر صبح اور وقتِ اذان
مرغ و ماہی سب اٹھیں یادِ خدا کے واسطے
کب عمارت کو یہاں پر پائیداری ہے عزیز
عمر کھوتا ہے عبث اس کی بنا کے واسطے
تجھ پہ جو آئے مصیبت صبر کر اور کر خیال
سختیاں کیا کیا ہوئی ہیں انبیاء کے واسطے

اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے۔ ان کے خزانے بہت وسیع ہیں۔ وہ اپنی عظیم قدرت سے مختلف طریقوں سے بندوں کو رزق پہنچاتے ہیں۔ کبھی ظاہری اسباب کے ذریعہ اور کبھی غیبی طریقوں سے۔ اللہ تعالیٰ رزّاق ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں۔

بعض صالحین سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رات کے وقت اکیلا باہر صحرا کی طرف کسی کام کی غرض سے نکلا۔ میں سخت بخار میں مبتلا تھا۔ راستے میں مجھے بڑی شدّت سے پیاس لگی۔ پیاس اتنی شدید تھی کہ میں اپنی زندگی

سے ناامید ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔

فَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ مَّعَهُ أَرْبَعَةُ أَرْغِفَةٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ مِنْهَا طَائِرٌ مَّشْوِيٌّ وَّ بَيْنَ اثْنَيْنِ خَبِيْصٌ. یعنی ”اچانک میں نے ایک شخص کو اپنے پاس موجود پایا جس کے پاس چار روٹیاں تھیں۔ ان میں سے دو روٹیوں کے درمیان پرندے کا بھنا ہوا گوشت اور دو روٹیوں کے درمیان حلوہ تھا۔ (وہ روٹیاں اس شخص نے مجھے دیدیں)“۔

فرماتے ہیں کہ میرے سر کے پاس ایک لوٹا رکھا تھا وہ شخص اسے دریا سے بھر کر لے آیا۔ فَإِذَا مَاءٌ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ. یعنی ”وہ پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا“۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے وہ پانی پیا۔ پانی پینے سے اللہ تعالیٰ نے میرا بخار بھی ختم فرمادیا۔ پھر وہ شخص میرے پاس بیٹھ گیا۔ میں کھانا کھانے لگا۔ اس کے بعد وہ شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میرے ساتھی آگئے ہیں اس لئے مجھے کوئی اور کام کرنا ہے۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ فَإِذَا نَحْوُ مِنْ عِشْرِيْنَ جَمَّالاً فَقُمْتُ إِلَيْهِمْ وَغَابَ. رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یعنی ”(مجھے) بیس افراد اونٹوں والے دکھائی دیئے۔ میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے کھڑا ہوا۔ اتنے میں وہ شخص اچانک غائب ہوگیا“۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو غیب سے اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ کی اعانت کے لئے اور اسے غیبی رزق پہنچانے کیلئے بھیجا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دراصل فرشتہ ہو انسانی شکل میں۔ اس لئے وہ آنکھوں سے یکلخت غائب ہوگیا۔

ابو جعفر حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک قافلے کے ساتھ تھا جو بصرہ سے بغداد کی طرف جا رہا تھا۔ قافلہ میں ایک شخص تھا جو نہ کھاتا تھا اور نہ پیتا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگا۔ میں عیسائی ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ تم کھاتے پیتے کچھ نہیں ہو؟

اس نے کہا کہ میں متوکّل ہوں (یعنی میں نے اللہ تعالیٰ پر توکُّل کیا ہوا ہے)۔ میں نے کہا کہ میں نے بھی اللہ تعالیٰ پر توکُّل کیا ہوا ہے۔

اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ توکُّل علی اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہاں نہ بیٹھیں اور نہ قافلے والوں کے ساتھ رہیں۔ قافلے والوں کی رفاقت اور کھانے پینے میں ان کی اعانت پر بھروسہ کرنا اور اسے درخور اعتناء سمجھنا توکُّل علی اللہ کے خلاف ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ کھانا کھانے کے لئے مل کر بیٹھیں گے۔ ہمارے پاس تو کچھ کھانے کے لئے ہے نہیں۔ پس لامحالہ یہ لوگ ہمیں بھی کھانے میں شرکت کی دعوت دیں گے اور بلائیں گے۔ پس قافلے والوں کے طعام اور ان کی اعانت کی امید پر یہاں رہنا اور ان کے ساتھ سفر کرنا توکُّل علی اللہ کے خلاف ہے۔

اس لئے میں نے اسے کہا کہ آیئے۔ ہم دونوں قافلہ سے الگ ہو کر ان کی اعانت کے بغیر جنگل اور بیابانوں میں سفر جاری رکھتے ہیں۔

اس نے کہا۔ ٹھیک ہے مگر ایک شرط پر، وہ یہ کہ جب ہم کسی شہر میں داخل ہوں گے تو نہ تم کسی مسجد میں جاؤ گے اور نہ میں کسی گرجا گھر (نصاریٰ کے معبد) میں جاؤں گا۔ میں نے یہ شرط مان لی۔

چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے رات ہم ایک بستی میں پہنچے۔ وہاں ہم ایک جگہ بیٹھ گئے۔

فَجَاءَ نَا كَلْبٌ أَسْوَدُ وَفِيْ فَمِهٖ رَغِيْفٌ. فَوَضَعَهٗ قُدَّامَ النَّصْرَانِيِّ فَأَكَلَهٗ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيَّ وَلَا عَرَضَ عَلَيَّ.

یعنی "ایک کالے رنگ کا کتا منہ میں روٹی اٹھائے ہوئے آیا اور آ کر روٹی اس عیسائی کے پاس رکھ دی۔ عیسائی نے ساری روٹی خود کھالی اور میری طرف اس نے ذرا بھی التفات (توجہ) نہ کیا اور نہ مجھے کھانے کو کچھ دیا"۔

پھر ہم مسلسل تین دن اور تین راتیں چلتے رہے۔ ہر رات یہی قصہ ہوتا کہ کتا اس کے پاس روٹی لے آتا اور وہ کھالیتا۔

چوتھی رات ہم ایک بستی میں داخل ہوئے۔ میں نماز مغرب ادا کرنے کیلئے کھڑا ہوا۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔

وَمَعَهٗ طَبَقٌ عَلَيْهِ طَعَامٌ وَّدَوْرَقٌ فِيْهِ مَاءٌ. فَسَلَّمَ عَلَيَّ. فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ وَضَعَهٗ قُدَّامِيْ. فَقُلْتُ لَهٗ: اِحْمِلْهُ إِلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ.

یعنی "اس شخص کے پاس ایک بڑی رکابی میں کھانا اور لوٹے میں پانی تھا۔ اس نے مجھے السلام علیکم کہا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو (میں نے اس کے سلام کا جواب دیا)۔ اس نے وہ کھانا اور پانی میرے سامنے رکھا۔ میں نے اسے کہا کہ آپ یہ سب کچھ اٹھا کر اس دوسرے آدمی کو دیدیں"۔

میں پھر نماز میں مصروف ہوگیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ عیسائی کھانے کی رکابی لیکر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں کیونکہ تمہارا دین میرے دین سے بہتر ہے۔ پھر اس نے پڑھا۔ **أَشْهَدُ أَنْ لَّا**

إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

میں نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اسلام بہتر دین ہے؟

اس نے کہا کہ مجھے میرا رزق مجھ جیسے ایک کتے کے ذریعے پہنچایا جاتا رہا۔ کتا ایک نجس جانور ہے۔

اور تمہارا رزق ایک نیک پاک انسان کے ذریعے تمہیں پہنچایا گیا۔ نیز میں سارا کھانا خود کھاجایا کرتا تھا۔ تمہیں اس میں سے کچھ بھی نہیں دیتا تھا اور تم نے جذبۂ ایثار کے تحت یہ کھانا مجھے دیدیا اور خود کچھ بھی نہ کھایا۔ حالانکہ تمہیں یہ کھانا تین دن کے بعد ملا تھا۔ اس لئے مجھے یہ یقین ہوگیا کہ تمہارا دین بہتر، اعلیٰ اور افضل ہے۔

احباب کرام ! اس ایمان افروز قصے میں تمام مسلمانوں کیلئے کئی اہم اسباق ہیں۔

اوّلاً۔ اس قصے سے یہ ثابت ہوا کہ زہد و تقویٰ و تقرّب الی اللہ کے مقامات میں توکُّل علی اللہ نہایت بلند مقام ہے اور اس کے ثمرات و نتائج بھی نہایت عالی شان ہوتے ہیں۔

ثانیاً۔ اس قصے سے یہ بات واضح ہوئی کہ دین اسلام ہی عند اللہ صحیح و کامل دین ہے اور اس کے مقابلے میں دین عیسوی و دیگر اَدیان بتمامہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و قابل عمل نہیں ہیں بلکہ نزولِ قرآن شریف کے بعد وہ منسوخ ہوگئے ہیں۔

دیکھئے۔ اس قصے میں ابو جعفر حدادؒ کے لئے کھانا لانے والا ایک انسان تھا اور عیسائی کے لئے ایک کتا اپنے نجس و پلید منہ سے روٹی پکڑ کر لاتا تھا۔ انسان

کی شرافت اور کتے کی نجاست واضح امور ہیں۔

نیز وہ کتا کالے رنگ کا تھا۔ پس غالب خیال یہ ہے کہ وہ شیطان تھا جو کتے کی شکل میں عیسائی کے پاس آتا رہا۔ حدیث شریف میں ہے کہ کالا کتا شیطان ہے۔ اسے قتل کرنا چاہئے۔

ثالثاً۔ ابو جعفر حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ پس ظنِّ غالب یہ ہے کہ اسلام کی عظمت ثابت کرنے اور واضح کرنے کیلئے انہوں نے اس عیسائی کے ساتھ سفر شروع کیا تھا۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں یہ کشف ہو گیا ہو کہ اس سفر میں اسلام کی عظمت کے مشاہدہ سے یہ عیسائی مسلمان ہو گا اور اس طرح اس سفر کا انجام نہایت مبارک ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند دن کی رفاقت اور اسلام کی برکات کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ عیسائی اسلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

اور یہ اظہارِ حقّانیتِ شریعتِ محمدیہ و اِعلاءِ شعائرِ اسلام کی نیت سے اور کافر کے دعوائے توکُّل کے مقابلے میں ایک مسلمان کے توکُّل علی اللہ کے غلبہ و عظمت کو واضح کرنے کے ارادے سے کافر یعنی عیسائی کو شریک سفر بنانے کا نہایت مبارک ثمرہ اور عظیم الشان فائدہ ہے۔

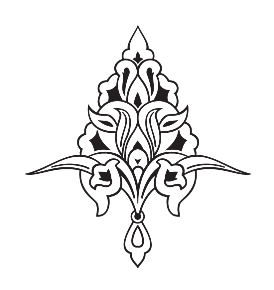
حدیث شریف ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ: لَأَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّکَ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَیْہِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ.

یعنی " نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا کہ

(اے علی !) تیری وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو ہدایت نصیب فرمادیں تو یہ تیرے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے (یعنی تیرا یہ عمل تیرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے) ”۔

بزرگوں کے ہر کام میں بڑی برکات ہوتی ہیں۔ وہ ہر کام خدا تعالیٰ کی رضا، اسلام کی خدمت، اِعلائے شعائر اللہ اور دینی و اُخروی فوائد کی نیت سے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہمارے دلوں کو اخلاص وحسنِ نیت و محبتِ اولیاء کرام کے انوار سے منوّر فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۷)

برادران کرام ! دنیا کی زندگی جتنی عیش وعشرت اور غفلت میں گزرتی ہے اتنی ہی آخرت کی نعمتوں اور مسرتوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر جب اللہ تعالیٰ نے نعمتوں اور مال ودولت کے دروازے کھول دیئے اور انہیں رزقِ فراخ نصیب ہوا تو وہ رویا کرتے تھے اور غمگین ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں ڈر ہے کہ یہ دنیاوی نعمتیں اور مالی راحتیں کہیں ہمارے اُخروی اجر وثواب میں کمی کی موجب اور نقصان کا سبب نہ بن جائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ غم اور ان کی یہ فکر بے جا و بے اصل نہیں تھی بلکہ وحیُ اللہ اور واقعات سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ گاہے دنیاوی نعمتوں کی بہتات سے اخروی اجر وثواب میں کمی آجاتی ہے۔

ابو احمد حلاسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری والدہ بڑی نیک وصالح خاتون تھیں اور ہم انتہائی تنگدست اور غریب تھے۔غربت وافلاس کی زندگی گزار رہے تھے۔ایک دفعہ والدہ نے کہا۔بیٹا ! کب تک تنگی کی زندگی گزارتے رہیں گے ، تجھے کچھ طلبِ معاش کرنی چاہیئے۔فرماتے ہیں کہ میں نے سحری کے وقت اٹھ کر یہ دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ إِنْ کَانَ لِیْ فِی الْآخِرَۃِ شَیْءٌ فَعَجِّلْ مِنْہُ لِیْ فِی الدُّنْیَا۔ فَرَأَیْتُ نُوْرًا فِیْ زَاوِیَۃِ الْبَیْتِ۔ فَقُمْتُ إِلَیْہِ۔ فَرَأَیْتُ رِجْلَ سَرِیْرٍ مِّنْ ذَھَبٍ مُّرَصَّعٍ بِالْجَوَاھِرِ۔ فَقُلْتُ لَھَا: خُذِیْ ھٰذَا۔

یعنی ’’اے اللہ! اگر آخرت کی نعمتوں میں میرا کچھ حصہ ہے تو اس میں سے کچھ دنیا ہی میں مجھے عنایت فرمادیں۔ (فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد) میں نے مکان کے ایک کونے میں روشنی دیکھی۔ میں جب اس کی طرف لپکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک تخت کا پایا ہے جو سونے کا ہے اور اس میں جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ میں نے (وہ اٹھا کر) اپنی ماں سے کہا کہ یہ لیں (آپ کی خواہش پوری ہوگئی)‘‘۔

فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مسجد میں چلا گیا اور یہ سوچتا رہا کہ اس سونے کے پائے اور اس میں جڑے ہوئے جواہرات کو کس جوہری کے پاس لے جاؤں اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔

جب میں واپس گھر آیا تو والدہ نے کہا کہ بیٹا مجھے معاف کردے۔ میں نے کہا۔ کیا بات ہے؟

والدہ نے فرمایا کہ تیرے جانے کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنّت میں ہوں۔ وہاں میں نے ایک محل دیکھا جس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ۔ ھٰذَا لِأَبِیْ أَحْمَدَ الْحَلَّاسِیِّ۔

یعنی ’’کلمہ طیبہ کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ محل ابو احمد حلاسی کا ہے‘‘۔

میں نے پوچھا کہ کیا یہ میرے بیٹے کا محل ہے؟ فرشتوں نے کہا۔ ہاں۔

میں اس محل کے اندر داخل ہوئی۔ اندر ایک کمرے میں کئی تخت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تخت کا ایک پایا نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ دیگر تختوں میں یہ ٹوٹا ہوا تخت اور پلنگ کتنا برا لگتا ہے۔

تو کسی نے کہا کہ اس تخت کا ایک پایا تو خود آپ نے لے لیا ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ تم وہ پایا دوبارہ اس پلنگ کے ساتھ جوڑ دو۔ پھر جب میں نیند سے بیدار ہوئی تو وہ پایا جو تو نے مجھے دیا تھا غائب ہو چکا تھا۔

اس عجیب و غریب واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہمارے اسلافِ کرام مستجاب الدعاء ہو کر بھی رزق کی فراخی و وُسعت کی دعاء بہت کم مانگتے تھے۔ اس واقعہ میں مذکور شیخ ابو احمد حلّاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ کتنے مستجاب الدعاء تھے۔

دیکھئے۔ ماں کے اصرار پر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مال و دولت کی دعا مانگی تو فورًا انہیں کمرے کے کونے میں سونے اور جواہرات والا قیمتی پایا اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔

معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے بزرگ اور مستجاب الدعاء انسان تھے۔ مگر اتنے بلند مرتبے کے باوجود اور مستجاب الدعاء ہونے کے باوجود وہ غربت و افلاس والی زندگی گزار رہے تھے اور اسی پر وہ راضی تھے۔ کیونکہ ان کی نگاہ آخرت کی نعمتوں پر تھی اور انہیں یہ یقینِ محکم حاصل تھا کہ آخرت کی نعمتوں اور مسرتوں کے حصول کیلئے دنیا میں تکالیف و مصائب برداشت کرنا ضروری ہے۔

انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ جنّتی نعمتوں کے پیش نظر اور ان کے حصول کی خاطر دنیاوی تکالیف کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ تکالیف اور مشقتیں برداشت کئے بغیر بلند درجات کا حصول مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ دنیاوی راحتوں

کے ترک کے بغیر اُخروی راحتیں حاصل نہیں ہوسکتیں۔ سختیاں اور صعوبتیں جھیلے بغیر مستقبل میں آسائشیں حاصل نہیں ہوسکتیں۔

محنت اور مصائب کی شدّت و زحمت جب تک خندہ پیشانی سے برداشت نہ کی جائے ترقی اور بلند منصب سے ہم آغوش ہونے کی تمنا رکھنا بیہودہ اور بے فائدہ خواہش ہے اور خیالی پلاؤ ہے۔

بلبلے کہ او اَلمِ خار تحمل نہ کند
بہتر آنست کہ گاہے سخنِ گل نہ کند

یعنی "پھولوں کی عاشق بلبل ہزار داستان جب کانٹوں کی تکلیف و زحمت برداشت نہ کر سکے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ آئندہ گلہائے رنگا رنگ کے عشق و محبت کی باتیں چھوڑ دے"۔

اَلْعِشْقُ کَالْمَعْشُوْقِ یَعْذُبُ قُرْبُہٗ
لِلْمُبْتَلٰی وَیَنَالُ مِنْ حَوْبَائِہٖ

یعنی "عشق، معشوق کی طرح عاشق کو محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اسے چھوڑتا نہیں اگرچہ عشق سے اسے تکلیف پہنچتی رہتی ہے"۔

آخرت کی راحتوں اور نعمتوں پر مسلسل نگاہ رکھنے اور انہیں اپنے ذہن میں ہمیشہ مستحضر رکھنے کے ذریعے ہمارے بزرگ دنیا میں بھوک، غربت، افلاس، تنگدستی اور غموں میں خوشی اور مسرّت محسوس کرتے تھے کیونکہ اچھے مآل اور بلند و بالا مستقبل کی محبت اور کشش مسافر کے دل میں جتنی زیادہ ہوگی خاردار

راستے کی تکالیف اور سفر کے تعب و تھکان سے وہ اتنا ہی بے پرواہ اور بے فکر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی نعمتوں کی محبت ڈال دیں اور شوقِ جنت اور شوقِ رضائے خدا تعالیٰ سے ہمارے سینوں کو مخمور و معمور کر دیں۔ آمین۔

تنبیہ الغافلین میں ہے۔ رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّہٗ قَالَ: اَلْفَقْرُ مَشَقَّۃٌ فِی الدُّنْیَا مَسَرَّۃٌ فِی الْآخِرَۃِ. وَالْغِنٰی مَسَرَّۃٌ فِی الدُّنْیَا مَشَقَّۃٌ فِی الْآخِرَۃِ.

یعنی "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ فقر و افلاس اگرچہ دنیا میں موجبِ مشقت و غم ہے لیکن آخرت میں باعثِ مسرّت و خوشی ہے اور غنا و دولتمند ہونا اگرچہ دنیا میں سببِ راحت و مسرّت ہے لیکن عقبیٰ میں وہ زحمت و مشقّت کا باعث ہے"۔

حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں یہ موقوف حدیثِ پاک بِإِسْنَادِہٖ ذکر کی ہے۔ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِیْ عُمَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ (وَکَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ): لَوْ أَنَّ عَبْدًا خَرَّ عَلٰی وَجْھِہٖ مِنْ یَّوْمٍ وُّلِدَ إِلٰی أَنْ یَّمُوْتَ ھَرَمًا فِیْ طَاعَۃِ اللہِ لَحَقَّرَہٗ ذٰلِکَ الْیَوْمَ فِیْمَا یَزْدَادُ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ.

یعنی "جُبیر بن نفیر تابعی محمد بن ابی عمیرہ صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ اگر ایک بندہ زیادہ عبادت کرنے میں اتنی مشقت اٹھائے کہ پیدائش سے بڑھاپے کی موت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سجدہ ریز رہے تو وہ بروزِ قیامت کثرتِ اجر و ثواب دیکھ کر یہ عبادت و مشقّت حقیر سمجھے گا"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اولیاء اللہ آخرت کا اجر وثواب حاصل کرنے کی خاطر ہر قسم کا آرام وراحت اور نیند ترک کرتے ہوئے عبادت وذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

کتاب حلیۃ الاولیاء میں ہے۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: أَهْدَى ابْنُ السَّائِبِ ابْنُ أَخِيْ مَيْمُوْنَةَ لِمَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِرَاشَ رِيْشٍ. فَلَمَّا أَفْطَرَتْ وَأَرَادَتْ أَنْ تَرْقُدَ، وَقَدْ كَانَتْ نَحَلَتْ مِنَ الْعِبَادَةِ، قَالَتْ: افْرِشُوْا لِيْ فِرَاشَ ابْنِ أَخِيْ. فَرَقَدَتْ عَلَيْهِ. فَمَا تَحَرَّكَتْ حَتّٰى أَصْبَحَتْ. فَقَالَتْ: أَخْرِجُوْهُ عَنِّيْ. هٰذَا مُغْفِلٌ. هٰذَا مُنِيْمٌ. لَا أَفْتَرِشُهٗ.

"جبیر بن نفیر تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ابن السائب نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور ہدیہ پروں سے پُر نرم فراش پیش کیا۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کثرتِ عبادت کی وجہ سے نہایت کمزور ہو چکی تھیں۔

سوتے وقت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس فراش کے بچھانے کا حکم دیا۔ پھر وہ اس پر سو گئیں۔ نرم وآرام دہ فراش کی وجہ سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا صبح تک سوئی رہیں اور رات کے معمولات عبادت وذکر اللہ سے محروم ہو گئیں۔ صبح کے وقت میمونہ رضی اللہ عنہا نے گھر والوں کو حکم دیا کہ یہ فراش میری خواب گاہ سے ہٹا دو۔ کیونکہ یہ زیادہ نرم وآرام دہ ہے، غفلت میں ڈالنے والا اور نیند لانے والا ہے۔ اس کی وجہ سے آج رات میری رات کی عبادت وتہجد وغیرہ فوت ہوئیں۔ لہٰذا میں آئندہ اس پر نہیں سوؤنگی"۔

کتاب حلیۃ الاَولیاء میں ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ دو شعر صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شعر صبح کے وقت اور دوسرا شعر رات کو پڑھا کرتے تھے۔ ان دو شعروں کا مضمون نہایت مؤثّر ہے۔ ان میں فنائے دنیا اور فضیلتِ تقویٰ کا مؤثّر طریقے سے ذکر ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

یَسُرُّ الْفَتٰی مَاکَانَ قَدَّمَ مِنْ تُقًی
إِذَا عَرَفَ الدَّاءَ الَّذِیْ هُوَ قَاتِلُهٗ

"تقویٰ والے اعمال اُس وقت (آخرت میں اور موت کے وقت) زیادہ باعثِ مسرّت ہونگے جب انسان کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کونسا مرض (عمل) تباہ کن ہے"۔

وَمَا الدُّنْیَا بِبَاقِیَۃٍ لِحَیٍّ
وَلَا حَیٌّ عَلَی الدُّنْیَا بِبَاقٍ

"یہ دنیا فانی ہے، یہ کسی کے لئے باقی نہیں رہ سکتی اور نہ کوئی زندہ دنیا میں ہمیشہ کیلئے باقی رہ سکتا ہے"۔

یہ دونوں شعر نہایت سبق آموز اور مؤثّر مضمون پر مشتمل ہیں۔ ان دو بیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا فانی ہے۔ اس لئے حصولِ دنیا کی بجائے تقویٰ والے اعمال کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ تقویٰ ہی موجبِ امن و نجات اور باعثِ کامیابی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تقویٰ ہی کے ذریعے رزق کے بند دروازے کھلتے ہیں۔

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنِ اتَّقَی اللّٰہَ عَاشَ قَوِیًّا وَسَارَ فِیْ بِلَادِہٖ آمِنًا۔ یعنی " جس نے تقویٰ اختیار کیا وہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل و نصرت سے طاقتور شمار ہوگا اور امن و اطمینان سے رہیگا"۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْخَفِیَّ الْغَنِیَّ۔ " حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سنا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ پسند ہے جو متّقی ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں پوشیدہ ہو (یعنی مشہور نہ ہو) اور اسے قلبی غنا و استغنا حاصل ہو"۔

ایک روایت میں حدیثِ ہٰذا کے الفاظ کی ترتیب یہ ہے۔ إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ التَّقِیَّ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی اور طریقۂ زندگی ہمارے لئے نمونہ اور اُسوہ ہے۔ ہمیں ان کے طریقے کا اتّباع کرنا چاہیئے۔ ان کے طریقے کے اتباع ہی میں ہماری نجات ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا عافیتِ دُنیوی و اُخروی اور مسرّاتِ عقبیٰ کا باعث ہے۔ ان کا طریقہ بعینہٖ وہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تھا۔

جس راستے پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے چلتے ہوئے زندگی گزاری وہ درحقیقت وہی صراطِ مستقیم و جادۂ حق ہے جس کی دعا ہم ہمیشہ اور روزانہ نماز میں مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق کا سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ " اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرما اور اس کی طرف ہماری رہنمائی فرما"۔

یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بتایا ہوا صراطِ مستقیم ہے اور اولیاء و منعم علیہم

لوگوں کا جادۂ حق ہے۔ یہ معنی ہے اس آیت کا صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ.

یعنی ”ہم اُن لوگوں کی راہ اور جادۂ حق پر چلنے کی توفیق مانگتے ہیں جن پر اے اللہ ! آپ نے خصوصی انعام و احسان فرمایا ہے، نہ کہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر آپ نے غضب نازل کیا ہے اور وہ گمراہ ہیں“۔

صحابہ رضی اللہ عنہم زاہدین تھے، رَاغِبِيْنَ فِي الْآخِرَةِ وَفِيْ مَسَرَّاتِ الْعُقْبٰی تھے۔ وہ تارکِ دنیا تھے اور آخرت کی دائمی خوشیوں اور نعمتوں کے طالب و راغب تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا میں رہتے ہوئے اور دنیاوی مباح ضروریات حاصل کرتے ہوئے دنیا کو اور دنیاوی رزق و مال کو مقصودِ اصلی نہیں بنایا بلکہ آخرت کی مسرّات اور رضائے خدا تعالیٰ کو انہوں نے مطلوبِ اعلیٰ ٹھہرایا تھا۔ وہ دنیا اور دنیاوی رزق و مال و مسرات کے خریدار نہ تھے بلکہ جنّت اور مسرّاتِ عقبیٰ و رضائے خدا تعالیٰ کے خریدار تھے۔ ان کا حال یہ تھا جو ایک شاعر نے بیان کیا ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں ہے إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (توبہ، آیت ۱۱۱)

یعنی ” خدا نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض میں ان کیلئے بہشت تیار کی ہے۔ یہ نیک لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جو بلا ریب پورا کیا جائیگا اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ پس جو سودا تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے “۔

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر عمیق تھی، ان کا ایمان بڑا کامل تھا، ان کی نظر نعمتہائے آخرت ومسرّاتِ عقبیٰ پر ہوتی تھی جو زندگی کا مقصد اعلیٰ ہیں۔ اس لئے وہ دنیا میں فقر و افلاس کی زندگی میں صابر اور راضی بقضاءِ اللہ ہوتے تھے۔ غربت اور فقر کی زندگی پر وہ خوش ہوتے تھے اور جب ان پر مال و دولت کی فراوانی اور وسیع رزق کے دروازے کھل جاتے تو اس پر ان کی خوشی عارضی ہوتی تھی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ مسرّاتِ دنیویّہ مقصودِ اصلی نہیں ہیں۔

حلال رزق و حلال مال و دولت حاصل ہونا اور مباح طریقے سے رزقِ فراخ مل جانا بتقضائے بشریّت موجِبِ خوشی وباعثِ مسرّت ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم بہرحال انسان تھے اور بشر تھے، حلال مال و دولت اور حلال رزقِ فراخ کے حاصل ہونے سے اگر انہیں اور ان کے اہل و عیال کو خوشی ہو جاتی تو شرعاً اس خوشی میں اور خوشی کے اظہار میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اس خوشی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

تاہم دنیوی مال و دولت پر اور فراخیٔ رزق پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خوشی

عارضی ہوتی تھی اور اس سے ان کے ایمان ویقین اور اُخروی نعمتوں اور آسائشوں کے حصول کیلئے جدو جہد و عبادت وذکر اللہ میں کوئی نقص وقصور اور کمی نہیں آتی تھی۔

بلکہ بسا اوقات وہ افلاس وغربت والی زندگی یاد کرتے ہوئے اور مال و دولت کی فراوانی والی زندگی اور رزقِ فراخ والی حالت پر غم کا اظہار کرتے ہوئے روتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہماری وہ فقر ومسکنت والی زندگی اچھی تھی۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں یہ فراخ رزق اور مالی فراوانی ہماری سابقہ محنتوں، اسلام کیلئے مشقتوں اور تکالیف کا بجائے آخرت کے دنیا میں صلہ وبدلہ نہ بن جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم ان آسائشوں اور مال ودولت کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہمیں ان میں کوئی بڑی خیر معلوم نہیں ہوتی۔ وہ بطور افسوس کہا کرتے تھے کہ وہ صحابہ جو غربت وافلاس کے زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوئے اور وفات پا گئے وہ ہم سے بہتر تھے اور انہیں آخرت میں ہم سے زیادہ اجر وثواب ملے گا۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے اور ایمان کی حفاظت کے لئے اٹھائی ہوئی مشقتوں اور تکالیف کا کوئی بدلہ وصلہ دنیا میں حاصل نہیں کیا۔

اس سلسلے میں چند احادیث مبارکہ یہاں ذکر کرنا مناسب ہے۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللهِ. فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ. فَمِنَّا مَنْ مَّاتَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا. مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهُ بِهِ إِلَّا بُرْدَةً إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ فَأَمَرَنَا صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ. وَمِنَّا

مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا. أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ وَالتِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُمْ.

”حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر ہجرت کی۔ پس ہمارا اجر اللہ تعالیٰ پر (حسبِ وعدۂ خداوندی) ثابت ہوگیا، یعنی ہمیں اس کا اجر ملے گا۔ پس ہم میں سے بعض وہ تھے جو اپنی مشقتوں کا صلہ وعوض دنیا میں نہ پاسکے۔

ان میں سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ اُن کے کفن کیلئے سوائے ایک کمبل کے کچھ بھی نہ تھا۔ اس کمبل سے جب ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پاؤں ننگے ہوجاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہوجاتا (یعنی وہ کمبل چھوٹا سا تھا)۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حکم فرمایا کہ ان کا سر کمبل سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر اِذخر (نرم گھاس) ڈال دو۔ اور بعض ہم میں سے وہ تھے جو دنیاوی نعمتوں سے مستفید ہوئے، پس وہ دنیاوی نعمتوں سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں“۔

اس حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی سے متعلق کئی سبق آموز امور معلوم ہوئے۔

پہلی بات حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بتلائی کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے جو ہجرت کی تھی اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِخبار کے پیشِ نظر ہمارے لئے یقیناً ثابت اور مقرر ہوگیا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ میں

سے وہ صحابہ بڑے خوش قسمت اور نیک بخت تھے جو غربت و افلاس والے زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ نیک بخت اور خوش نصیب اس لئے تھے کہ انہیں اپنی خدماتِ اسلامیہ اور عبادت کا دنیا میں کوئی عوض اور صلہ نہیں ملا بلکہ انہیں موت کے بعد اپنی عبادت و دینی خدمات کا اجر پوری طرح صحیح و سالم ملے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان خوش نصیبوں میں سے ایک صحابی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسلام لانے سے قبل مصعب بن عمیرؓ بڑی راحتوں اور نعمتوں میں پلے تھے اور کسی قسم کی تکلیف اور مشقّت سے کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے۔ فقر و غربت اور بھوک و افلاس کی صعوبتوں سے وہ نا آشنا تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد وہ دیگر صحابہ کی طرح فقر و فاقہ اور تنگدستی کی صعوبتوں میں مبتلا ہوئے اور پوری طرح صابر رہے، یہاں تک کہ جنگِ اُحد میں وہ شہید ہوئے۔

شہادت کے بعد ان کے کفن کیلئے صرف ایک چھوٹا سا کمبل دستیاب ہوا۔ وہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ جب اس کمبل سے ہم ان کا سر چھپاتے تو ان کے دونوں قدم ظاہر ہو جاتے تھے اور جب قدمَین کو ہم ڈھانپتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ فقر و افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے لئے پورا کفن بھی دستیاب نہ ہو سکا۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ اُن کا سر اس کمبل سے چھپا دو اور ان کے دونوں قدموں پر اِذخر گھاس ڈال دو۔ اِذخر ایک نرم و ملائم گھاس ہے جو عرب میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

چوتھی بات جو اس حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ خباب رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ میں سے دوسری قسم کے وہ صحابہ ہیں (خبابؓ بھی اس دوسری قسم میں داخل ہیں) جنہوں نے فقر و افلاس کے بعد وہ زمانہ بھی پایا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مال و دولت کی آسائشوں، راحتوں اور فراخ رزق کے دروازے کھول دیئے اور وہ مسلمان اب ان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے پوری طرح مستفید ہو رہے ہیں۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ بطورِ حسرت و افسوس اور بطور اظہارِ غم کہہ رہے ہیں کہ ہمارا یہ مؤخر ہونا اور طویل عُمر پا کر مال و دولت اور وسیع رزق سے مستفید ہونا اچھا شگون اور اچھی بات نہیں ہے بلکہ یہ موجبِ غم و باعثِ حسرت ہے۔ کیونکہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ نعمتیں، آسائشیں اور فراخیٔ رزق ہماری سابقہ عبادت و جہاد و ہجرت و خدمات اسلامیّہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں صلہ اور عوض نہ ہو۔ اور کہیں ان دنیاوی نعمتوں سے ہمارے اُخروی اجر و ثواب میں کمی اور نقصان نہ آئے۔

حضرت خبابؓ اوّلین مسلمانوں میں سے ہیں اور اسلام کیلئے انہوں نے بڑی تکالیف برداشت کیں۔ روایات میں ہے کہ حضرت خباب بن ارتؓ چھٹے مسلمان ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح اُن پر بھی کفار نے بڑے مظالم ڈھائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم مال و دولت کی فراوانی اور فراخ رزق کے دروازے کھل جانے پر بسا اوقات غم کا اظہار کرتے تھے۔ مال و دولت کی بہتات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے غمگین ہونے اور اظہار غم کرنے کی متعدد وجوہ تھیں۔

وجہ اوّل۔ اوّلاً اس لئے کہ انہیں فقر و افلاس کا وہ زمانہ یاد آتا تھا

جس میں انہیں کئی کئی دن بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ تکالیف اور تنگدستی کا گزرا ہوا زمانہ گاہے انسان کو غمگین کر دیتا ہے اور اس سے گذشتہ غم کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں۔

وجہ دوم۔ ثانیاً انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت یاد آ کر ستاتی تھی کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مفلسانہ زندگی گزاری تھی۔ حدیث شریف ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ لَا نُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنْ يُّؤْتٰى بِاللَّحْمِ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَالتِّرْمِذِيُّ.

" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اہل بیت کے گھروں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں ایک ایک مہینہ آگ نہیں جلتی تھی۔ ہماری خوراک کھجور اور پانی ہوتا تھا۔ سوائے اس کے کہ کہیں سے کبھی کوئی گوشت وغیرہ آ جاتا "۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آلِ محمد کبھی بھی دو دن مسلسل جو کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے تا آنکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا گئے "۔

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَذَكَرَ مَا أَصَابَ النَّاسَ مِنَ الدُّنْيَا فَقَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَظَلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِيْ مَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بِهٖ بَطْنَهٗ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

یعنی " عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن مسلمانوں کی اس حالت کا ذکر کیا جس میں وہ مال و دولت اور فراخ رزق سے مالا مال تھے۔ تو فرمایا تمہیں تو یہ وسیع رزق حاصل ہے مگر میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے کہ وہ سارا دن بھوکے رہتے تھے اور انہیں ردّی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتی تھیں "۔

وجہ سوم۔ ثالثاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم تھا کہ جتنی نعمتیں اور آسائشیں زیادہ ہوں اتنا زیادہ شکر بھی ادا کرنا فرض ہے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم اس خوف سے غمگین ہو کر روتے تھے کہ ہم ان نعمتوں کا پوری طرح شکر بجالاسکیں گے یا نہیں۔

غربت و افلاس کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے صابر رہے اور کسی وقت بھی انہوں نے تکالیف کا شکوہ نہیں کیا۔ پس صبر کے امتحان میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے۔

رزق اور مال کی فراوانی کے بعد ان کا ایک اور قسم کا امتحان شروع ہوا یعنی اُن کا امتحانِ شکر شروع ہوا۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم اس لئے روتے اور پریشان ہوتے تھے کہ ہم اس مشکل امتحان میں پوری طرح کامیاب ہوسکیں گے یا نہیں۔ کیونکہ جس طرح تکالیف کے زمانے میں صبر کا امتحان ایک مشکل آزمائش ہے اسی طرح راحتوں اور نعمتوں کی فراوانی کے زمانے میں شکر کا امتحان اور آزمائش بھی نہایت مشکل ہے۔

آجکل کے مسلمان تو غافل و مغفّل ہیں لیکن صحابہؓ ہماری طرح غافل و مغفّل نہ تھے۔ انہیں ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ہم سے کہیں ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں۔

کئی احادیث میں اس امتحان کے واضح اشارے موجود ہیں۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ابْتُلِيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا ثُمَّ ابْتُلِيْنَا بِالسَّرَّاءِ بَعْدَهٗ فَلَمْ نَصْبِرْ.

”حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مبتلا ہوئے نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تکالیف اور مشقتوں میں۔ پس ہم نے صبر کیا (یعنی مشکلات اور مصائب کے دور میں ہم نے صبر کیا) پھر ہمیں مبتلا کیا گیا خوشیوں اور نعمتوں میں۔ پس ہم صبر نہ کر سکے یعنی ہم ان نعمتوں کا پوری طرح شکر بجانہ لا سکے "۔

وجہ چہارم۔ رابعاً صحابہ رضی اللہ عنہم مال و دولت کی فراوانی اور رزق کی فراخی پر اس لئے بھی پریشان اور غمگین ہوتے تھے کہ انہیں ڈر تھا مال و دولت کے برے نتائج کا۔ مال و دولت کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ محبت بڑھتی جاتی ہے اور دنیا کی محبت انسان کے لئے تباہ کن ہے۔ حدیث شریف ہے حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ یعنی " دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے "۔

وجہ پنجم۔ خامساً مال و دولت کی فراوانی کا ایک برا نتیجہ یہ بھی ہے جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان و غمگین ہوتے تھے کہ اس سے رشتۂ اتفاق اور علاقۂ ہمدردی میں کمی آتی ہے اور عداوت اور دشمنی کے دروازے کھلتے ہیں۔

حدیث شریف ہے۔

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تُفْتَحُ الدُّنْیَا عَلٰی أَحَدٍ إِلَّا أَلْقَی اللّٰہُ بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ. رَوَاہُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ.

" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا کی کشادگی کے دروازے کسی پر نہیں کھولے جاتے مگر قیامت تک اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے درمیان عداوت و دشمنی ڈال دیتے ہیں "۔

وجہ ششم۔ سادساً مال و دولت کی بہتات اور رزقِ وسیع کے دروازے

کھل جانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم اس لئے بھی غمگین اور پریشان ہوتے تھے کہ کہیں اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیّت اور عہد کی مخالفت لازم نہ آجائے۔

کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہؓ کو یہی تلقین فرماتے تھے اور یہی تعلیم دیتے تھے کہ رزقِ قلیل پر اکتفاء کرنا اور فقر و فاقہ والی زندگی گزارنا اور صبر کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ بھوک و افلاس والی زندگی پر صبر کرنے والے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور قیامت کے دن وہ سب سے زیادہ میرے قریب ہونگے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے۔

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قِيلَ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: نَبْكِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ يَوْمًا مَا يَفْتَحُ اللهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى ذَكَرَ الشَّامَ. فَقَالَ: إِنْ يُنْسَأْ فِي أَجَلِكَ فَحَسْبُكَ مِنَ الْخَدَمِ ثَلَاثَةٌ: خَادِمٌ يَخْدُمُكَ، وَخَادِمٌ يُسَافِرُ مَعَكَ، وَخَادِمٌ يَخْدُمُ أَهْلَكَ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ. وَحَسْبُكَ مِنَ الدَّوَابِّ ثَلَاثَةٌ: دَابَّةٌ لِرَحْلِكَ، وَدَابَّةٌ لِثَقَلِكَ، وَدَابَّةٌ لِغُلَامِكَ.

ثُمَّ هٰذَا أَنَا أَنْظُرُ إِلٰى بَيْتِي قَدِ امْتَلَأَ رَقِيقًا وَأَنْظُرُ إِلٰى مِرْبَطِي قَدِ امْتَلَأَ دَوَابَّ وَخَيْلًا. فَكَيْفَ أَلْقٰى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هٰذَا وَقَدْ أَوْصَانَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَنْ لَقِيَنِي عَلٰى مِثْلِ الْحَالِ الَّتِي فَارَقَنِي عَلَيْهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ.

”حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا۔ میں روتا اس بات پر ہوں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن مسلمانوں کے ہاتھوں ہونے والی فتوحات کا ذکر فرمایا حتی کہ ملک شام کے فتح ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تجھے عمر میں مہلت ملے (یعنی لمبی عمر ملے اور تو وہ زمانہ پائے) تو تیرے لئے تین خادم کافی ہیں۔ ایک خادم وہ جو گھر میں تیری خدمت کرے، دوسرا وہ جو سفر میں خدمت کیلئے تیرے ساتھ ہو اور تیسرا وہ جو تیرے گھر والوں کی خدمت کرے اور ان کی ضروریات کیلئے گھر میں آئے جائے۔

اور تیرے لئے صرف تین سواریاں کافی ہیں۔ ایک سواری سفر کیلئے، دوسری گھر والوں کیلئے اور تیسری غلام کیلئے۔

(حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ) آج میں اپنے گھر کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ غلاموں سے بھرا ہوا ہے اور اپنے اصطبل کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جانوروں (سواریوں) اور گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس صورت حال کے بعد میں کس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملوں گا حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں وصیت فرمائی تھی کہ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جو اس حالت میں مجھے ملے جس حالت پر مجھ سے وہ جدا ہوا ہے (یعنی میری وفات کے وقت جس حالت میں وہ تھا)"۔

بہرحال فصلِ ہٰذا میں اس مضمون کا بیان ہو رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دولت کی فراوانی دیکھ کر غمگین ہو کر روتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں خطرہ تھا کہ ان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے کہیں ہماری اُخروی نعمتوں اور راحتوں میں نقصان اور کمی نہ آجائے۔

کیونکہ بعض احادیث میں واضح طور پر ایسے اشارے پائے جاتے ہیں کہ دنیاوی آسائشیں اور نعمتیں گاہے گاہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں اُخروی اجر و ثواب

میں نقصان کا باعث ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث شریف ہے۔

عَنِ الْبَرَّاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰی نَھْمَتَہٗ فِی الدُّنْیَا حِیْلَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ شَھْوَتِہٖ فِی الْآخِرَۃِ. وَمَنْ مَدَّ عَیْنَہٗ إِلٰی زِیْنَۃِ الْمُتْرَفِیْنَ کَانَ مَھِیْنًا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوَاتِ. وَمَنْ صَبَرَ عَلَی الْقُوْتِ الشَّدِیْدِ صَبْرًا جَمِیْلًا أَسْکَنَہُ اللّٰہُ مِنَ الْفِرْدَوْسِ حَیْثُ شَاءَ. رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْأَوْسَطِ.

”حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں اپنی حاجت اور ضرورت پوری کر لی یعنی دنیاوی نعمتوں سے پوری طرح لطف اندوز ہوا، اس کے اور اس کی اُخروی خواہشات کے مابین آخرت میں رکاوٹیں اور موانع قائم کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے دنیاداروں کی زینت کی طرف خواہش اور طلب کی نظر سے دیکھا وہ آسمانوں میں ذلیل شمار ہو گا۔ اور جس نے رزقِ قلیل پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت الفردوس میں اس جگہ ٹھکانہ دیں گے جہاں وہ چاہے گا“۔

اسی قسم کی ایک اور حدیث پاک ہے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ: اسْتَسْقٰی یَوْمًا عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَجِیْءَ بِمَاءٍ قَدْ شِیْبَ بِعَسَلٍ. فَقَالَ: إِنَّہٗ لَطَیِّبٌ لٰکِنِّیْ أَسْمَعُ اللّٰہَ نَعٰی عَلٰی قَوْمٍ شَھَوَاتٍ فَقَالَ: أَذْھَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا. فَأَخَافُ أَنْ تَکُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا. فَلَمْ یَشْرَبْ.

”حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ایک دن پانی مانگا۔ آپ کی خدمت میں ایسا پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک یہ پانی اچھا ہے لیکن (میں اسے نہیں پیتا کیونکہ) میں نے اللہ تعالیٰ کو سنا ہے (یعنی میں نے قرآن مجید میں پڑھا ہے) کہ اس نے خواہشات والی قوم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

﴿تم نے دنیاوی زندگی میں اپنے حصے کی ساری نعمتیں ختم کر لی ہیں، ان سے تم پوری طرح استفادہ کر چکے ہو (لہٰذا آخرت میں تمہارے حصے کی کوئی نعمت باقی نہیں)﴾ پس مجھے خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ اور صلہ ہمیں دنیا میں نہ دیدیا جائے۔ چنانچہ آپ نے وہ پانی نہ پیا"۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادِهٖ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَدَعَتْ لِيْ بِطَعَامٍ. وَقَالَتْ: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ. قَالَ: قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِيْ فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا. وَاللّٰهِ، مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ مَّرَّتَيْنِ فِيْ يَوْمٍ. وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

"حضرت مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا اور فرمایا کہ جب بھی میں کھانے سے سیر ہو کر رونا چاہوں رو لیتی ہوں، یعنی آسانی سے رونا آجاتا ہے۔ میں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اس حالت کو یاد کرتی ہوں جس حالت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اللہ کی قسم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام روٹی اور گوشت سے دن میں دو مرتبہ کبھی سیر نہیں ہوئے تھے"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہیں دور رس تھیں۔ نبی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کی

برکت سے ان کے قلوب میں صرف آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی تڑپ تھی۔ انہیں یہ یقین حاصل تھا کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ جنت کا طعام اگر دنیا میں کسی شخص کو ایک مرتبہ مل جائے تو اسے کبھی بھوک نہیں لگے گی۔ اور اگر جنتی شربتوں میں سے صرف ایک گھونٹ دُنیا میں حاصل ہو جائے تو عمر بھر پیاس نہیں لگے گی۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ بلادِ روم میں ایک دفعہ ہمارے ساتھ ایک نیک شخص شریکِ سفر ہوئے۔ وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے۔

میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ گیارہ دن سے آپ نے نہ کچھ کھایا ہے اور نہ پیا ہے، کیا بات ہے؟ فرمانے لگے کہ اس کی وجہ میں آپ کو جدائی کے وقت بتاؤں گا۔

جب فراق وجدائی کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ ایک دفعہ ہم بہت سارے افراد جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی ایک جنگ میں شریک ہوئے۔ کفار سے جنگ ہوئی اور میرے رفقاء شہید ہو گئے۔

فرمایا کہ میں بھی زخمی ہونے کی وجہ سے لاشوں میں پڑا تھا۔ غروبِ آفتاب کے وقت اوپر فضا سے بڑی مست، عمدہ اور مزیدار خوشبو آنے لگی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ خوبصورت لڑکیاں (حوریں) کھڑی ہیں۔ ان جیسی حسین عورتیں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پانی کے گلاس تھے۔ وہ شہیدوں کے منہ میں پانی ڈالنے لگیں۔ میں نے آنکھیں

بند کر لیں۔

وہ حوریں شہیدوں کے منہ میں پانی ڈالتے ڈالتے میرے پاس پہنچ گئیں۔ ان میں سے ایک لڑکی نے کہا۔

أُصْبُبْنَ فِيْ حَلْقِ هٰذَا وَعَجِّلْنَ قَبْلَ أَنْ تُغْلَقَ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَنَبْقٰى فِي الْأَرْضِ. فَقَالَتْ أُخْرٰى: أَسْقِيْهِ وَفِيْهِ رَمَقٌ؟ فَقَالَتِ الْأُخْرٰى: اِسْقِيْهِ، لَا بَأْسَ عَلَيْكِ يَا أُخْتِيْ.

یعنی ”اس شخص کے حلق میں پانی جلدی ڈالو قبل اس کے کہ آسمان کے دروازے بند ہو جائیں اور ہم زمین پر ہی رہ جائیں۔ دوسری لڑکی نے کہا کہ میں کیسے پلاؤں اس میں تو جان باقی ہے؟ پہلی لڑکی نے کہا کہ پلادو، اس میں کوئی حرج نہیں اے میری بہن۔ (چنانچہ اس لڑکی نے میرے حلق میں بھی پانی ڈال دیا)“۔

فَأَنَا مُنْذُ شَرِبْتُ ذٰلِكَ الشَّرَابَ لَا أَحْتَاجُ إِلٰى طَعَامٍ وَّلَا شَرَابٍ.

یعنی ”جب سے میں نے وہ شربت پیا ہے اس وقت سے مجھے نہ کھانے کی ضرورت ہے اور نہ پینے کی“۔

برادران اسلام! جنتی نعمتوں کا مقام و شان نہایت اعلیٰ ہے۔ دعا کریں کہ ہمارا خاتمہ بالایمان ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں جنت نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

افسوس کہ آج ہم ہر وقت دنیا کی نعمتوں اور کھانے پینے کی چیزوں کے حصول ہی میں لگے رہتے ہیں اور ان کیلئے انتھک محنت و کوشش کرتے ہیں مگر

آخرت کی ہمیں کچھ فکر نہیں اور نہ اس کی نعمتوں کی طرف ہماری توجّہ ہے۔ حالانکہ دنیاوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں۔

اس بات کی تائید مذکورہ صدر قصّے سے ہوتی ہے۔ دیکھئے۔ اس بزرگ کو جنّت کے پانی کے چند قطرے نصیب ہوئے جن کی لذّت وغذائیت اتنی زیادہ تھی کہ انہیں ہمیشہ کیلئے کھانے پینے کی ضرورت نہ رہی۔

دنیا میں اگر انسان غم، بھوک اور افلاس میں مبتلا ہو جائے تو یہ چیزیں جلد ختم ہو جائیں گی کیونکہ دنیا چند روزہ ہے۔ اسی مضمون کا بیان ایک شاعر نے یوں کیا ہے۔

غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

یہ دنیا فانی ہے، اس کی نعمتیں اور خوشیاں بھی فانی ہیں۔ موت ہمارے پیچھے آرہی ہے، وہ ہمیں نظر نہیں آتی۔ کامل مؤمن وہ ہے جو اپنے دل و دماغ میں موت کو ہر وقت مستحضر رکھے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

مسکیں حریص در ہمہ عالم ہمے رود
او در قفائے رزق و اَجل در قفائے او

یعنی ''انسان مسکین مال کا حریص ہے۔ وہ حرصِ مال و دولت کی وجہ سے سارے عالم میں گھومتا ہے۔ افسوس کہ وہ رزق کے پیچھے لگا ہوا ہے اور موت اس کے پیچھے اسے گرفتار کرنے کے لئے لگی ہوئی ہے''۔

افسوس کہ آخرت سے غفلت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی مفلسی ہے اور آخرت میں بھی مفلسی، جو بہت بڑی بدبختی ہے۔

مَا أَحْسَنَ الدِّيْنَ وَالدُّنْيَا إِذَا اجْتَمَعَا
وَأَقْبَحَ الْكُفْرَ وَالْإِفْلَاسَ بِالرَّجُلِ

”یہ کتنی اچھی بات ہے کہ کسی انسان میں دین و دنیا دونوں جمع ہوں، یعنی وہ دیندار بھی ہو اور دولتمند بھی ہو۔ اور کسی انسان میں کفر و افلاس کا جمع ہونا کتنی قبیح اور بُری بات ہے“۔

اس زمانے میں گناہوں کی کثرت ہے، فکرِ آخرت اور خوفِ خدا بہت کم ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں۔ بس لوگ رزق و مال کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ حلال و حرام کا فرق نہیں کرتے۔

اس زمانے کے اہلِ دنیا کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مفلسی ہے اور بیکاری بھی ہے
رشوتوں کی گرم بازاری بھی ہے
حق پرستوں کیلئے ہے قید و بند
اہلِ باطل کی طرفداری بھی ہے
اہلِ دُنیا سے ہے بس اِتنا سوال
آخرت کی کوئی تیاری بھی ہے

ڈھول، تاشے، پھول، باجہ، کھیل کود

اس پہ دعوائے وفاداری بھی ہے

کتنا خوش نصیب ہے وہ مسلمان جسے گناہوں سے اجتناب کی توفیق ملی ہو اور فکرِ آخرت، خوفِ خدا تعالیٰ، حبِّ خدا و رسول اور حبِّ طاعات و عبادات کے انوار سے اس کا دل منوّر رہو۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو جادۂ حق و صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۸)

احباب کرام ! اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہیں، منّان وکریم ہیں، وسیع رحمت والے ہیں، مختار وقادر مطلق ہیں، رزّاق ومسبِّب الاَسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب میں بے شمار ایسے اسباب موجود ہیں جن کی طرف انسان کا خیال نہیں جاتا لیکن جب اللہ عزّ وجلّ چاہیں تو غیبی مدد سے ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کے ذریعہ انسان کو رزق پہنچا دیتے ہیں۔قرآن شریف میں ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ.

" اور جو کوئی خدا تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے (رنج ومحن سے) مخلصی کی صورت پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہو "۔

ایک کتاب میں بعض سادات اولیاء اللہ کی یہ حکایت میں نے دیکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آبادی سے دور ایک دریا کے کنارے مدّتِ مدید تک عبادت میں مصروف رہا۔ ایک بار عید الفطر کی نماز پڑھنے کیلئے قریب واقع ایک بستی میں گیا۔

نمازِ عید سے فارغ ہوکر جب میں واپس اپنے مکان (یعنی وہ جگہ جہاں وہ بزرگ علیحدگی میں عبادت کرتے تھے) میں آیا تو اپنی خلوت گاہ میں ایک

شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لیکن دروازے میں ان کے قدموں کا کوئی نشان نہ تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ مہمان بزرگ کہاں سے داخل ہوئے۔

نماز سے فراغت کے بعد دیر تک وہ مہمان بزرگ مصلّے پر روتے رہے اور میں سوچ رہا تھا کہ آج عید کا دن ہے ان کی خدمت میں کیا چیز پیش کروں کیونکہ یہ میرے مہمان ہیں۔ مگر میرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

انہوں نے یعنی مہمان نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، غیب میں ایسی چیزیں ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ ہاں اگر آپ کے پاس پانی ہو تو لائیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اُٹھا تا کہ لوٹے میں پانی لاؤں۔

فَوَجَدْتُ عِنْدَ الْإِبْرِيْقِ رَغِيْفَيْنِ كَبِيْرَيْنِ حَارَّيْنِ كَأَنَّهُمَا السَّاعَةَ خَرَجَا مِنَ الْفُرْنِ وَلَوْزًا كَبِيْرًا۔ یعنی ”میں نے لوٹے کے پاس دو بڑی روٹیاں پائیں جو گرم تھیں، گویا وہ اسی وقت تنور سے نکالی گئی تھیں اور بڑے بڑے بادام بھی ملے“۔

میں نے یہ چیزیں اٹھا کر ان کے پاس رکھ دیں۔ انہوں نے روٹی توڑی اور بادام میرے سامنے رکھ دیئے اور فرمایا کھائیں۔ وہ بزرگ مجھے بادام کھلاتے رہے مگر انہوں نے خود صرف ایک یا دو بادام کھائے۔

فرماتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے یعنی مہمان نے فرمایا کہ تعجب کی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ وہ جہاں بھی ہوں اپنی مراد پا لیتے ہیں۔

مجھے اس بات سے مزید تعجب ہوا۔ میرے دل میں ان کی مواخاۃ یعنی دوستی کی طلب پیدا ہوئی۔

انہوں نے یعنی مہمان بزرگ نے فرمایا لَا تَعْجَلْ بِطَلَبِ الْمُوَاخَاةِ فَأَنَا لَا بُدَّ أَنْ أَعُوْدَ إِلَيْكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

یعنی " آپ طلبِ مواخاۃ (دوستی) میں جلدی نہ کریں میں ان شاء اللہ پھر آپ کے پاس آؤنگا"۔

پھر وہ بزرگ مجھ سے پوشیدہ ہو گئے اور نہ معلوم کہاں گئے۔ مہمان کے اس حیرت انگیز واقعہ سے مجھے انتہائی تعجب ہوا۔

فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلَةُ السَّابِعَةُ مِنْ شَوَّالٍ أَتَانِيْ وَوَاخَانِيْ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. یعنی " جب شوال کی ساتویں رات تھی تو وہ بزرگ میرے پاس آئے اور بھائی بن گئے"۔

اولیاء اللہ کا حال ایسا ہوتا ہے کہ انہیں ہر وقت عبادت و ذکرُ اللہ کی فکر رہتی ہے۔ عبادت و ذکرُ اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ غیب سے انہیں رزق پہنچاتے ہیں۔ مگر عام لوگوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے۔ انہیں مال و رزق کی فکر ہوتی ہے۔ آخرت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کی محبت کم ہوتی ہے۔ ان کے دل دنیا کی حرص و ہوا سے غمگین ہوتے ہیں، خستہ حال و پریشان ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ دونوں عالم میں رسوائی ہی ہے۔ سرمد کہتا ہے۔

اے دل زِ ہوا و حرص غمگیں بشدی — با بیش و کمِ جہاں، بہ تسکیں بشدی
خود را سبک و ننگِ دو عالم کردی — از بارِ گراں خستہ و غمگیں بشدی

اس رباعی میں زمانۂ حال کے مسلمانوں کا بھیانک حال اور دین و قرآن سے دوری کی حالتِ زار بیان کی گئی ہے اور اس پر حسرت اور افسوس کا اظہار کیا

گیا ہے۔ اس رباعی کا منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے۔

اے دل ہے ہوا و حرص سے تُو غمگین
ہے بیش و کمِ جہاں سے تجھ کو تسکین
خود بن گیا تُو ننگِ دو عالم افسوس
خود ہو گیا اس بوجھ سے خستہ غمگین

ایک بزرگ کی حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سیر و سیاحت کیلئے جنگل میں گیا۔ وہاں مجھے کئی دنوں تک کھانے پینے کیلئے کچھ نہ ملا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔

اچانک ایک محل نظر آیا۔ میں اس کی طرف گیا کہ شاید کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ جب میں محل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اندر سے ایک درندہ نکل کر آرہا ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص پشت کے بل قبلہ رُخ پڑا ہے۔ میں نے اسے حرکت دی لیکن وہ مردہ تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ درندہ اسے کھانے کیلئے آیا ہو گا مگر اللہ تعالیٰ نے درندے سے اسے محفوظ رکھا۔

پھر میں محل سے باہر نکلا تا کہ میّت کے کفن دفن کا انتظام کروں حالانکہ سخت پیاس کی وجہ سے مجھ میں یہ سکت نہ تھی۔ اتنے میں جنگل سے ایک شخص غیب سے نمودار ہوا۔ یہ کوئی ولی اللہ تھے۔ سلام کے بعد وہ ولی اللہ کہنے لگے۔

جَهَّزْتَ الْفَقِيْرَ؟ قُلْتُ: لَا، يَا سَيِّدِيْ. قَالَ: بِسْمِ اللهِ تَمْضِيْ مَعِيْ إِلٰى رَأْسِ الْجَبَلِ فَإِنَّ فِيْهِ عَيْنَ مَاءٍ.

یعنی ” کیا آپ اس فقیر کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے ہیں؟ میں

نے کہا، نہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام لیکر میرے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھیں۔ وہاں پانی کا چشمہ ہے"۔

چنانچہ میں اس غیبی شخص کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ وہاں چشمہ پر ایک مشکیزہ ملا۔ میں نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ اس شخص کے پاس ایک لوٹا تھا۔ ہم نے لوٹا اور مشکیزہ بھر لیا اور اس فقیر کی میت کے پاس واپس آئے، اُسے غسل دیا اور اس کے اپنے کپڑے کا اسے کفن پہنایا۔ نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کیا۔

تکفین و تدفین سے فراغت کے بعد وہ بزرگ فرمانے لگے کہ یہ متوفی فقیر اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، مگر خود اس فقیر کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ لِأَنَّهٗ كَانَ يَتَّقِيْ مَوْلَاهُ فَأَخْفَاهُ.

یعنی "چونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پوشیدہ رکھا"۔

ثُمَّ غَابَ عَنِّيْ كَأَنَّهٗ قَدِ اخْتُطِفَ مِنْ جَانِبِيْ فَوَقَفْتُ عَلَى الْقَبْرِ وَقَرَأْتُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ وَأَهْدَيْتُهٗ إِلَى الْفَقِيْرِ. وَسَأَلْتُ اللّٰهَ بِحُرْمَتِهٖ. فَأَجَابَنِيْ وَوَجَدْتُّ بَرَكَتَهٗ زَمَانًا طَوِيْلًا.

یعنی "پھر وہ غیبی بزرگ مجھ سے اچانک غائب ہو گئے گویا کہ میرے پاس سے انہیں اٹھالیا گیا۔ پھر میں نے (اس فقیر کی) قبر کے پاس کچھ قرآن پاک کی تلاوت کی اور اس کا ثواب اس میت کو بخشا اور اس کے وسیلہ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور مدّت تک میں اس دعا کی برکت سے مستفیض ہوتا رہا"۔

احبابِ کرام ! اللہ والوں کے رزق اور ان کی ضروریات کا انتظام اس

طرح غیب سے کیا جاتا ہے۔

آہ ، آہ ...... افسوس ، صد افسوس ...... موت قریب آرہی ہے۔ آخرت قریب ہورہی ہے۔ قبر قریب آرہی ہے۔ حساب کا وقت قریب ہورہا ہے۔ ذرّے ذرّے کے برابر بُرے اعمال کا حساب ہوگا۔ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.** یعنی ” جس نے ذرّے کے برابر نیک عمل کیا ہوگا وہ اسے محشر میں دیکھ لے گا اور جس نے ذرّے کے برابر بُرا عمل کیا ہوگا وہ اسے قیامت میں دیکھ لے گا “۔

سخت منازل آنے والی ہیں۔ ان کیلئے تیاری کرنی چاہئے، محنت کرنی چاہئے۔ مگر لوگ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے ہیں، موت سے غافل ہیں، قبر کی سختیوں سے غافل ہیں، حسابِ عقبیٰ سے غافل ہیں، آخرت سے غافل ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اتنی غفلت تو نہ کر اے دل خدا کے واسطے
فکر کر کچھ تو بھلا روزِ جزا کے واسطے

نفس کے تابع رہے ایسے کہ بھولے ، آہ ، وہ
آئے تھے دنیا میں ہم جس مدّعا کے واسطے

بیٹھ کنجِ صبر میں قسمت میں جو ہے پائیگا
مت اٹھا رنج و عنا گنج و غنا کے واسطے

مال و زر ملک و زمیں فوج و سپہ گنج و حشم
کسب کس کو ہے بقا ہے سب فنا کے واسطے

ہے تکبّر زر پہ لاحاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کے واسطے
گر تُو قارونِ زمانہ بھی ہوا تو کیا ہوا
آخرش تُو چیونٹیوں کی ہے غذا کے واسطے
آج جو دینا ہے دے لے کل خدا جانے یہ مال
ہوگا کس بیگانہ و ناآشنا کے واسطے
کام وہ کر لے تُو پیارے جس کے باعث گور میں
باغِ رضواں سے کُھلے کھڑکی ہوا کے واسطے

ایک مرد صالح فرماتے ہیں کہ میں اور ابو علی بدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ ایک ولی اللہ کی زیارت کیلئے نکلے۔ فرماتے ہیں کہ دورانِ سفر ایک جنگل و بیابان میں ہمیں سخت بھوک لگی۔

فَإِذَا بِثَعْلَبٍ يَحْفِرُ الْأَرْضَ وَيُخْرِجُ مِنْهَا كَمْأَةً وَيَرْمِي بِهَا إِلَيْنَا.

یعنی ”اچانک (ہم نے دیکھا کہ) ایک لومڑی زمین کھود رہی ہے اور اس میں سے کھمبیاں نکال کر ہماری طرف پھینک رہی ہے“۔

ہم نے حسبِ ضرورت کھمبیاں کھالیں۔ پھر آگے چلے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا درندہ سویا ہوا ہے۔ ہم اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ وہ اندھا ہے۔ ہم اس درندے کی کیفیت و حالت پر تعجب کرتے ہوئے ابھی کھڑے ہی تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ تو اندھا ہے اسے خوراک کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوتی ہوگی کہ اتنے میں ایک کوّا آیا۔

مَعَہٗ قِطْعَۃُ لَحْمٍ کَبِیْرَۃٌ. فَضَرَبَ بِجَنَاحَیْہِ عَلٰی اُذُنِ السَّبُعِ فَفَتَحَ فَمَہٗ فَطَرَحَ فِیْہِ الْقِطْعَۃَ.

یعنی ”اس کوّے کی چونچ میں گوشت کا ایک بہت بڑا ٹکڑا تھا۔ اس نے اپنے پَر اس درندے کے کانوں پر مارے۔ درندے نے منہ کھولا اور کوّے نے وہ گوشت کا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈال دیا“۔

ابو علیؒ نے مجھے فرمایا کہ قدرت کی یہ علامت ہماری عبرت کیلئے ہے۔ دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ کی رازقیّت کا عجیب مظاہرہ، اللہ تعالیٰ نے غیب سے یہ کوّا اس نابینا درندے کو رزق پہنچانے پر مقرر فرمایا ہے۔

پھر ہم اور آگے گئے تو ہماری نگاہ ایک جھونپڑی پر پڑی۔ ہم اس کے قریب گئے۔

فَاِذَا فِیْہِ عَجُوْزٌ کَبِیْرَۃٌ لَیْسَ عِنْدَھَا شَیْءٌ وَّعَلٰی بَابِ الْکُوْخِ حَجَرٌ مَّنْقُوْرٌ۔ یعنی ”(ہم نے وہاں جا کر دیکھا تو) اس میں ایک بڑھیا تھی جس کے پاس کسی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ اور دروازے کے قریب ایک پتھر پڑا تھا جس میں گڑھا (سوراخ) تھا“۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے اندر داخل ہو کر سلام کیا اور اس بڑھیا کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ عبادت میں مصروف تھی۔

نمازِ مغرب کے بعد وہ جھونپڑی سے باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں دو روٹیاں اور کچھ کھجوریں تھیں۔ اس نے ہمیں کہا کہ اندر جاؤ، جو چیز مل جائے کھالو۔ ہم نے اندر جا کر دیکھا تو چار روٹیاں اور دو ٹکڑے کھجوروں کے پڑے تھے۔ حالانکہ وہاں قریب قریب کہیں بھی کھجور کا درخت نہیں تھا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد بادل آکر برسا اور پتھر میں جو گڑھا (سوراخ) تھا وہ بھر گیا۔ پتھر کے علاوہ کسی جگہ بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرا، یعنی صرف پتھر پر بارش ہوئی۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کتنی مدت سے یہاں مقیم ہیں؟ بڑھیا نے کہا ستر سال سے۔

سَبۡعِیۡنَ سَنَةً هٰكَذَا حَالِیۡ مَعَ مَوۡلَایَ فِیۡ قُوۡتِیۡ وَشَرَابِیۡ كَمَا تَرَوۡنَ.

یعنی "ستر سال سے میرا حال اپنے مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ کھانے پینے کے معاملات میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"۔

ہم نے پانی کے متعلق دریافت کیا۔ بڑھیا نے جواب دیا كُلَّ لَيۡلَةٍ تَجِیۡءُ هٰذِهِ السَّحَابَةُ فِی الصَّيۡفِ وَالشِّتَاءِ وَهٰذَانِ الرَّغِيۡفَانِ وَالتَّمۡرُ۔

یعنی "ہر رات یہ بدلی آکر برستی ہے سردیوں میں بھی اور گرمیوں میں بھی، اور یہ دو روٹیاں اور کھجوریں بھی اسی طرح ہر رات پہنچتی ہیں"۔

پھر اس بڑھیا نے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ ابو نصر سمر قندیؒ کی زیارت کرنے جا رہے ہیں۔ بڑھیا نے کہا۔ رَجُلٌ صَالِحٌ. يَا أَبَا نَصۡرٍ ! تَعَالَ إِلَی الۡقَوۡمِ. فَإِذَا أَبُوۡنَصۡرٍ قَائِمٌ عِنۡدَنَا. فَسَلَّمَ عَلَيۡنَا وَسَلَّمۡنَا عَلَيۡهِ۔

یعنی "ابو نصر تو صالح انسان ہیں۔ پھر بڑھیا نے آواز دی کہ اے ابو نصر! ان لوگوں کے پاس آجایئے۔ پس اچانک حضرت ابو نصرؒ ہمارے سامنے نمودار ہوئے۔ انہوں نے ہمیں سلام کہا اور ہم نے انہیں سلام کا جواب دیا"۔

پھر بڑھیا نے کہا إِذَا أَطَاعَ الۡعَبۡدُ مَوۡلَاهُ أَطَاعَهٗ مَوۡلَاهُ۔ یعنی

" جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے امور اور اس کی ضروریات کو پورا فرماتے ہیں "۔

اس حکایت میں کتنی اہم نصیحت ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کی اطاعت کرتے ہیں، یعنی بندے کے ہر کام وضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل کے عام مسلمان خدا سے دور جا رہے ہیں، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے خبر ہیں۔ لوگ اس فانی دنیا اور مثلِ سَراب بے حقیقت دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں۔ سرمد کہتا ہے۔

اے خانہ خراب ! از خدا بے خبری
اے موجِ سَراب ! از خدا بے خبری
ایں ہستیٔ موہوم تُو، نقش است برآب
اے جوش حباب ! از خدا بے خبری

یہ غفلت، یہ محبتِ دنیا وحرصِ دنیا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت سے بے خبری و جہالت کا نتیجہ ہے۔ یہ دنیا مانندِ حباب بے حقیقت و فانی ہے۔ اس کی محبت سے خود اپنا خانہ خراب ہوتا ہے۔ اس رباعی کا منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے۔

کیوں بے خبر خدا سے ہے خانہ خراب تُو
غافل ہے اُس سے صورتِ موجِ سراب تُو
نقش بر آب ہستیٔ موہوم ہے تری
کیوں حق سے بے خبر ہوا جوشِ حباب تُو

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے جنگل کے ایک چرواہے سے کہا کہ مجھے دودھ یا پانی چاہئے۔ چرواہے نے کہا کہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ آپ کونسی چیز پسند فرمائیں گے؟ میں نے کہا۔ پانی۔ اس نے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماری۔ پتھر سے چشمہ پھوٹ پڑا۔ میں نے پانی پیا۔

فَإِذَا هُوَ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ۔ یعنی ”وہ پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا“۔

میں حیران رہ گیا۔ چرواہے نے کہا لَا تَتَعَجَّبْ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَطَاعَ مَوْلَاهُ أَطَاعَهُ كُلُّ شَيْءٍ۔ یعنی ”بندہ جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے“۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دفعہ شہر مدائن میں ایک مہمان آیا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مہمان کو ساتھ لیکر شہر سے باہر نکلے اور جنگل میں گئے۔ وہاں بہت سارے ہرن اور پرندے دیکھے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لِيَأْتِنِي ظَبْيٌ وَطَيْرٌ مِنْكُنَّ سَمِيْنَانِ فَقَدْ جَاءَنِي ضَيْفٌ وَأُحِبُّ إِكْرَامَهُ فَجَاءَ كِلَاهُمَا۔ یعنی ”تم میں سے ایک موٹا ہرن اور ایک موٹا پرندہ میرے پاس آجائے کیونکہ میرا مہمان آیا ہوا ہے جس کی میں تعظیم اور اکرام کرنا چاہتا ہوں (یعنی گوشت کھلانا چاہتا ہوں)۔ پس ایک ہرن اور ایک پرندہ دونوں (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس) آگئے“۔

مہمان بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا سبحان اللہ، اے سلمان! آپ کیلئے

پرندے (اور ہرن) مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا
أَفَتَعْجَبُ مِنْ هٰذَا، هَلْ رَأَيْتَ عَبْدًا أَطَاعَ اللّٰهَ فَعَصَاهُ شَيْءٌ.
یعنی " آپ اس بات سے متعجب ہوئے ہیں (یعنی تعجب کی کوئی بات نہیں)۔ کیا آپ نے کوئی ایسا بندہ بھی دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو اور پھر مخلوق میں سے کوئی چیز اس بندہ کی اطاعت نہ کرے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے مخلوق میں سے ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے)"۔

عبد الواحد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ سفر پر گئے۔ ہم ملکِ شام کے ایک راستے پر جا رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا آدمی لکڑیوں کا گٹھا سر پہ اٹھائے آرہا ہے۔ وہ قریب آیا تو میں نے اس سے بطور امتحان پوچھا۔

يَا أَسْوَدُ! مَنْ رَّبُّكَ؟ یعنی " اے کالے رنگ والے! تیرا ربّ کون ہے؟" اس نے کہا۔ لِمِثْلِيْ تَقُوْلُ هٰذَا؟ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ وَ قَالَ: إِلٰهِيْ حَوِّلْ هٰذَا الْحَطَبَ ذَهَبًا. فَإِذَا هُوَ ذَهَبٌ۔ یعنی " آپ مجھ جیسے انسان سے یہ سوال کر رہے ہیں؟ پھر اس نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ! آپ اِن لکڑیوں کو سونا بنا دیں۔ پس اچانک وہ لکڑیاں سونا بن گئیں"۔

پھر اس نے کہا کہ آپ نے یہ دیکھ لیا؟ ہم نے کہا۔ جی ہاں۔ پھر کہا۔

اَللّٰهُمَّ رُدَّهٗ حَطَبًا فَصَارَ حَطَبًا كَمَا كَانَ أَوَّلًا۔ یعنی " اے اللہ! آپ اس سونے کو دوبارہ لکڑیوں کا گٹھا بنا دیں۔ پس وہ سونا پہلے کی طرح لکڑیوں کا گٹھا بن گیا"۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے سَلُوا الْعَارِفِیْنَ فَإِنَّ عَجَائِبَهُمْ لَا تَفْنٰی۔ یعنی "عارفین (اللہ والوں) سے احوالِ معرفت و طریقت پوچھا کرو کیونکہ ان کے عجائبات فنا اور ختم نہیں ہوتے"۔

حضرت عبد الواحد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس عبدِ اَسود (سیاہ رنگ والے آدمی) سے سخت شرمندہ اور حیران ہوا۔ وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ حَيَاءً مَّا اسْتَحْيَيْتُ مِثْلَهٗ قَبْلَ هٰذَا مِنْ اَحَدٍ قَطُّ۔ یعنی "میں اس کے سامنے اتنا شرمندہ ہوا کہ اتنا شرمندہ کبھی کسی کے سامنے نہیں ہوا تھا"۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کھانا ہے؟ انہوں نے سامنے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا فَإِذَا بَيْنَ أَيْدِيْنَا جَامٌ فِيْهِ عَسَلٌ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ الثَّلْجِ وَأَطْيَبُ رِيْحًا مِّنَ الْمِسْكِ.

یعنی "فوراً ہمارے سامنے شہد کا ایک بڑا پیالہ نمودار ہوا جو برف سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا"۔

انہوں نے فرمایا۔ کھاؤ۔ فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهٗ لَيْسَ هٰذَا مِنْ بَطْنِ نَحْلٍ. فَأَكَلْنَا فَمَا رَأَيْنَا شَيْئًا أَحْلٰى مِنْهُ. فَتَعَجَّبْنَا. فَقَالَ: لَيْسَ الْعَارِفُ مَنْ تَعَجَّبَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ. فَمَنْ تَعَجَّبَ فَاعْلَمْ أَنَّهٗ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ. وَمَنْ عَبَدَ اللّٰهَ عَلٰى رُؤْيَةِ الْآيَاتِ فَإِنَّهٗ جَاهِلٌ بِاللّٰهِ.

یعنی "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ شہد مکھی کے پیٹ سے نکلا ہوا نہیں۔ پس ہم نے وہ شہد کھایا اور اس سے زیادہ میٹھی چیز ہم نے کبھی نہیں کھائی۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ عارف باللہ (اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت رکھنے والا) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کی قدرت کے

کرشموں سے حیران نہیں ہوتا اور جو حیران ہو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہے (یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہے) اور جو آدمی اس قسم کے کرشموں سے متأثّر ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ناواقف ہے"۔

احبابِ کرام ! مذکورہ قصے سے آپ کو معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو بظاہر تو کالے رنگ کے تھے اور حقیر و ذلیل نظر آتے تھے مگر واقع میں وہ اللہ تعالیٰ کے اتنے محبوب تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر دعا قبول فرماتے رہے اور انہیں غیب سے رزق پہنچاتے رہے۔ اصل مقصود حبُّ اللہ و حبُّ الرسول ہے، ایمان ہے، عبادۃ اللہ ہے، ذکر اللہ ہے۔ ایمان کامل کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت و عبادت میں استغراق حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ غیب سے رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

عمر خیامؒ اللہ تعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہونے کی دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یا ربّ بکشائے برمن از رزق دَرے
بے منّتِ مخلوق رساں ما حضرے
از بادہ چناں مست نگہدار مرا
کز بے خبری نباشدم درد سرے

(۱) یعنی "اے اللہ ! مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دیں۔ مخلوق کی منّت و احسان کے بغیر مجھے رزق نصیب فرمائیے۔

(۲) جنّتی شراب کی محبت سے مجھے ایسا مست رکھئے کہ بے ہوشی کی وجہ سے کسی غم اور دردسر کا خیال نہ رہے "۔

زندگی گزر رہی ہے مگر ہم خوابِ غفلت میں سو رہے ہیں۔ آخرت سے غفلت ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت سے غفلت ہے۔ ذکر اللہ سے غفلت ہے۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ یعنی " حسابِ آخرت کا وقت قریب ہو رہا ہے اور لوگ غفلت میں ہیں اعراض کرتے ہوئے "۔

عمر خیام فرماتے ہیں۔

ہنگام سفیدہ دم خروش سحری دانی کہ چرا ہمے کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینہ صبح کز عمر شبے گزشت وتو بے خبری

مطلب یہ ہے کہ " صبح اور مرغ نوحہ کرتے ہوئے تجھے یہ صدا دیتے ہیں کہ صبح کی یہ سفیدی آئینے کی طرح تجھے یہ بتا رہی ہے کہ تیری زندگی کی ایک رات اور گزر گئی اور تو بے خبر ہے "۔

ہر وقت آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا، حسابِ آخرت کا اور موت کا خیال رکھنا چاہئے۔ حدیث شریف ہے۔ اُذْكُرُوْا هَاذِمَ اللَّذَّاتِ۔ یعنی " ہر وقت موت کو یاد رکھا کرو "۔

ہے موت میں ضرور کوئی رمزِ دلنشیں
سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

ابوسعید حراز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار جنگل میں تھا۔ مجھے

سخت بھوک لگی۔ میرے نفس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگ۔ میں نے اسے کہا۔

مَا هٰذَا مِنْ فِعْلِ الْمُتَوَكِّلِيْنَ أَهْلِ الْهِمَمِ۔ یعنی "یہ باہمت اہلِ توکُّل کا کام نہیں ہے"۔

پھر میرے نفس نے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر مانگ۔ جب میں نے اس کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی نے یہ اشعار پڑھے۔

وَيَزْعَمُ أَنَّهٗ مِنَّا قَرِيْبٌ — وَإِنَّا لَا نُضَيِّعُ مَنْ أَتَانَا
فَهَمَّ أَبُوْ سَعِيْدٍ سُؤْلَ صَبْرٍ — كَأَنَّا لَا نَرَاهُ وَلَا يَرَانَا

(۱) یعنی "بندہ کو یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے قریب ہے۔ واقعی ہم اس کو ضائع نہیں کرتے جو ہماری طرف آئے۔

(۲) ابوسعید نے صبر کی درخواست کا ارادہ کیا، گویا کہ ہم اُسے نہیں دیکھتے اور نہ وہ ہماری قدرت کو دیکھتا ہے"۔

حضرات! یہ بڑے بزرگوں کا مقام ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے توکُّل کی بنا پر انتہائی تنگدستی اور بھوک کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے کھانے کا سوال نہیں کرتے۔ عام مسلمان اس درجہ کے متوکِّل نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد و نصرت کی دعا کرنی چاہئے اور ہر چھوٹی بڑی پریشانی میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

دیکھئے۔ ابراہیم علیہ السلام آگ میں گرے ہوئے تھے مگر انہوں نے فرشتے کی مدد کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میرا ربّ مجھے دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام

دوستی کے بلند مقام پر فائز تھے۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ توکّل علی اللہ اگرچہ بہت ضروری ہے اور نہایت بلند درجہ والی چیز ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام اسباب ترک کردیئے جائیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو نہ کہ اسباب پر، اور یہ اعتقاد رکھے کہ تمام امور میں کامیابی اور تمام امور کا حصول اللہ عزّ وجلّ کے ارادے ومشیت کا مرہون ہے نہ کہ اسبابِ ظاہریّہ کا مرہون۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ضرر نہ دینا چاہیں تو اگر بالفرض کُل امّت جمع ہو کر اسے ضرر دینا چاہے تو نہیں دے سکے گی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو نفع دینے کا ارادہ نہ کریں تو بالفرض اگر تمام افرادِ امت نفع دینے میں لگ جائیں تو اس شخص کو نفع نہیں دے سکیں گے۔

فَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

یعنی ”حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توکّل کی حقیقت کے بارے میں یہ سوال کیا کہ میں اونٹنی کا گھٹنا باندھ کر اللہ تعالیٰ پر توکّل کروں یا اس کا گھٹنا کھلا چھوڑ کر توکّل کروں؟ (مقصد یہ تھا کہ اونٹنی کا گھٹنا باندھنا ظاہری اسباب پر عمل کے قبیل سے ہے، تو ظاہری اسباب اختیار کرنا توکّل کے خلاف تو نہیں؟)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ اونٹنی کا گھٹنا باندھ کر توکّل کرنا چاہئے "۔

یعنی ظاہری اسباب پر عمل کرنا توکّل کے خلاف نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہری اسباب اختیار کرتے ہوئے یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ مسبَّب کا وجود درحقیقت اللہ عزّوجلّ کی مشیّت کے تابع ہے نہ کہ اسباب کے تابع۔

الغرض صحیح اور کامل توکُّل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توکّل والا مسلمان ہروقت اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد پر نگاہ رکھتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ سامنے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ نیز وہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتا ہے اور اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے نفع وضرر کے مالک ومختار ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَقَالَ: يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ. اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ. اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ. إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ. وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ. وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ. وَإِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ. رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

یعنی " ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا اے لڑکے ! میں تجھے چند مفید واہم باتیں بتلاتا ہوں۔

اوّل یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال رکھ، یعنی وہ اعمال اختیار کر جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی تجھے راضی رکھیں گے۔

دوم یہ کہ ہر وقت دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کر اور اسے مستحضر رکھ تُو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو سامنے پائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اپنے قریب پائے گا۔

سوم یہ کہ جب بوقت ضرورت کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ۔

چہارم یہ کہ جب مدد کی حاجت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ۔

پنجم یہ کہ تُو یہ اعتقاد رکھ کہ اگر کُل امّت کے افراد تجھے کچھ نفع پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو صرف اتنا نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ازل میں لکھا ہو گا۔

ششم یہ کہ یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اگر امت کے سارے افراد تجھے نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو صرف اتنا ضرر پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے ازل میں تیرے لئے لکھا ہو گا۔ بس سب چیزوں کے فیصلے ازل میں ہو چکے ہیں۔ قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں موعظت و نصیحت کی کتنی اہم باتیں مذکور ہیں۔ مگر افسوس ...... کہ اکثر مسلمان حبِّ دنیا و حرصِ مال و دولت کی وجہ سے آخرت سے اور اس حدیث میں مذکور زرّیں نصائح سے غافل ہیں۔

لوگوں کی نگاہیں دنیا کی رنگ و بُو میں الجھی ہوئی ہیں۔ بنائے ملّت بگڑ رہی ہے۔ وہ بدکردار لیڈروں اور بد خصال مرشدانِ خود بیں کی وجہ سے تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ مگر وہ اس گمراہی کو ترقی سمجھتے ہیں۔

بنائے ملّت بگڑ رہی ہے، لبوں پہ ہے جان، مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں، گویا اُبھر رہے ہیں

اِدھر ہے قومِ ضعیف و مسکیں ، اُدھر ہیں کچھ مُرشدانِ خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہے ہیں ، وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
کٹی رگِ اتحادِ ملّت ، رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے ہیں آبِ صافی ، نہا رہے ہیں، نکھر رہے ہیں
صدائے اِلحاد اُٹھ رہی ہے ، خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے، کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں
قفس ہے کم ہمّتی کا سیمیں ، پڑے ہیں کچھ دانہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں، نہ بال ہیں اب، نہ پر رہے ہیں
یہاں بجائے نماز گپ ہے، وہاں وہی عزتِ بشپ ہے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں ، وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

برادرانِ اسلام ! صالحین یعنی بزرگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات خصوصاً رزق کے بارے میں بڑے عجیب اور ایمان افروز ہوتے ہیں۔ ان کے اس قسم کے قصے پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے اور اللہ عزّوجلّ کی شان رزّاقیت پر یقین مزید محکم ہو جاتا ہے۔ پس ان بزرگوں کی حکایات سے یہ دو بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی ایمان کا تازہ ہونا اور یقین کا مستحکم ہونا۔

ابو العباس احرار رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بڑے عابد و زاہد اور بزرگ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اسلامی بھائی یعنی سلوک و ذکرُ اللہ کے راستے کے رفیق اور دوست کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا اور میں خود کسی خاص ضرورت کی خاطر ملک مصر آ گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد وہ اسلامی بھائی اور دوست

میرے پاس آیا۔ مجھے اس کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ اس نے کہا۔

یَاأَخِی !أَنَا جَائِعٌ. یعنی ”اے میرے بھائی ! میں بھوکا ہوں “۔

میں نے اسے کہا کہ میرے پاس تو کھانے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے اور میں کسی سے مانگتا بھی نہیں۔

فَمَا تَمَّ کَلَامِیْ مَعَہٗ حَتّٰی دَخَلَ مِنْ شُبَّاکِ الْبَیْتِ عُصْفُوْرٌ کَبِیْرٌ. وَأَلْقٰی فِیْ حِجْرِیْ قِیْرَاطًا کَبِیْرًا. فَأَخَذْتُہٗ وَاشْتَرَیْتُ لَہٗ بِہٖ شَیْئًا فَأَکَلَہٗ.

یعنی ”اس کے ساتھ میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ مکان کے روشندان سے ایک بڑا پرندہ اندر داخل ہوا اور ایک بڑا موتی اس نے میری گود میں ڈال دیا۔ میں نے اسے اٹھالیا اور کھانے کی کوئی چیز خریدی، پھر اس (میرے بھائی) نے وہ چیز کھائی “۔

افسوس...... آج ایسے بزرگ بہت کم ملتے ہیں۔ آج کے مسلمانوں کی حالت کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے۔

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستہ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا نظارہ بھی دیکھ
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلّم سے کیا
اُس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
قافلہ دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

ہر شخص اپنے گھر کو آباد دیکھنا پسند کرتا ہے اور اس کے تزخرُف اور تزئین کے لئے حسب استطاعت کوشش کرتا ہے۔ مگر گھر کے سلسلے میں نظریات اور آراء مختلف ہیں۔ عام لوگ تو دنیا والے گھر کو اصلی گھر سمجھتے ہیں اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ دنیا فانی ہے، دنیا کے گھر بھی فانی ہیں۔ یہاں کا گھر جتنا بھی خوبصورت ہو، مستحکم ہو ایک روز اسے چھوڑنا ہے اور اس سے رخصت ہونا ہے۔

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت
رفت منزل بدیگرے پرداخت

یعنی " دنیا میں ہر شخص نئی عمارت بناتا ہے لیکن پھر وہ دنیا سے چلا جاتا ہے اور عمارت کو دوسرے لوگوں کیلئے چھوڑ دیتا ہے "۔

یہ عوام الناس کا حال ہے۔ مگر بزرگوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین آخرت کو، جنّت کو اصلی گھر سمجھتے ہیں کیونکہ وہی دارِ امن و امان ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ ایک بزرگ کے پاس گیا۔ ان کے گھر میں دنیاوی ساز و سامان میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ کے گھر میں دنیا کا کوئی سامان نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا۔

لَنَا دَارَانِ: إِحْدَاهُمَا دَارُ أَمْنٍ وَالْأُخْرٰی دَارُ خَوْفٍ. فَمَا یَکُوْنُ لَنَا مِنَ الْأَمْوَالِ نَدَّخِرُهٗ فِیْ دَارِ الْأَمْنِ یَعْنِیْ نُقَدِّمُهٗ لِلدَّارِ الْآخِرَةِ.
یعنی ” ہمارے رہنے کی دو جگہیں ہیں۔ ایک دارِ امن ہے اور دوسرا دارِ خوف۔ چنانچہ ہم اپنے مال کو دارِ امن یعنی آخرت میں ذخیرہ کرتے ہیں “۔

میں نے عرض کیا کہ اس دنیاوی رہائشگاہ میں بھی تو کچھ سامان ہونا چاہئے۔فرمانے لگے۔ إِنَّ صَاحِبَ هٰذَا الْمَنْزِلِ لَا یَدَعُنَا فِیْهِ. یعنی ” اس مکان کا مالک ہمیں اس میں نہیں رہنے دیتا “۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

بعض بزرگوں کا ایک زرّین قول ہے، فرماتے ہیں۔
اَلدُّنْیَا عَارِیَةٌ أَوْ وَدِیْعَةٌ وَّلَا بُدَّ لِلْمُعِیْرِ أَنْ یَّرْجِعَ فِیْ عَارِیَتِهٖ وَلِلْمُوْدِعِ أَنْ یَّأْخُذَ وَدِیْعَتَهٗ. یعنی ” یہ دنیا اور دنیاوی زندگی عاریہ (مانگی ہوئی چیزیں) ہیں یا بطورِ امانت (ہمارے پاس) ہیں۔ اور عاریہ دینے والا اور امانت کا مالک کسی وقت بھی اپنی چیز واپس لے سکتا ہے “۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

وَمَا الْمَالُ وَالْأَهْلُوْنَ إِلَّا وَدِیْعَةٌ
وَلَا بُدَّ یَوْمًا أَنْ تُرَدَّ الْوَدَائِعُ

یعنی ” یہ مال اور اہل امانت ہیں۔ یہ امانتیں ضرور ایک دن واپس کرنی ہونگی “۔

مبارک ہیں وہ مسلمان جن کے دل محبتِ دنیا کی بجائے محبتِ اسلام و محبتِ عقبیٰ و محبتِ مسرّاتِ آخرت سے مخمور ہیں۔ مسرّاتِ آخرت کی سچی اور صحیح محبت کی برکت ہی سے ہر مسلمان رشد وہدایت اور حقیقی و دائمی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

قرآن شریف میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. یعنی "یہی متقین ربّ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

دِکھا وہ حُسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پُرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رُلواتا ہے شبنم کو
محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طُور ہوتا ہے





فصل (۹)

دوستو ! آج دنیاوی بازار آباد ہیں مگر روح و قلب کے بازاروں میں تباہی دکھائی دے رہی ہے۔ ہر آدمی کو روٹی کی فکر لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ اگر صحیح معنوں میں انسان خدا کا بندہ بن جائے تو روٹی اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں غیب سے پہنچائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آپ کو سابقہ حکایات سے معلوم ہوا کہ خدا مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ رزق کے حصول کیلئے انسان کو کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ رزقِ حلال کے حصول کیلئے محنت اور کوشش کرنا مسنون اور عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ بھی اس سے خوش ہوتے ہیں۔

بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انسان کا مقصود و مطلوبِ حقیقی عبادت ہے، ذکرُ اللہ ہے، رضائے خدا تعالیٰ ہے۔ اس لئے تحصیلِ رزق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔ احکامِ ربّانیہ کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے۔ یعنی حصولِ رزق کے دوران بھی یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم سے کوئی حکمِ خداوندی چھوٹنے نہ پائے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ساری دنیا آپ کی حامی سہی — ہر قدم پر میری ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا — کفر کی دنیا میں بدنامی سہی

سب سے بڑی ناکامی اور بدنامی یہ ہے کہ انسان اپنے ربّ و خالق سے اور اس کی عبادت سے اور ذکر و طاعت سے غافل ہو۔ مال و دولت کی تحصیل میں، تجارت میں اور دنیاوی ساز و سامان میں کامیابی اللہ و رسول کے نزدیک کامیابی نہیں ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ایسا شخص نہ دانا و عاقل کہلا سکتا ہے اور نہ کامیاب۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عاقل اور کامیاب وہ مرد اور عورت ہیں جن کے دل میں حُبِّ دین و حبُّ اللہ و حبُّ الرسول و حُبِّ عبادۃ اللہ و حُبِّ ذکر اللہ کابدر مستور رہو۔ ذکر اللہ اور عبادت سے بے بہرہ لوگ عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔ اسی طرح ذکر اللہ اور عبادۃ اللہ سے خالی مجلس بھی خطرناک ہے۔ ہمارے بزرگ ذکر اللہ سے خالی مجالس میں شریک ہونے اور بیٹھنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہمارے اسلافِ کرام بازار میں بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے کیونکہ بازار دنیاوی باتوں اور دنیاوی معاملات کا مرکز ہوتا ہے۔ وہاں عموماً ذکر اللہ نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے۔

ایک کتاب میں ایک بزرگ کا یہ واقعہ میری نظر سے گزرا۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بازار گیا۔ میرے ساتھ میری حبشیہ لونڈی بھی تھی جو کہ بڑی عابدہ و زاہدہ اور نیک تھی۔ میں نے اسے ایک جگہ بٹھایا اور کہا کہ مجھے ایک کام ہے، میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھنا، کہیں اِدھر اُدھر نہ جانا۔

میں جب کام سے فارغ ہو کر واپس آیا تو وہ لونڈی وہاں موجود نہ تھی۔ مجھے اس پر بڑا غصہ آیا۔ میں واپس اپنے گھر آ گیا۔ اتنے میں وہ بھی آ گئی اور کہنے لگی۔

إِنَّكَ أَجْلَسْتَنِي بَيْنَ قَوْمٍ لَّا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فَخَشِيْتُ أَنْ يَّنْزِلَ بِهِمْ خَسْفٌ وَّأَنَا مَعَهُمْ.

یعنی "آپ مجھے ایسے لوگوں میں بٹھا کر گئے جو ذکر اللہ نہیں کر رہے تھے۔ مجھے ڈر ہوا کہ ان پر عذابِ خسف (زمین میں دھنسنا) نازل ہو جائیگا اور میں بھی ان کے ساتھ ہونگی (اس لئے میں وہاں سے اٹھ کر کہیں اور چلی گئی)"۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ اس اُمّت پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے عذابِ خسف نازل نہیں ہو گا۔ وہ کہنے لگی۔

إِنْ رُفِعَ عَنْهُمْ خَسْفُ الْمَكَانِ فَمَا رُفِعَ عَنْهُمْ خَسْفُ الْقُلُوْبِ. يَا مَنْ خُسِفَ بِمَعْرِفَتِهٖ وَقَلْبِهٖ وَهُوَفِيْ غَفْلَةٍ بَادِرْ إِلٰى حِمْيَتِكَ وَدَوَائِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ وَفَنَائِكَ.

یعنی "اگر چہ خسفِ مکان (زمین میں دھنسنا) اٹھایا گیا ہے لیکن خسفِ قلوب تو نہیں اٹھایا گیا۔ اے برادر! تیرے قلب و معرفت قلبی پر عذاب نازل ہو چکا ہے اور تو غفلت میں ہے۔ لہٰذا موت سے قبل تو اپنا علاج کر"۔

پھر اس باندی نے وعظ و نصیحت کے یہ اشعار پڑھے۔

هَلُمُّوْا بِنَا نَذْرِي الدُّمُوْعَ تَأَسُّفًا

بَلَاءُ الْمَعَاصِيْ فَوْقَ كُلِّ بَلَاءٍ

لَعَلَّ إِلٰهِی أَنْ یَّمُنَّ بِجَمْعِنَا
فَقَدْ طَالَ فِیْ سِجْنِ الْفِرَاقِ عَنَائِیْ

فَیَا مُهْجَتِیْ لَا تَتْرُکِی الْحُزْنَ سَاعَةً
وَیَا مُقْلَتِیْ هٰذَا أَوَانُ بُکَائِیْ

(۱) یعنی " ہمیں یہیں ٹھہرادو، تاکہ ہم غم کے آنسو بہائیں۔ گناہوں کی مصیبت تمام مصائب سے سخت تر ہے۔

(۲) شاید اللہ تعالیٰ ہماری جماعت پر احسان فرمائیں۔ قیدِ فراق میں مدّت سے تکلیف اٹھارہی ہوں۔

(۳) اے میرے نفس! ایک ساعت بھی فکرِ آخرت ترک نہ کرنا۔ اور اے میری آنکھ! اب رونے کا وقت ہے "۔

شیخ ابو عامر واعظ رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے نیک اور صالح انسان گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ایک لونڈی، جو عارفہ باللہ اور نیک تھی، کو کہا کہ آیئے آج بازار چلتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے، اس کے لئے کچھ کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی چیزیں خریدیں گے۔ تو اس نے کہا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْأَشْهُرَ عِنْدِیْ شَهْرًا وَّاحِدًا وَّلَمْ یَجْعَلْ لِّیْ شُغْلًا بِالدُّنْیَا.

یعنی " الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے سارے مہینے میرے نزدیک ایک مہینہ کی طرح کردیئے اور مجھے دنیاوی امور میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھا "۔

شیخ ابو عامر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لونڈی صائم الدّہر، قائم اللیل

اور اولیاء اللہ میں سے تھی۔ ہر وقت ذکر اللہ اور عبادت میں مشغول رہتی تھی۔

جب عید قریب آئی تو میں نے اسے کہا کہ صبح سویرے بازار چلیں گے تاکہ عید کیلئے کچھ اشیاء خریدیں۔ اس نے کہا یَا مَوْلَائِیْ! مَا أَعْظَمَ شُغْلَكَ بِالدُّنْیَا۔ یعنی " اے میرے مالک ! آپ دنیاوی امور کا کتنا زیادہ شغل رکھتے ہیں "۔

پھر وہ اپنے عبادت خانہ میں جاکر نماز میں مصروف ہوگئی۔ نماز میں قراءت کے وقت جب اس آیت پر پہنچی وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ۔ سورۃ ابراہیم پ ۱۳۔ " اور پلایا جائیگا اسے یعنی دوزخی کو دوزخ میں پیپ کا پانی " تو بار بار یہی آیت پڑھتی رہی۔ حَتّٰی صَاحَتْ صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَارَقَتْ فِیْھَا الدُّنْیَا۔ یعنی " پڑھتے پڑھتے اس نے ایک چیخ ماری جس کے ساتھ وہ دنیا سے رخصت ہوگئی "۔

یہ پوری آیت اور اس سے اگلی آیت سُن لیں۔ مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ.

یعنی " اس کے پیچھے دوزخ ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائیگا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکے گا اور ہر طرف سے اسے موت آرہی ہوگی مگر وہ مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے مزید سخت عذاب ہوگا "۔

حدیث شریف میں ہے کہ فرشتے لوہے کا گرز سر پر مار کر زبردستی دوزخیوں کے منہ میں پیپ والا پانی ڈالیں گے۔ جس وقت وہ پیپ والا پانی منہ کے قریب کریں گے تو شدّتِ حرارت سے دماغ اور سر کی کھال اتر کر نیچے لٹک

جائے گی۔ وہ پیپ والا پانی منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنس جائیگا اور بڑی تکلیف و اذیت کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتاریں گے۔

اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے اور آخرت کی سختیوں اور مصائب سے ہمیں محفوظ فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

اس شخص کی زندگی بڑی قابلِ رشک ہے جو حرام رزق اور حرام کاموں سے محفوظ ہو اور ذکر اللہ و عبادت کی اسے توفیق ملی ہو۔ ایک شاعر دنیاوی سازو سامان سے اجتناب کے بارے میں کہتا ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
تنہا نظر آتا ہوں سو بے یار نہیں ہوں
مظلوم ہوں، مجبور ہوں، جبّار نہیں ہوں

ابو بکر بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا ایک رومی نو مسلم دوست تھا۔ ایک بار میں نے اس سے اسلام لانے کا سبب پوچھا۔ اُس نے بتانے سے انکار کیا۔ میں نے اصرار کیا اور کہا کہ تمہیں ضرور بتانا ہو گا۔

تو اس نے بتایا کہ اسلام لانے سے قبل ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج نے ہمارا محاصرہ کیا۔ ہم نے محاصرے میں سے نکل کر ان سے لڑائی کی جس کے نتیجے میں طرفین سے متعدد افراد قتل ہوئے اور کئی آدمی قیدی بنائے گئے۔ ہم نے دس مسلمانوں کو گرفتار کیا۔ میں روم کے عیسائیوں میں اونچے مرتبے والا شخص شمار ہوتا تھا۔ میں نے مسلمان قیدیوں کو اپنے نوکروں کے سپرد کیا تا کہ وہ

ان کی نگرانی کریں۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک نوکر نے ایک مسلمان قیدی سے کوئی چیز لیکر اسے کچھ دیر کیلئے آزاد کیا۔ مسلمان قیدی نے نماز ادا کی ۔ میں نے اس نوکر کو مارا اور پوچھا کہ تو نے اس مسلمان قیدی سے کیا لیا تھا۔

نوکر نے کہا کہ یہ مسلمان ہر نماز کے وقت مجھے ایک دینار دیتا ہے اور میں اسے نماز پڑھنے کیلئے کھول دیتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس مسلمان کے پاس کوئی مال ہے؟ نوکر نے کہا کہ اس کے پاس مال تو نہیں، البتہ نماز سے فراغت کے بعد یہ مسلمان اپنے ہاتھ زمین پر مارتا ہے اور ایک دینار زمین سے اٹھا کر مجھے دے دیتا ہے۔

نو مسلم رومی دوست کہنے لگا کہ میں نے بھی اس مسلمان کو آزمانا چاہا۔ چنانچہ دوسرے دن میں نے اس نوکر کا لباس پہنا اور نوکر سے کہا کہ آج تمہاری ڈیوٹی میں خود دونگا۔ جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا۔

أَوْمَأَ إِلَيَّ أَنَّهُ يُرِيْدُ الصَّلَاةَ وَيَدْفَعُ الدِّيْنَارَ إِلَيَّ فَقُلْتُ : لَا آخُذُ إِلَّا دِيْنَارَيْنِ فَقَالَ: نَعَمْ.

یعنی " اس نے اشارہ کیا کہ میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں اور ایک دینار تمہیں دونگا۔ میں نے کہا نہیں، میں دو دینار لونگا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں تمہیں دو دینار دے دونگا "۔

میں نے اسے نماز کیلئے کھولا۔ اس نے نماز پڑھی۔ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ رَأَيْتُهُ وَقَدْ ضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ وَدَفَعَ إِلَيَّ دِيْنَارَيْنِ جَدِيْدَيْنِ.

یعنی " جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور مجھے دو نئے

دینار زمین سے اٹھا کر دید یئے "۔

عصر کے وقت پھر اس نے حسبِ عادت اشارہ کیا۔ میں نے اشارے سے اسے بتایا کہ پانچ دینار لونگا۔ چنانچہ اس نے نماز ادا کرنے کے بعد پانچ دینار دید یئے۔

مغرب کی نماز کے وقت میں نے کہا کہ دس دینار لونگا۔ اس نے دس دینار دید یئے۔

عشاء کی نماز کے وقت میں نے کہا کہ بیس دینار لونگا۔ اس نے مان لیا اور نماز کے بعد ہاتھ زمین پر مار کر بیس دینار اٹھا کر مجھے دید یئے۔

پھر اس نے کہا اُطْلُبْ مَا شِئْتَ. فَإِنَّ سَيِّدِیْ غَنِیٌّ كَرِيْمٌ لَّا يَبْخَلُ عَلَیَّ بِمَا أَسْأَلُهُ فِيْهِ. یعنی " (مجھے کہا کہ) جو جی میں آئے مانگ۔ میرا مولا غنی و سخی ہے، میرے سوال پر وہ مجھے دینے میں بخل نہیں کرتا "۔

پھر نو مسلم رومی دوست کہنے لگا کہ میں رات کو سو گیا اور میرا دل اس مسلمان قیدی سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی ولی اللہ ہیں۔ میرے دل میں ان کی محبت وعظمت پیدا ہو گئی۔

صبح میں نے اس مسلمان بزرگ کی بیڑیاں کھول دیں اور انتہائی احترام و اکرام کے ساتھ انہیں کپڑے پہنائے اور انہیں اس بات کا اختیار دیا کہ چاہیں تو وہ میرے پاس نہایت عزت سے رہیں اور اگر چاہیں تو واپس اپنے ملک چلے جائیں۔

انہوں نے کہا کہ میں واپس اپنے ملک جانا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں پہنچانے کیلئے ایک خچر کا انتظام کیا۔ میں نے خود انہیں خچر پر سوار بھی کیا۔ جب

زادِراہ دیکر انہیں رخصت کرنے لگا۔

تو انہوں نے میرے لئے یہ دعا فرمائی۔ تَوَفَّاكَ اللّٰهُ عَلٰى أَحَبِّ الْأَدْيَانِ إِلَيْهِ. فَوَاللّٰهِ مَا اسْتَتَمَّ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ حَتّٰى وَقَعَ دِيْنُ الْإِسْلَامِ فِيْ قَلْبِيْ۔ یعنی ”اللہ تعالیٰ تمہیں اس دین پر موت دے جو دین اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ (نو مسلم رومی نے کہا کہ) اللہ کی قسم اس مسلمان بزرگ کی یہ دعا ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی“۔

پھر میں نے اپنے غلاموں میں سے دس معتمد غلام ان کے ساتھ بھیجے اور ان کی حفاظت و آرام کی تاکید کی۔

میں نے اس بزرگ کو دوات اور کاغذ بھی دیا اور ان کے اور اپنے مابین تعارف کی ایک پوشیدہ علامت طے کی کہ خط میں اس علامت کا حوالہ دینا تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ یہ خط واقعی آپ نے بھیجا ہے اور آپ بخیریت و عافیت گھر پہنچ گئے ہیں۔ میں نے انہیں تاکید کی کہ آپ نے گھر پہنچتے ہی میری طرف خط لکھنا ہے۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے۔ نو مسلم رومی نے کہا کہ ہمارے شہر اور ان کے شہر کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی اس لئے آنے جانے پر دس دن لگتے تھے، لیکن چھٹے دن میرے غلام واپس آ گئے اور ان کے پاس اس بزرگ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط بھی تھا۔ خط میں وہی پوشیدہ علامت مندرج تھی۔

میں نے اپنے غلاموں سے جلدی واپس آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔

لَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ وَهُوَ مَعَنَا وَصَلْنَا فِيْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْ غَيْرِ تَعَبٍ وَّلَا نَصَبٍ وَّأَقَمْنَا فِي الْمَجِيْءِ خَمْسَةَ أَيَّامٍ بِالْجُهْدِ وَالتَّعَبِ.

یعنی ”جس وقت ہم آپ سے رخصت ہوئے اور وہ بزرگ ہمارے ساتھ تھے تو ہم ایک ہی ساعت میں بغیر تھکان و تکلیف کے منزل مقصود پر پہنچ گئے، البتہ واپسی پر مسلسل پانچ دن کا سفر کر کے بڑی تکلیف و تھکاوٹ کے ساتھ ہم پہنچے“۔

نومسلم رومی کہنے لگا کہ میں نے یہ بات سن کر اسی وقت پڑھا أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّ دِيْنَ الْإِسْلَامِ حَقٌّ.

یعنی ”میں نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کیا اور اس بات پر یقین کیا کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے“۔

بعدہٗ اسلامی احکام و آداب کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کیلئے میں بلادِ روم سے بلادِ اسلام آ گیا اور یہ اللہ عزّ وجلّ کا خاص انعام و احسان ہے۔

اب میرا حال یہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان قیدی کی برکت سے مجھے اسلام و ایمان جیسی عظیم دولت سے سرفراز فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دین اسلام کے احکام سمجھنے کی توفیق بخشی۔ نماز کی، روزوں کی، ذکرُ اللہ کی اور دیگر انواعِ عبادت کی توفیق نصیب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے ظلمتِ کفر سے نکال کر توحید و نورِ توحید سے میرا سینہ اور میری زندگی منوّر فرمائی۔

دوستو اور بزرگو! سچے مسلمانوں کا حال اور ان کے ساتھ ان کے ربّ کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

یہ درہم و دینار، سیم و زر اور مال و متاع کیا چیزیں ہیں۔ یہ محض فریب اور دھوکہ ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ مقصودِ اصلی دین ہے، ایمان ہے،

عبادت ہے، ذکرُ اللہ ہے، نہ کہ دنیا، نہ کہ درہم ودینار، نہ کہ دنیاوی مال ومتاع۔

افسوس صد افسوس ...... آج مسلمان دولت کے پیچھے ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ خدا تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ضروری اور واجبی احکام وفرائض بھی بجا نہیں لاتے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جہاں میں کہیں شور و ماتم بپا ہے — کہیں فقر و فاقہ میں آہ و بکا ہے
کہیں شکوۂ جور و مکر و دغا ہے — غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
یہ دنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو — ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو — سمجھ لینا اب چاہئے خوب تجھ کو
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

بھائیو ! آپ نے یہ حیرت انگیز، سبق آموز اور ایمان افروز قصہ سنا۔ اس قصے سے یہ نہ سمجھنا کہ زمین سے درہم ودنانیر یعنی روپیہ پیسہ اٹھانا کسی انسان کے اختیار میں ہے، یہ مطلب ہر گز نہیں۔

دراصل مذکورہ صدر قصے میں خارقِ عادت (خلافِ عادت) یعنی کرامت کا ذکر ہے جو اس قیدی ولی اللہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی۔ اس کرامت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ رومی کافروں کو مسلمانوں کی عظمت، مقبولیت اور محبوبیت عند اللہ دکھانا چاہتے تھے۔

کسی ولی کی کرامت اس ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ

چاہیں اپنے کسی محبوب بندے کے ہاتھ پر کرامت دکھادیں اور جب وہ نہ چاہیں تو کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی کرامت دکھائے۔

شاید اللہ تعالیٰ نے اس رومی سردار کو دولتِ اسلام سے نوازنے کیلئے اس مسلمان قیدی کے ہاتھ پر بار بار یہ کرامت دکھائی۔ کرامت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ کرامت ہر مسلمان کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوسکتی۔ کرامت صرف اہل اللہ اور خاص اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوسکتی ہے اور وہ بھی ہر وقت نہیں بلکہ اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں۔

بہر حال جب مسلمان پوری طرح اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں۔

زمانۂ حال کے مسلمانوں کی حالت تو نہایت خراب ہے۔ ان میں معاصی اور شرارتوں کی بہتات ہے۔ ہر طرف ظلم وستم کا چرچا ہے۔ برائے نام مؤمن ومسلمان بہت ہیں لیکن کامل اخلاق والے مؤمن، پورے احکام اسلامیہ پر عمل کرنے والے مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے۔

چمن میں رختِ گُل شبنم سے تر ہے — سمن ہے سبزہ ہے بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہوسکتا نہیں گرم — یہاں کا لالہ بے سوز وجگر ہے
نہ مؤمن ہے نہ مؤمن کی امیری — رہا صوفی، گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب ونظر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کے اتباع کی توفیق بخشیں، حرام مال

سے بچائیں اور حلال مال پر قناعت کرنے اور رزق کے معاملے میں اللہ عزّوجلّ اپنی ذات پر توکُّل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

توکُّل علی اللہ ایک عظیم سعادت ہے۔ متوکِّل کو اللہ تعالیٰ غیب سے رزق پہنچاتے ہیں اور ایسے طریقوں اور ان جگہوں سے رزق دیتے ہیں جہاں انسان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے فقر و فاقہ کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد اور رزق مانگنا چاہئے۔

رزق کے معاملے میں مخلوق پر صرف اسباب کی حد تک اعتماد شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ عالمِ اسباب میں اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کا وجود ظاہری اسباب پر قائم فرمایا ہے۔ لیکن ان اسباب کو اصل مؤثر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اصل مؤثر صرف اللہ عزّوجلّ ہیں نہ کہ اسبابِ ظاہریّہ۔ اسباب کو حقیقی موجِد و مؤثر سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے توجہ ہٹا کر ان اسباب پر بھروسہ اور اعتماد کرنا نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ (سورۃ طلاق، پ ۲۸)

" اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے مضرّتوں سے نجات کی کوئی شکل نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکُّل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاحِ مہمّات کیلئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہیں پورا کر کے رہتے ہیں۔ اللہ جلّ جلالہ نے ہر شے کا ایک اندازہ اپنے علم میں مقرر کر

رکھا ہے ''۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کی ہے تو رزق کے ضامن ہونے کا اعلان بھی فرمایا ہے۔قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ۔ یعنی '' اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والے اور بڑی قوّت والے ہیں ''۔

بزرگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات عجیب ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ عزّوجلّ ان کی ہر خواہش اور آرزو پوری فرمادیتے ہیں۔ لیکن دیگر لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

بزرگوں کے واقعات پڑھنے کا اور کتابِ ہذا میں ان کے لکھنے اور اندراج کا مطلب صرف ایمان بڑھانا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے مشاہدہ اور وعدۂ رازِقیّت کے بارے میں کچھ تسلی حاصل کرنا ہے۔ ان واقعات کے کتابِ ہذا میں اندراج کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے ہیں اور ہر شخص کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اس قسم کی کرامات ظاہر فرمائیں گے۔

توکُّل علی اللہ کے سلسلے میں ایک اور حکایت سن لیں۔

حُكِيَ أَنَّهٗ جَاعَ رَجُلٌ فِيْ صَحْرَاءَ فَقَالَ : يَا رَبِّ ! أَيْنَ رِزْقُكَ الَّذِيْ وَعَدْتَّنِيْ بِهٖ؟ فَرَزَقَهُ اللّٰهُ الشِّبَعَ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبْ.

یعنی '' حکایت ہے کہ ایک شخص کو صحرا میں سخت بھوک لگی تو اس نے کہا اے ربّ ! وہ رزق کہاں ہے جس کا آپ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس جگہ سے رزق پہنچایا جہاں اس کا گمان بھی نہیں تھا ''۔

اس حکایت میں مذکور شخص کوئی ولی اللہ تھے۔ اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ

عزّوجلّ کے معاملات خصوصاً رزق کے بارے میں بڑے عجیب و ایمان افروز ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ غیب سے رزق پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا توکّل علی اللہ نہایت مستحکم ہوتا ہے۔ عوام کا توکّل علی اللہ چونکہ ضعیف ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ عموماً انہیں رزق ظاہری اسباب ہی کے تحت پہنچاتے ہیں نہ کہ غیبی ذرائع سے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ (سورۃ العنکبوت)

"پس تم رزق اللہ تعالیٰ کے پاس تلاش کرو (یعنی اسی سے مانگو) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو۔ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

نیز قرآن پاک میں ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ (سورۃ الروم)

یعنی "اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق دیا۔ پھر تمہیں موت دیگا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے"۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح تخلیق اور موت و حیات اللہ جلّ جلالہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس بات میں کوئی ذرہ برابر بھی شک نہیں کرسکتا۔ اسی طرح رزق بھی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں بھی کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ ایک حدیث شریف ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

مَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ. وَمَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ.

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ جو شخص مفلس ہوا اور اس نے اپنا افلاس لوگوں کے سامنے رکھا (یعنی ان پر اعتماد کیا) سو اس کا افلاس کبھی بھی ختم نہیں ہو گا۔ اور جو شخص مفلس ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے اسے دفع کرنا چاہا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے رزقِ عاجل (یعنی جلدی سے) یا رزقِ آجل (یعنی دیر سے) نصیب فرمادینگے"۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

مسکین حریص در ہمہ عالم ہمے رود
او در قفائے رزق و اجل در قفائے او

یعنی "حرص والا انسان مسکین سارے عالم میں غفلت سے گھومتا ہے۔ وہ رزق کے پیچھے لگا رہتا ہے اور موت اس کے پیچھے لگی رہتی ہے"۔

پس جن لوگوں کے دل آخرت کی فکر اور شوق سے معمور ہیں وہی آزاد ہیں اور آزاد رہیں گے، نیز وہی مطمئن اور خوشحال رہیں گے دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی۔ دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے دلوں کو اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ہر دل کہ بہ دامِ غمِ او شاد بود — از ہر دو جہاں فارغ و آزاد بود
دیدم ہمہ جا صورتِ معنیٰ است یکے — ایں آئینہ ہر جاست، خدا داد بود

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو وہ دل نصیب فرمائے جس میں صرف عقبیٰ آباد کرنے کا سوز اور شوق ہو اور دنیاوی چیزوں کے شوق سے خالی ہو۔ کیونکہ یہی آزادی ہے اور یہی خوشحالی و اطمینان ہے۔ آخرت کی فکر، عبادۃ اللہ کی محبت اور ذکر اللہ کی تڑپ بڑی سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین۔ مذکورہ صدر اشعار کا منظوم ترجمہ یہ ہے۔

جو دل کہ غمِ یار سے رہتا ہے شاد
ہے دونوں جہاں کے رنج و غم سے آزاد
ہر سُو ہے مگر ایک ہی رنگِ معنی
آئینۂ دل ہے کس صفا سے آباد

اللہ عزّ وجلّ ہمیں غفلت اور حرصِ دنیا سے بچائیں اور آخرت کی فکر و شوق سے ہمارے دلوں کو معمور فرما کر ظاہری و باطنی عافیت اور دنیوی و اُخروی سلامتی سے ہمکنار فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۱۰)

برادرانِ اسلام ! اللہ تعالیٰ کے دربارِ جلال و جمال میں اکرام واحترام کے لائق وہ لوگ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہوں۔ متقی کی بڑی علامت اور بڑا وصف یہ ہے کہ اس کا دل حُبِّ دنیا سے خالی ہو یا اس میں حُبِّ دنیا نہایت کم اور مغلوب ہو اور حُبِّ آخرت وحُبِّ عبادت وذکر اللہ غالب ہو۔

قرآن مجید کی آیت ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ یعنی " اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے اکرام و احترام والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو "۔

پس اہل اللہ اور اہلِ تقویٰ کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار و مخمور ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں محبتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام و اتباعِ اسوۂ نبوی کے شوق کا بدر مستور ہوتا ہے اور ان کا باطن حبِّ دنیا کی بجائے عبادت و ذکر اللہ کے اشتیاق اور سوز و گداز سے لبریز اور معمور ہوتا ہے۔

دنیا کی رنگینی اور کائناتِ رنگ و بُو کی فانی زینت اور چمک انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔ اہل اللہ و اہلِ تقویٰ کے برخلاف اہلِ دنیا کی نگاہیں آخرت کی بجائے دنیاوی رنگ و بُو میں الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اِن اہلِ دنیا کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے۔

نگاہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صُبحگاہی اَماں شاید ملے اللہ ہُو میں

اہل دنیا کے بالمقابل اہل اللہ و اہلِ حق کا حال یہ ہوتا ہے جو ایک اور شاعر نے بیان کیا ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

اہلِ حق کا یہ یقین اور یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اصل زندگی اور حقیقی حیات آخرت کی زندگی ہے نہ کہ دنیاوی زندگی۔ اور پائیدار اور حقیقی خوشی دراصل اُخروی خوشی ہے نہ کہ دُنیاوی خوشی جو کہ فانی ہے۔

زندگی نام ہے دنیا سے گزر جانے کا
اور حیاتِ اَبدی نام ہے مر جانے کا

اہلِ تقویٰ و اہلِ حق کی تعریف و ثنا میں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (النور آیت ۳۷، ۳۸)

یعنی ”صالحین وہ لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ

دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی)۔ تاکہ خدا ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے، اور خدا جس کو چاہتا ہے بیشمار رزق دیتا ہے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اہلِ حق کو اخروی تجارت اور ربّانی خرید و فروخت کی طرف متوجّہ کرتے ہوئے اور ترغیب دیتے ہوئے اور اُخروی تجارت کو بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝ (الصّف آیت ۱۰ - ۱۳)

یعنی "اے مؤمنو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ (وہ یہ کہ) تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے۔ (ان اعمال کی برکت سے) وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو جنت کے باغوں میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو جاودانی بہشت میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) خدا کی طرف سے مدد (نصیب ہو گی) اور فتح (عن) قریب ہو گی اور مؤمنوں کو اس کی خوشخبری سنادو"۔

صاحبو! ہماری زندگی کا مقصود دین و مذہب ہے، تقویٰ ہے، ذکر اللہ ہے، عبادت ہے، نہ کہ دنیا، نہ کہ مال و دولت۔ اس لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نیک لوگوں کے بیان میں اور ان کی ثناو مدح میں لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔ یعنی "تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی"۔

افسوس...... کہ اس زمانہ میں اکثر مسلمانوں نے تجارت کو اور تحصیلِ دنیا کو مقصودِ اصلی بنالیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محبتوں کے رشتے کمزور ہو گئے اور جھگڑوں اور فتنوں کا طوفان برپا ہو گیا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل
افسوس ہے انہیں کہ ہزاروں گلے ہوئے

مگر آجکل اکثر مسلمانوں کے خصوصاً یورپ زدہ نو تعلیم یافتہ لوگوں کے شب و روز، حرکات و سکنات، افعال و کردار اور اقوال و اعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا ہی انہیں محبوب ہے اور دنیا ہی ان کا مقصود ہے۔ مذہب کو یہ لوگ محض اس لئے اختیار کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ سے مصالحِ دنیا محفوظ رہیں۔ باقی دین کو

دینی حیثیت سے اختیار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو دینی امور کو از خود اختیار کرتے اور انہی کو پسند کرتے۔ دوسری قوموں یعنی دیگر لوگوں اور یورپی اقوام کی تقلید نہ کرتے اور ان کی طرف نہ دیکھتے۔

بس ان لوگوں کی بڑی غلطی یہ ہے کہ یہ دنیا کو اصل مقصود اور دین کو تابع قرار دیتے ہیں، حالانکہ آیت " لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ " کے اسلوب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود نہیں بلکہ دین ہی اصل مقصود ہے۔

اگر دنیا مقصود ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے لَا يُلْهِيهِمْ ذِكْرُ اللّٰهِ عَنِ التِّجَارَةِ۔ یعنی " ذکر اللہ کی مشغولیت ان کو تجارت سے غافل نہیں کرتی "لیکن اللہ تعالیٰ یوں فرمارہے ہیں کہ تجارت اور بیع اُن کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود اصلی دین ہی ہے۔

یہ مسئلہ تو مسلمانوں کے نزدیک بالکل بدیہی بلکہ حسّی ہے کہ اگر دین مقصود نہ ہوتا تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے دنیا کمانے کے طریقے نہیں بتلائے بلکہ صرف احکامِ اسلامیہ اور امورِ اخرویّہ بتلائے ہیں۔ اور امورِ دنیویّہ میں ایسی اصلاح کی کہ وہ موجبِ غضبِ خدا تعالیٰ نہ رہے۔ یعنی حلال وحرام، جائز وممنوع کی تمیز کردی۔

چونکہ یہ مسلّم عقلی مسئلہ ہے کہ فعل کا اثر قول سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے میں پوچھتا ہوں کہ اگر دنیا مقصود تھی تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کو اس کا نمونہ کیوں نہیں بنایا۔ وہ اس طرح کہ آپ کا کوئی کارخانہ ہوتا بلکہ بہت بڑا

کارخانہ ہوتا تاکہ جس طرح حضور ﷺ دین میں بے مثل نمونہ بنے دنیا میں بھی اسی طرح نمونہ بنتے۔

مگر قرآن واحادیث مبارکہ دیکھ لیجئے کہ آپ کس چیز کا نمونہ تھے۔ قرآن و احادیث سے واضح طور پر اور بکثرت یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا متاعِ فانی ہے، حیاتِ دنیوی بھی فانی ہے، مسرّاتِ دنیا وراحاتِ دنیا بھی فانی ہیں۔ اور فانی چیز عقلاء اور دانشوروں کے نزدیک مقصد اعلیٰ ومطلب اعظم نہیں بن سکتی۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان فانی چیزوں میں نمونہ نہ تھے بلکہ دین میں اور اُخروی امور میں نمونہ تھے۔

یہاں ایک واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کو اور دینی امور کو مقصود بنایا تھا نہ کہ دنیا کو اور دنیاوی نعمتوں اور آسائشوں کو۔ وہ واقعہ کتبِ حدیث میں موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب تادیباً اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی ایک مہینہ کیلئے قسم کھالی تھی اور مشہور یہ ہوگیا تھا کہ حضور ﷺ نے سب ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے اور اس پر سب لوگ رو رہے تھے۔ اُس حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی مگر اجازت نہ ملی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا کہ شاید نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کرنے آئے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو ان کی سفارش ماننی پڑیگی۔ اس لئے اجازت نہ ملی۔

اسی خیال کے پیش نظر عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر عرض کیا کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی

سفارش کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اگر حضور فرمائیں تو میں حفصہ کا سر اتار لاؤں۔ میں صرف واقعہ معلوم کرنے آیا ہوں۔

حضور ﷺ نے ان کو آنے کی اجازت دے دی۔ وہ حاضر ہوئے۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد جب عمر رضی اللہ عنہ کی نظر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمرے اور دولت خانہ کی ہیئت پر پڑی تو دیکھا کہ گدے میں کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے ہیں اور کچھ چمڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ بس یہ کائنات تھی ہمارے نبی ﷺ کی۔ نہ بکس نہ الماری نہ میز نہ کرسی نہ بنگلہ نہ کوٹھی اور نہ زینت کا کوئی ساز و سامان۔

اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ قیصر و کسریٰ خدا تعالیٰ کے دشمن جو صلیب پرست اور آتش پرست ہیں ان کے پاس تو وہ ساز و سامان ہے جو حساب سے باہر ہے اور آپ کی یہ حالت۔ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ دنیا کی وسعت فرمائیں۔

دیکھئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دنیا کی وُسعت فرمادیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضور ﷺ اٹھ بیٹھے اور فرمایا أَفِي شَكٍّ أَنْتَ يَا عُمَرُ ! "اے عمر ! کیا تم شک ہی میں ہو"۔ نیز فرمایا کہ ان لوگوں کو جو ملنا تھا سب کچھ دنیا میں مل گیا ہے آخرت میں ان کیلئے کچھ نہیں۔ اور ہمارے لئے آخرت کی راحت اور آخرت کی مسرّت ہے۔

اس حدیث شریف کے عربی الفاظ یہ ہیں۔ قَالَ : فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَمَا رَأَيْتُ فِي الْبَيْتِ إِلَّا أُهُبَةً ثَلَاثَةً. فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يُّوَسِّعَ عَلٰى أُمَّتِكَ فَقَدْ وَسَّعَ عَلٰى فَارِسَ وَالرُّوْمِ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَهٗ.

فَاسْتَوٰی جَالِسًا فَقَالَ: أَفِيْ شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ. أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. ترمذی ج ۲ ص ۱۸۹۔

یعنی ”عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پس مجھے کمرے میں صرف تین چمڑے لٹکے ہوئے نظر آئے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امّت پر دنیا فراخ فرمائیں۔ کیونکہ اللہ عزّوجلّ نے اہلِ فارس و اہلِ روم پر دنیا فراخ فرمائی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا۔ اے عمر! کیا آخرت میں مسلمانوں کے لئے حصولِ راحت و وسعتِ رزق میں تمہیں کچھ شک ہے؟ یعنی شک نہیں کرنا چاہئے۔ کفار یعنی اہلِ فارس و اہل روم کو عجلت سے دنیا میں وسعتِ رزق اور لذّتیں دے دی گئیں۔ آخرت میں وہ ان سے محروم ہونگے“۔

اس سے قبل اس طویل حدیث کے ایک اہم حصے کی عربی عبارت یہ ہے۔ قَالَ: فَدَخَلْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ مُتَّكِئٌ عَلٰى رَمْلِ حَصِيْرٍ فَرَأَيْتُ أَثَرَهُ فِيْ جَنْبَيْهِ. فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَطَلَّقْتَ نِسَائَكَ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ.

یعنی ”عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اجازت مل جانے کے بعد میں جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کمرے کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجوروں کے پتوں کی چٹائی پر تکیہ لگائے ہوئے لیٹے ہیں۔ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن مبارک پر چٹائی کے پڑے ہوئے نشانات دیکھے، کیونکہ زیادہ افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف دھوتی اور چادر باندھے ہوئے تھے۔ بدن

مبارک پر قمیص نہ تھی۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے خوشی سے کہا اللہ اکبر"۔

یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اور یہ ہے ان کا طریقۂ زندگی اور ان کا حالِ معاشرت۔ اس مبارک حدیث سے واضح ہوا کہ دنیا انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی مقصود نہیں تھی۔ تمام مؤمنوں کو اور اپنے متبعین کو وہ یہی تعلیم دیتے تھے۔

منکرینِ حدیث اور بعض کمزور ایمان والے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث مولویوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی سینکڑوں حدیثیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان سب کے مضمون کا حاصل یہی ہے کہ دنیا مقصودِ اصلی نہیں ہے۔

نیز اگر حدیث پر اعتماد نہیں تو تاریخ اور کتبِ تاریخ دیکھ لیں۔ تاریخ کو تو یہ لوگ بھی مانتے ہیں۔ تاریخ تو منکرین کے خیال میں گھڑی ہوئی نہیں ہے۔ تاریخ ہی کو دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کے ہاں دنیا کم تھی یا زیادہ؟

پس احادیث میں بھی ہے اور تاریخ میں بھی یہ درج ہے کہ دنیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں بہت کم تھی۔ کئی کئی دن فاقہ سے رہتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ حالت یہ ہوتی تھی کہ بعض دفعہ آپ کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہوتے اور پوچھنے پر آپ کے سارے گھروں سے یہ جواب آتا کہ گھر میں پانی کے علاوہ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں۔

کیا اس قسم کے واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صرف تبلیغِ دین و اشاعتِ دین کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن پاک ہی کو دیکھ لیجئے۔ دین کے ساتھ کہیں بھی دنیا کا مطلوبیّت اور مقصودیّت کے ساتھ نام نہیں لیا گیا۔ جس

جگہ بھی ذکر ہے دین ہی کا بالذات امر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ بھی آپ کو ایسی نہ ملے گی جہاں بالذات دنیا کی رغبت دلائی گئی ہو۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ مقصودِ اصلی دین ہے نہ کہ دنیا۔ باقی رہی یہ بات کہ دنیا حاصل کرنا درست ہے یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز۔ بالفاظ دیگر کسبِ دنیا اور کسبِ مال شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

تو اس سوال کا جواب ازروئے شریعتِ اسلامیّہ یہ ہے کہ کسبِ مالِ حلال شرعاً جائز ہے بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ اسلام کسبِ مالِ حلال سے منع نہیں کرتا۔ حدیث شریف ہے كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ۔ یعنی "کسبِ حلال فرض ہے"۔

ہاں اسلام حبِّ دنیا سے منع کرتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ یعنی "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے"۔

جامع ترمذی شریف میں ہے عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ. وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَّا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُوْنَ فِيْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ. هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ. ترمذی ج ۲ ص ۶۹.

یعنی "ابوذر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ زاہد ہونے اور دنیا میں رغبت نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ حلال کو حرام ٹھہرایا جائے اور مال ضائع کیا جائے بلکہ دنیا میں زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اخروی اجر و ثواب پر اعتماد اور بھروسہ زیادہ ہو بمقابلہ اُن امور (مال و دولت) کے

جو دنیاوی ہیں اور تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اور یہ کہ پہنچی ہوئی مصیبت کے اُخروی ثواب کے پیش نظر یہ خواہش ہو کہ یہ مصیبت دائم رہے تاکہ ثواب حاصل ہوتا رہے"۔

برادران کرام! اس زمانے میں مسلمان بڑی غفلت کا شکار ہیں۔ اخروی زندگی کی مسرّات اور اُخروی اجر وثواب کے حصول کا انہیں شوق نہیں ہے۔ شب و روز دنیوی مسرّات و خواہشات کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ اس طرح وہ اس قیمتی زندگی کو بے فائدہ و فانی امور میں ضائع کر رہے ہیں۔ موت کے وقت ان کی یہ غفلت زائل ہو جائیگی۔ اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر انہیں یہ یقین ہو جائیگا کہ نہ مسرّاتِ دنیا باقی ہیں اور نہ دنیوی بزم و بہار باقی ہیں اور نہ دلکش رنگِ لیل و نہار باقی ہے۔ وہ مجسّمِ حسرت و ندامت بنے ہوئے باچشم خوں فشاں گریاں ہونگے۔ مگر بے وقت ندامت وحسرت سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

اس قسم کی حالتِ ملال وحسرت اور حزن و ندامت کے بارے میں چند رقّت انگیز اور رُلانے والے اشعار سن لیں۔

مری چشم کیوں نہ ہو خوں فشاں، نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرزِ گردشِ چرخ ہے، نہ وہ رنگِ لیل و نہار ہے
غم و یاس وحسرت و بے کسی کی ہوا کچھ ایسی ہی چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے، نہ طبیعتوں میں اُبھار ہے
جہاں کل تھا غلغلۂ طرب، وہاں ہائے آج ہے یہ غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اِک شکستہ مزار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستمِ فلک کہوں کس سے اس کو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد، نہ مرے غموں کا شمار ہے
مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا، مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہیدِ عشق کی ہے لحد، پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے
میں سمجھ گیا وہ ہیں بے وفا مگر ان کی راہ میں ہوں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں غبار ہے

صاحبو! انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیم و تربیت حبِّ دنیا سے روکتی ہے نہ کہ کسبِ دنیا سے۔ کسبِ دنیا اور چیز ہے اور حبِّ دنیا اور چیز۔ دونوں کا حکمِ شرعی الگ الگ ہے۔ کسبِ دنیا جائز ہے اور بعض مواقع پر واجب اور فرض بھی ہے جبکہ حبِّ دنیا شرعاً ممنوع و حرام ہے۔

ان دونوں میں باہم تلازم نہیں۔ نہ کسبِ دنیا کے لئے حبِّ دنیا لازم ہے اور نہ حبِّ دنیا کیلئے کسبِ دنیا لازم۔ کیونکہ کسبِ دنیا یوں بھی ممکن ہے کہ معاش اور رزق و مال حاصل کرے مگر ان کے ساتھ شغف اور محبت نہ ہو۔

اسی طرح حبِّ دنیا یوں بھی ہو سکتی ہے کہ کچھ کمائے بھی نہیں مگر اس کے ساتھ شغف و محبت ہو۔ مثلاً کوئی شخص دنیا تو نہیں کماتا مگر دین سے بھی غافل ہے تو اس کو حبِّ دنیا حاصل ہے اور کسبِ دنیا حاصل نہیں کیونکہ دین سے غافل ہونا ہی حبِّ دنیا ہے۔

بعض جگہ یہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں یعنی کسبِ دنیا بھی ہو اور حبِّ دنیا بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے۔

اور بعض جگہ دونوں موجود نہیں ہوتیں یعنی دونوں معدوم ہوتی ہیں۔ نہ کسبِ دنیا ہے اور نہ حبِّ دنیا۔ مثلاً ایک شخص کسبِ دنیا نہیں کرتا اور دین سے غافل بھی نہیں۔

غرض حبِّ دنیا و کسبِ دنیا متلازم نہیں۔ بعض لوگ محبِّ دنیا ہیں، کاسبِ دنیا نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی کاسبِ دنیا ہو اور محبِّ دنیا نہ ہو۔

سو علماء حبِّ دنیا سے روکتے ہیں۔ باقی رہا کسبِ دنیا تو وہ خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے۔

آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے کی رُو سے تجارت فرضِ کفایہ ہے۔ اسی طرح زراعت بھی فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ زندگی موقوف ہے ان چیزوں پر۔ اور ضروریات معاش کی تحصیل فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ وہ ہوتا ہے کہ بعض کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے وہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس لئے یہ خیال بالکل ہی غلط ہے کہ علماء کسبِ دنیا سے منع کرتے ہیں۔ بھلا فرض کفایہ سے کون منع کرسکتا ہے۔ ہاں محبِّ دنیا ہونا تو کسی کیلئے جائز نہیں۔

باقی کسبِ دنیا میں کسی قدر تفصیل ہے۔ یعنی بعض وہ لوگ ہیں جن کیلئے کسبِ دنیا ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جن کیلئے کسبِ دنیا ضروری نہیں۔

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جن لوگوں کو عدمِ کسب کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں کسبِ دنیا ضروری ہے، اس لئے انہیں چاہیئے کہ وہ کسبِ دنیا کریں۔

دوم وہ لوگ ہیں کہ جن کے دنیا میں مشغول نہ ہونے سے کسی کا ضرر نہیں، نہ ان کا اپنا اور نہ ان کے اہل وعیال کا مثل علماءِ دین۔ سو یہ لوگ اگر کسبِ

دنیا نہ کریں تو کچھ حرج نہیں، بالخصوص ایسی حالت میں کہ اگر وہ دنیا میں مشغول ہوں تو دین کی خدمت نہ کرسکیں گے۔ اس لئے ان کے لئے کسب دنیا مناسب نہیں۔ بشرطیکہ ترکِ کسب سے تشویش میں نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔

مگر ایک جماعت دنیا پرستوں کی ایسی بھی ہے کہ وہ ایسے حضرات پر طعن و اعتراض کرتے ہوئے کہتی ہے کہ یہ علماءِ دین اپاہج ہیں، آرام طلب ہیں۔ حالانکہ عقلی طور پر ان معترضین کا علماءِ کرام پر مذکورہ صدر اعتراض درست نہیں ہے۔

چنانچہ ہم اس مضمون کو ایک مسلَّم عند العقلاء یعنی عقلمندوں کے نزدیک ایک مسلَّم مثال سے سمجھانا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ مثال جدید ذوق کے موافق ہے۔

وہ یہ کہ حکومتی قانون ہے کہ جو شخص سرکاری ملازم ہو اس کیلئے دوسرا کوئی کام تجارت وغیرہ کرنا ممنوع ہے۔ مثلاً کوئی شخص سرکاری ملازم ہو اور وہ ٹھیکہ لینے لگے تو سرکاری طور پر اس پر گرفت ہوگی۔ چنانچہ ایک شخص ملازم تھا، اس نے ملازمت کی حالت میں مطبع لگایا۔ کچھ روز بعد کسی نے مخبری کردی۔ اس پر شبہ ہوا اور بات پھیل گئی۔ گو پورا ثبوت نہ ہونے پر وہ شخص بری تو ہوگیا مگر وہ پریشان اتنا ہوا کہ اس نے ملازمت ترک کردی۔

غرض سرکاری آدمی کو اجازت ہی نہیں کہ وہ دوسرا کام کرے۔ مگر اس سرکاری قانون پر تو کوئی روشن دماغ شخص اعتراض نہیں کرتا ۔ لیکن اگر بڑی سرکار یعنی اللہ تعالیٰ کے کوئی ملازم ہوں یعنی علماء کرام جو اللہ تعالیٰ کے دین کے ملازم اور خادم ہیں وہ اگر اسبابِ معاش ترک کردیں تو ان پر اعتراض کیا جاتا

ہے کہ یہ لوگ نکمّے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔

تعجب ہے کہ اللہ میاں کے حکم کی تصدیق نہ کی جائے اور سرکاری حکام کے حکم اور قانون کی تصدیق کی جائے۔ قال اللہ وقال الرسول (اللہ تعالیٰ کے قول اور رسول اللہ کے قول) پر لوگ قناعت نہیں کرتے اور قال الحکام پر قناعت کرتے ہیں۔

یاد رکھیں۔ گورنمنٹ کا مذکورہ صدر قانون نہایت اچھا قانون ہے اور بہت مفید ہے۔ اس قانون میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص دو کاموں کی طرف پورا متوجّہ نہیں ہوسکتا۔ اگر سرکاری ملازم کوئی دوسرا کام کریگا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا۔ اس لئے اس کو اجازت نہیں کہ بحالتِ ملازمت کوئی دوسرا کام کرے۔

اسی طرح جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے لحاظ سے ترقی کیوں نہیں کرتے، مشینیں اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے تو وہ مثالِ مذکور کو پیش نظر رکھ کر خوب سمجھ لیں کہ جب یہ لوگ دنیا میں اور مال و دولت کمانے میں مشغول ہونگے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے۔

علماء حق پر بے جا اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت دیکھی گئی ہے کہ وہ اپنے عیوب پر تو نظر نہیں ڈالتے اور دیگر مسلمانوں کے خصوصاً علماء کرام کے چھوٹے چھوٹے عیوب انہیں پہاڑ کے برابر نظر آتے ہیں اور انہیں اپنی مجالس میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ بہت بری عادت ہے۔ یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اور علاماتِ قربِ قیامت میں سے ہے۔ یہ تو ہمارے زمانہ کے حالات ہیں۔ آنے والے زمانے میں ان سے بھی بُرے اور

بدتر احوال آنے والے ہیں۔

خزاں کی دیکھ کر آمد کہا رو رو کے بلبل نے
چمن میں خانہ ویرانی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

دوستو ! بیان اس مضمون کا ہو رہا تھا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کے پیش نظر ہاتھ سے مال کمانا اور اپنی محنت سے کسبِ رزقِ حلال و اکتسابِ مال ممنوع نہیں ہے بلکہ ان کی تعلیمات کے مطابق یہ ایک مستحسن عمل ہے اور مستحب امر ہے۔

علماء کرام، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث ہیں اس لئے علماء کسبِ مالِ حلال و تحصیلِ رزقِ حلال سے منع نہیں کر سکتے۔ علماء کرام تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترجمان ہیں اس لئے وہ اپنے مواعظ اور اپنی مجالسِ تربیت میں صرف حبِّ دنیا کے غلبے سے منع کرتے ہیں۔ باقی تجارت اور اپنی محنت سے اکتسابِ مالِ حلال سے وہ روکتے نہیں بلکہ اپنی محنت سے حلال مال کمانے کی علمائے عظام ترغیب دیتے ہیں۔

زراعت، تجارت وغیرہ طرقِ کسبِ مال کی ترغیب و فضیلت میں کئی احادیث مرفوعہ و آثار موقوفہ کتبِ حدیث میں درج ہیں۔

بعض روایات میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ شخص پسند ہے جو اپنے ہاتھ سے محنت کر کے رزق حاصل کرے۔ میں نے ایک کتاب میں یہ عجیب و غریب واقعہ لکھا ہوا دیکھا کہ ایک شخص ایک غار میں سات دن تک رہا اور کچھ نہ کھایا۔ کیونکہ اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ پر توکُّل کا مطلب یہ ہے کہ

رزق خود بخود پہنچے گا مگر سات دن تک اسے کوئی رزق نہ پہنچا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی پر یہ وحی نازل فرمائی کہ اس شخص نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسے آپ بتلادیں کہ غار سے نکل کر عام مروّجہ معاملات اور اسباب کے ذریعہ اسے رزق حاصل کرنا چاہئے۔

اس اثر کی عربی عبارت یہ ہے۔ فَأَوْحَى اللهُ إِلَى نَبِيِّ ذٰلِكَ الزَّمَانِ قُلْ لَّهٗ: أَتُرِيْدُ أَنْ تُبْطِلَ حِكْمَتِيْ بِزُهْدِكَ؟ أُخْرُجْ وَعَامِلِ النَّاسَ فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَرْزُقَ عِبَادِيْ مِنْ أَيْدِيْ عِبَادِيْ. نُزْهَةُ المجالس ج۱ ص ۲۶۷.

یعنی ”اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کی طرف یہ وحی نازل کی کہ اس شخص سے کہہ دیجئے کہ کیا تو اپنے زہد (کسبِ معاش سے کنارہ کشی) کے ذریعہ میری حکمت کو باطل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ (تیرا یہ معاملہ درست نہیں۔ لہٰذا غار سے) نکل اور لوگوں سے (معاش کے سلسلے میں) لین دین کر۔ کیونکہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اپنے بندوں کو رزق دوں ان کے ہاتھ کی کمائی کے ذریعہ“۔

اس اثر میں صراحۃً یہ بات بتلائی گئی ہے کہ زہد و توکّل علی اللہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام اسبابِ ظاہریّہ کو ٹھکرادیا جائے۔

نیز اس اثر سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محنت و مزدوری اور تجارت وغیرہ معاملات کے ذریعہ مال و رزق حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ طریقہ ہے۔

ایک اور حدیث ہے۔ اَلْأَسْوَاقُ مَوَائِدُ اللهِ۔ ”بازار اللہ تعالیٰ کے رزق کے دستر خوان ہیں“۔ یعنی بازار حصولِ رزق کے ذرائع ہیں۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ بازار رزق و مال حاصل کرنے کا

ذریعہ ہے اس لئے بازار جانا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ انسان محتاجِ رزق و مال ہے اور رزق و مال کا ظاہری طور پر بڑا مرکز بازار ہی ہے۔ اس لئے تحصیل مال کے لئے اور تجارت و معاملات کیلئے بازار جانا ازروئے شرع مستحسن ہے۔ اگرچہ بازار زمین کے بدترین مقامات میں سے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! أَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ وَّأَیُّ الْبِقَاعِ شَرٌّ؟ قَالَ: لَا أَدْرِیْ حَتّٰی أَسْأَلَ جِبْرِیْلَ علیہ السلام. فَسَأَلَہٗ. فَقَالَ: لَا أَدْرِیْ حَتّٰی أَسْأَلَ مِیْکَائِیْلَ. فَجَاءَہٗ فَقَالَ: خَیْرُ الْبِقَاعِ الْمَسَاجِدُ. وَشَرُّ الْبِقَاعِ الْأَسْوَاقُ.

یعنی ” حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ زمین کی کونسی جگہیں اچھی ہیں اور کونسی بُری ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پتہ نہیں۔ البتہ میں جبریل علیہ السلام سے پوچھ کر تمہیں بتاؤنگا۔ چنانچہ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے بھی پتہ نہیں۔ میں میکائیل علیہ السلام سے پوچھ کر آپ کو بتاؤنگا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے جاکر پوچھا تو میکائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کی سب سے اچھی جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے برے مقامات بازار ہیں “۔

ایک اور حدیث شریف ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لِجِبْرِیْلَ: أَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ؟ قَالَ: لَا أَدْرِیْ. قَالَ: فَاسْأَلْ رَبَّکَ عَنْ ذٰلِکَ. فَبَکٰی وَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! أَوَلَنَا أَنْ نَّسْأَلَہٗ؟ ھُوَ الَّذِیْ یُخْبِرُنَا بِمَا یَشَاءُ. فَعَرَجَ إِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ أَتَاہُ فَقَالَ: خَیْرُ الْبِقَاعِ

بُیُوتُ اللہِ فِی الْأَرْضِ. فَقَالَ: أَیُّ الْبِقَاعِ شَرٌّ؟ فَعَرَجَ إِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ أَتَاہُ فَقَالَ: شَرُّ الْبِقَاعِ الْأَسْوَاقُ.

یعنی ''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ زمین کی کونسی جگہیں بہتر ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سلسلے میں اپنے ربّ سے جاکر پوچھئے تو جبریل علیہ السلام نے رو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ربّ سے (کسی چیز کے بارے میں) سوال کریں؟ وہ ذات جس چیز کے بارے میں چاہے خود ہمیں خبر دیتی ہے۔

پھر جبریل علیہ السلام آسمان کی طرف گئے اور واپس آ کر بتایا کہ زمین میں سب سے بہترین مقامات اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجدیں) ہیں۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ بری جگہیں کونسی ہیں؟ تو جبریل علیہ السلام پھر آسمان پر گئے اور واپس آ کر بتایا کہ زمین کی سب سے بری جگہیں بازار ہیں''۔

اس حدیث سے سابقہ حدیث کے مضمون کی تائید وتصدیق ہوئی کہ زمین میں مساجد بہترین مقامات ہیں اور بازار بدترین جگہیں ہیں۔ مصابیح بغوی میں یہ حدیث مذکور ہے۔

قَالَ جِبْرِیْلُ: إِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللہِ دُنُوًّا مَّا دَنَوْتُ مِثْلَہٗ قَطُّ. قَالَ: کَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ؟ قَالَ: کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعُوْنَ أَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ. فَقَالَ: شَرُّ الْبِقَاعِ أَسْوَاقُھَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا. نُزھۃ ج۱ ص۱۱۸.

یعنی ''حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ اتنا قریب کبھی نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ اے جبریل! اس

وقت کیا کیفیت تھی؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے اور ربّ کے درمیان ستر ہزار نورانی پردے حائل تھے۔ اس حالتِ قرب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین کے سب سے برے مقامات بازار ہیں اور سب سے اچھی جگہیں مسجدیں ہیں"۔

غرض بازار بدترین مقامات میں سے ہے کیونکہ وہاں ذکر اللہ کم ہوتا ہے۔ اکثر لوگ بازار جاکر آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

نیز وہ دنیاوی معاملات کا مرکز ہے اور عموماً وہاں کثرت سے دھوکہ بھی ہوتا رہتا ہے۔

نیز وہاں مالی منفعت کیلئے جھوٹی قسموں کی بھی کثرت ہوتی ہے۔

نیز بازار محبوب ترین مقام ہے ان لوگوں کا جو دنیا کی محبت اور عشق میں مبتلا ہوں۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ بازار شیطان کی رہائش گاہ ہے اور اس کی شرارتوں کا مرکز ہے۔

نیز کفار کا محبوب تر مقام بھی بازار ہے۔

نیز بازار میں عموماً شور وشغب کا ہنگامہ برپا ہوتا ہے۔

پس بازار دنیاوی شور وشغب اور دنیاوی معاملات کا مرکز ہونے کی وجہ سے بدترین مقام ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان مال و رزق کمانے اور حاصل کرنے کا محتاج ہے اس لئے ازروئے شرع بازار جانا ممنوع نہیں بلکہ مستحسن ہے جبکہ نیت اچھی ہو یعنی ضرورت کے تحت وہاں جائے یا تجارت و کسبِ مالِ حلال و رزقِ حلال کیلئے جائے۔

حدیث شریف ہے إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى۔ یعنی ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کیلئے وہی کچھ ہے جو اس کی نیت میں ہے (یعنی اس کے ساتھ جزاء وسزا کا معاملہ اس کی نیت پر موقوف ہے)“۔

اسی حکمِ شرعی کے تحت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بازار تشریف لے جایا کرتے تھے تاکہ امّت کی تعلیم اور دین کی تسہیل کی تکمیل ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بازار آنے جانے سے امت کیلئے بھی آسانی کی راہ نکل آئی بعض روایات میں ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ إِلَى السُّوْقِ وَيَشْتَرِيْ لِعِيَالِهٖ حَاجَتَهُمْ فَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: أَخْبَرَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ مَنْ سَعٰى عَلٰى عِيَالِهٖ لِيَكُفَّهُمْ عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

یعنی ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں جاکر اپنے اہل وعیال کی ضروریات کیلئے خریداری کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں (یعنی بازار میں جانے سے متعلق) سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال کیلئے کوشش (کسبِ معاش) کرے تاکہ انہیں لوگوں سے (سوال کرنے سے) بچائے تو وہ راہ خدا میں (مجاہد و مبلغ کی طرح) نکلا ہوا ہے“۔

اس حدیث شریف میں اپنے بال بچوں کیلئے کسبِ مال کرنے اور اس سلسلے میں محنت کرنے کی یہ فضیلت مذکور ہے کہ ایسا شخص گویا کہ خدا کی راہ میں تبلیغ وغزا (جہاد) کیلئے نکلا ہوا ہے۔

امام غزالیؒ اِحیاء العلوم (ج ۳ ص ۲۹) میں لکھتے ہیں کہ بازار میں رہنے

کی مداومت یعنی دیر تک اس میں بیٹھنا اور اس میں کثرت سے آنا جانا حرصِ دنیا کی علامت ہے اور حرصِ دنیا بخل وغیرہ امراضِ قلبیہ کے لوازم میں سے ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ إِنَّ الْأَسْوَاقَ مُعَشَّشُ الشَّيَاطِيْنِ. یعنی ”بازار شیاطین کے مرکز ہیں“۔

اس سلسلہ میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ ایک مفصل مرفوع حدیث کی روایت کرتے ہیں جو طبرانی نے کبیر میں ذکر کی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ إِبْلِيْسَ لَمَّا نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ قَالَ: يَا رَبِّ! أَنْزَلْتَنِيْ إِلَى الْأَرْضِ وَجَعَلْتَنِيْ رَجِيْمًا فَاجْعَلْ لِّيْ بَيْتًا. قَالَ: الْحَمَّامُ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ مَجْلِسًا. قَالَ: الْأَسْوَاقُ وَمَجَامِعُ الطُّرُقِ.

قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ طَعَامًا. قَالَ: طَعَامُكَ مَالَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ شَرَابًا. قَالَ: كُلُّ مُسْكِرٍ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ مُؤَذِّنًا. قَالَ: الْمَزَامِيْرُ.

قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ قُرْآنًا. قَالَ: الشِّعْرُ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ كِتَابًا. قَالَ: الْوَشْمُ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ حَدِيْثًا. قَالَ: الْكَذِبُ. قَالَ: اجْعَلْ لِّيْ مَصَايِدَ. قَالَ: النِّسَاءُ. إِحْيَاءُ الْعُلُوْمِ ج ۳ ص ۳۰. قَالَ الْحَافِظُ زَيْنُ الدِّيْنِ الْعِرَاقِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَدِيْثُ أَبِي أُمَامَةَ هٰذَا رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ جِدًّا.

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شیطان جب زمین پر اترا (یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے نکال کر زمین پر

بھیجا) تو اس نے کہا کہ اے ربّ ! تو نے مجھے زمین پر تو اتار دیا ہے اور مجھے ملعون قرار دیا ہے۔ اب میرے لئے (برائی پھیلانے کیلئے) کوئی گھر (جگہ) دے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اس مقصد کیلئے) حمام (تیرا گھر) ہے۔

ابلیس نے کہا کہ میرے بیٹھنے کیلئے کوئی مخصوص جگہ بنادیں (جو برائیوں کا مرکز ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اس مقصد کی خاطر تیرے بیٹھنے کیلئے) بازار اور چوک ہیں۔

شیطان نے کہا کہ میرے لئے کوئی کھانا بھی مخصوص ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کھانے پر میرا ذکر نہ کیا گیا ہو وہ تیرے لئے ہے۔

ابلیس نے کہا کہ میرے لئے کوئی پینے کی چیز مخصوص کر دی جائے (جس کے ذریعے میں لوگوں میں برائی پھیلا سکوں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز تیرے لئے مخصوص ہے۔

شیطان نے کہا کہ میرے لئے کوئی مؤذّن (یعنی لوگوں کو برائی کی طرف بلانے والا آلہ) ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اس مقصد کیلئے) مزامیر یعنی طبلہ سارنگی وغیرہ آلاتِ موسیقی (تیرے لئے مخصوص کر دیئے گئے) ہیں۔

شیطان نے کہا کہ میرے لئے پڑھنے کی کوئی چیز مختص کر دی جائے (جس کے ذریعہ میں لوگوں کو گمراہ کرسکوں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مقصد کی خاطر تیرے لئے اَشعار (گندی اور ناجائز شاعری) مختص کر دیئے گئے ہیں۔

ابلیس نے کہا کہ میرے لئے کتاب چاہئے جس کے ذریعہ میں لوگوں کو گمراہ کرسکوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مقصد کیلئے وشم ہے یعنی بدن کے بعض اعضاء کو گدوانا اور ان پر نقش و نگار بنوانا (اگر کتاب سے کتابت یعنی

مصدری معنی مراد ہو اور یہ ظاہر ہے تو ابلیس نے کتابت مانگی اور اللہ تعالیٰ نے وشم دیا)۔

شیطان نے کہا کہ میرے لئے کوئی خاص گفتگو ہونی چاہئے (جس کے ذریعے میں لوگوں کو دھوکہ دے سکوں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مقصد کیلئے تیرے لئے جھوٹ مختص کر دیا گیا ہے۔

ابلیس نے کہا کہ اے ربّ! میرے لئے شکار کے آلات بنادیں (جن کے ذریعہ میں لوگوں کو گمراہ کرسکوں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مقصد کیلئے عورتیں ہیں "۔

حدیث ہذا نہایت جامع حدیث ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حمام، بازار، چوک، نشہ آور چیزیں، گانے بجانے کے آلات، غزل اور اجنبی عورتوں کے ذکر پر مشتمل اَشعار، جھوٹ اور عورتیں شیطان کی شرارت کے قوی آلات اور مستحکم اسباب و ذرائع ہیں۔ ان امور کے ذریعہ شیطان دنیا میں شرارتوں کے جال پھیلاتا ہے اور انسان کو ان آلات و اسباب کا گرویدہ اور عاشق بنا کر اُسے دوزخ کا ایندھن بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کی شرارتوں اور وسوسوں سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

بازار کا ذکر ہوا تو اس موضوع سے متعلق چند مبارک دعائیں بھی سُن لیں جن کے طفیل انسان بازار کے شر سے نہ صرف محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ بازار جانے والا بڑا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ بازار میں داخل ہوتے وقت درج ذیل دعا پڑھنے والے مسلمان کیلئے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں

اور دس لاکھ گناہ معاف کر دینے کے علاوہ اس کیلئے جنت میں ایک عالی شان محل تیار فرما دیتے ہیں۔ وہ دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ لَہُ الۡمُلۡكُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ یُحۡیِیۡ وَیُمِیۡتُ وَھُوَحَیٌّ لَّا یَمُوۡتُ بِیَدِہِ الۡخَیۡرُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ. رَوَاہُ التِّرۡمِذِیُّ.

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا اندازہ کریں کہ کتنی چھوٹی اور مختصر سی دعا ہے اور ثواب کتنا زیادہ ہے۔

ایک اور حدیث شریف ہے کہ جو شخص گھر سے باہر جاتے وقت (یعنی بازار یا کسی اور مقام کی طرف نکلتے وقت) درج ذیل دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کہا جاتا ہے کہ گھر میں واپسی تک تیرے تمام کام پورے ہو گئے اور تو دشمنوں کے ضرر سے محفوظ ہو گیا اور شیطان تجھ سے دور ہو گیا۔ وہ دعا یہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ تَوَكَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ. رَوَاہُ التِّرۡمِذِیُّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا دَخَلۡتَ السُّوۡقَ فَقُلۡ " بِسۡمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ أَشۡھَدُ أَنۡ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشۡھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ " یَقُوۡلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: عَبۡدِیۡ ھٰذَا ذَکَرَنِیۡ وَالنَّاسُ غَافِلُوۡنَ. أُشۡھِدُكُمۡ أَنِّیۡ قَدۡ غَفَرۡتُ لَہٗ. نُزۡھَۃ ج ۱ ص ۱۱۸.

یعنی " نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بازار میں جاتے اور داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو بِسۡمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ أَشۡھَدُ أَنۡ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشۡھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ۔

(جب بندہ یہ دعا پڑھ لے تو) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے نے مجھے اس وقت اور اس مقام میں یاد کیا ہے جس میں باقی لوگ غافل ہیں۔ (فرشتو) میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس شخص کو بخش دیا ہے"۔

ایک اور حدیث شریف ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ذَاکِرُ اللّٰہِ فِی السُّوْقِ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ نُوْرٌ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ. نزھۃ ج۱ ص۱۱۹.

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بازار میں ذکر اللہ کرنے والے کے ہر بال پر قیامت کے دن نور ہو گا"۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ: إِذَا دَخَلْتَ السُّوْقَ فَقُلْ: اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا. نزھۃ ج۱ ص۱۱۹.

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا کہ جب تو بازار میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھا کر اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا"۔

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلسُّوْقُ دَارُ سَھْوٍ وَغَفْلَۃٍ. فَمَنْ سَبَّحَ اللّٰہَ فِیْھَا تَسْبِیْحَۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَۃٍ. نزھۃ ج۱ ص۱۱۹.

یعنی "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بازار بھول اور غفلت کی جگہ ہے۔ پس جو آدمی بازار میں ایک دفعہ تسبیح پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس شخص کیلئے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں"۔

کسبِ مالِ حلال اور تحصیلِ رزقِ حلال کی فضیلت اور جواز کے بارے میں چند اور احادیث مبارکہ سن لیں۔

امام غزالیؒ نے منہاج العابدین ص ۴۰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے طلب وکسبِ رزقِ حلال کی فضیلت کے سلسلے میں۔

قَالَ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الدُّنیَا حَلَالًا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِهٖ وَسَعْیًا عَلٰی عِیَالِهٖ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَوَجْهُهٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ.

یعنی "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص نے مالِ دنیا کو طلب کیا حلال طریقے سے، لوگوں سے حرام سوال سے بچنے اور ہمسائے پر مہربانی وعنایت کرنے کی نیت سے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال رزق ونان ونفقہ حاصل کرنے کی نیت سے تو وہ قیامت کے دن اِس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا"۔

قرآن مجید کی کئی آیات میں بھی رزقِ حلال کمانے اوراس سلسلے میں محنت کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ یعنی "تم اللہ تعالیٰ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو"۔

فضل سے بعض مفسّرین کے نزدیک علم وثوابِ اخروی مراد ہے۔ لیکن بہت سے مفسّرین کے نزدیک فضل اللہ سے حلال مال اور حلال رزق مراد ہے۔ پس آیتِ ہذا میں حلال رزق تلاش کرنے اور اس سلسلے میں محنت کرنے کا امر ہے۔ اور امر وجوب پر دال ہوتا ہے۔ اور اس کا کم سے کم تقاضا استحباب ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کسبِ رزقِ حلال واجب یا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صرف حلال مال وحلال رزق نصیب فرمائیں اورحرام مال سے بچائیں۔ آمین۔



فصل (۱۱)

دوستو ! نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اِس دور میں اکثر مسلمان اکتسابِ مال ورزق کے سلسلے میں حلال وحرام کا زیادہ خیال نہیں رکھتے ۔ یہ بہت سنگین غلطی ہے ۔ مسلمانوں پر تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے اوامرونواہی کے مطابق زندگی گزارنا فرض ہے ۔ لہٰذا ان پر تحصیلِ رزق و اکتسابِ مال کے معاملہ میں ان طریقوں سے اجتناب کرنا لازم ہے جو حرام یا مکروہ ہوں یا ان کے جائز ہونے میں شبہ ہو ۔

علماء کرام لکھتے ہیں کہ مال ورزق حاصل کرنے کے ذرائع اگرچہ بیشمار ہیں لیکن اس کے بڑے ذرائع جو اصول کا درجہ رکھتے ہیں تین ہیں ۔

اوّل زراعت ۔

دوم صناعت یعنی حرفت وصنعت ۔ مختلف پیشے اسی قسم میں داخل ہیں ۔ پیشوں کی انواع واقسام بے شمار ہیں مثلاً جولاہا ہونا، لوہار ہونا، نائی ہونا، کاتب ہونا، کارخانہ دار ہونا ۔

سوم تجارت ۔ تجارت کی انواع و اقسام بیشمار ہیں ۔ کارخانہ دار تاجروں میں بھی شامل ہوسکتا ہے ۔

یہ تین اصولی ذرائع ہیں آمدنِ مال و تحصیلِ دولت کے ۔ اور تینوں ازروئے

شرع جائز بلکہ مستحسن ہیں اور بعض صورتوں میں فرضِ کفایہ ہیں۔

پھر علماء کا اختلاف ہے کہ ان تین انواع میں سے کونسی نوع افضل ہے۔ بعض علماء نے صناعت کو افضل قرار دیا ہے۔ لیکن بہت سے علماء نے کہا ہے کہ تجارت افضل ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ زراعت افضل ہے۔

علامہ ماوردی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ وَالْأَشْبَهُ أَنَّ الزِّرَاعَةَ أَطْيَبُ لِأَنَّهَا إِلَى التَّوَكُّلِ أَقْرَبُ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.

یعنی ”یہ بات حق کے زیادہ قریب ہے کہ زراعت بہتر اور افضل ہے (صنعت و تجارت کے مقابلے میں) کیونکہ یہ توکُّل کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ توکُّل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں“۔

بہر حال کسبِ مال کے مذکورہ صدر تینوں طریقے مستحسن ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تینوں طریقوں پر عمل پیرا رہے۔ اکثر انصار رضی اللہ عنہم کسان تھے اور باغات والے تھے، یعنی وہ زراعت کا کام کرتے تھے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ خصوصاً مہاجرین تجارت پیشہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تاجر تھے۔ چند صحابہ بہت بڑے تاجر تھے اور شام وغیرہ ممالک میں باقاعدہ ان کے قافلے تجارت کیلئے جاتے تھے اور وہاں سے سامانِ تجارت لاتے تھے۔ عثمان و عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے قافلے سب سے بڑے ہوتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ عَنِ الْمِقْدَادِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عليه الصلاة والسلام قَالَ: مَا أَكَلَ عَبْدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَأَنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوٗدَ عليه السلام كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ. كَذَا فِي كِتَابِ الْبَرَكَةِ

فی فَضۡلِ السَّعۡیِ ص ۸.

"حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کسی آدمی نے کبھی ایسا طعام نہیں کھایا جو کہ بہتر ہو اس آدمی کے طعام سے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے"۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں فَهٰذَا صَرِيۡحٌ فِيۡ تَرۡجِيۡحِ الزِّرَاعَةِ وَالصِّنَاعَةِ لِكَوۡنِهِمَا عَمَلَ يَدِهٖ لٰكِنَّ الزِّرَاعَةَ أَفۡضَلُهُمَا لِعُمُوۡمِ النَّفۡعِ بِهَا لِلۡاٰدَمِيِّ وَغَيۡرِهٖ وَعُمُوۡمِ الۡحَاجَةِ إِلَيۡهَا. اِنۡتَهٰى كَلَامُهٗ.

یعنی "یہ حدیث زراعت وصنعت کے افضل وراجح ہونے کی صریح دلیل ہے کیونکہ زراعت وصنعت دونوں ہاتھ کے عمل سے تعلّق رکھتی ہیں۔ لیکن زراعت صنعت سے افضل ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہے، آدمی اور دیگر حیوانات اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور حاجت بھی اس کی طرف عام ہے"۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ کرامات ولی اللہ گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں۔ قَرَأۡتُ فِي التَّوۡرَاةِ طُوۡبٰى لِمَنۡ أَكَلَ مِنۡ ثَمَرَةِ يَدِهٖ. یعنی "میں نے تورات میں پڑھا کہ خوشخبری ہے اس آدمی کیلئے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے"۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جبریل علیہ السّلام نے داود علیہ السّلام سے فرمایا۔ مَا فِي الۡعِبَادِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنۡ عَبۡدٍ يَأۡكُلُ مِنۡ كَدِّ يَدِهٖ. فَعَادَ دَاوٗدُ إِلٰى مِحۡرَابِهٖ بَاكِيًا. وَقَالَ: يَا رَبِّ! عَلِّمۡنِيۡ صَنۡعَةً أَعۡمَلُهَا بِيَدِيۡ. فَعَلَّمَهُ اللّٰهُ صَنۡعَةَ الدُّرُوۡعِ وَأَلَانَ لَهُ الۡحَدِيۡدَ. فَكَانَ إِذَا فَرَغَ مِنۡ قَضَاءِ

حَوَائِجِ أَهْلِهٖ عَمِلَ دِرْعًا فَبَاعَهَا وَعَاشَ هُوَ وَعِيَالُهٗ بِثَمَنِهٖ. کتاب البرکۃ فی فضل السعی ص ۸.

یعنی ”اللہ تعالیٰ کو اس آدمی سے زیادہ محبوب کوئی آدمی نہیں جو اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی حاصل کرتا ہو۔ (یہ سن کر) داود علیہ السلام روتے ہوئے محراب کی طرف لوٹے اور عرض کیا۔ اے ربّ! مجھے کوئی ایسی صنعت سکھلا دیجئے جو میں اپنے ہاتھ سے بناؤں۔

پس اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو زرہیں بنانے کی تعلیم دی اور ان کیلئے لوہا نرم کر دیا۔ چنانچہ داود علیہ السلام جب اپنے اہل و عیال کی حاجتیں پوری کرنے سے فارغ ہوتے تو زرہ بناتے اور اسے بیچ کر اس کے پیسوں سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرتے“۔

وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ عُمَيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الْمَكَاسِبِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ علیہ السلام: عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَّبْرُوْرٍ.

”حضرت سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ کونسا کسبِ معاش افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہاتھ کی کمائی اور ہر نیک (جھوٹ و فریب سے پاک) بیع“۔

ابوعبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْبَيْعُ الْمَبْرُوْرُ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُهٗ كَذِبٌ وَلَا شَيْءٌ مِّنَ الْمَأْثَمِ. أَيْ لَا شُبْهَةَ وَلَا خِيَانَةَ وَلَا خَدِيْعَةَ فِيْهِ.

یعنی ”اچھی اور مبارک بیع وہ ہے جس میں کذب اور گناہ کا کوئی خلط اور تعلق نہ ہو۔ یعنی نہ اس میں شبہ ہو حرام ہونے کا، نہ خیانت ہو اور نہ دھوکہ ہو“۔

ایک اور حدیث مبارک ہے۔ قَالَ علیہ السلام: إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ

اَلرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ.

یعنی ”نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ سب سے بہتر اور پاکیزہ رزق جو انسان کھاتا ہے وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے کمایا ہو اور ولد بھی اس کے کسب میں سے ہے“۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ انسان کو رزق کے سلسلے میں دیگر لوگوں پر بھروسہ کر کے بیکار نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ اپنا رزق کمانے کیلئے اسے خود محنت کرنی چاہئے۔

ایک حدیث شریف ہے اَلْبِطَالَةُ تُقْسِي الْقَلْبَ. یعنی ”سستی اور بیکار بیٹھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے“۔ البرکۃ فی فضل السّعی ص ۷۔

انسان کو چاہئے کہ وہ مشغول رہے کسبِ حلال میں یا امورِ آخرت میں، یعنی ذکر اللہ و عبادت میں مشغول رہے۔

مشہور قول ہے اِخْتِلَافُ اُمَّتِيْ رَحْمَةٌ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث شریف ہے یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نہیں ہے بلکہ بعض تابعین بزرگوں کا قول ہے۔ بہر حال یہ قول مشہور ہے۔ اس کے معنی کی تشریح میں بھی علماء نے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

علامہ حلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی توضیح و تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جس اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے اس سے مراد اختلافِ مسائل و احکام نہیں ہے بلکہ اس سے حرفتوں اور صنعتوں کی مختلف اقسام و انواع مراد ہیں۔

تو حاصلِ حدیثِ ہذا یہ ہوا کہ میری اُمّت میں پیشوں، صنعتوں اور حرفتوں کی کثرت امت کیلئے رحمت و نعمت ہے۔

امام حلیمیؒ کے الفاظ یہ ہیں قَوْلُہٗ علیہ الصلاۃ والسلام "اِخْتِلَافُ أُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ" أَرَادَ اخْتِلَافَ النَّاسِ فِی الْحِرَفِ. البرکۃ فی فضل السعی ص ۷. یعنی "اس حدیث سے مراد ہے لوگوں کا مختلف پیشے اور حرفتیں اختیار کرنا اور پسند کرنا"۔

تورات میں بھی کسب مالِ حلال اور اپنے ہاتھ سے اور اپنی محنت و مشقت سے رزق حاصل کرنے کی ترغیب مذکور ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الزہد ص ۸۵ پر لکھتے ہیں۔

عَنِ الْوَلِیْدِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: بَلَغَنِیْ أَنَّہٗ مَکْتُوْبٌ فِی التَّوْرَاۃِ: اِبْنَ آدَمَ! حَرِّكْ یَدَیْكَ أَفْتَحْ لَكَ بَابًا مِّنَ الرِّزْقِ. وَأَطِعْنِیْ فِیْمَا أَمَرْتُكَ فَمَا أَعْلَمُنِیْ لِمَا یُصْلِحُكَ.

یعنی "ولید بن عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات موثّق طریقے سے پہنچی ہے کہ تورات میں یہ مکتوب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! تُو اپنے ہاتھوں کو حرکت دے یعنی کام کاج کر، میں تیرے لئے رزق کا بہت بڑا دروازہ کھول دونگا۔ اور تو میرے احکامات کی اطاعت کر، میں زیادہ جانتا ہوں تیری ضروریات اور مصلحتوں کے بارے میں"۔

کتاب الزہد ص ۹۱ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود عظیم الشان خزانوں کے اپنے ہاتھ سے کسب کرتے تھے اور ہاتھ کی کمائی سے جو کی روٹی کھاتے تھے۔

عَنْ عَطَاءٍ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: کَانَ سُلَیْمَانُ علیہ السلام یَعْمَلُ الْخُوْصَ بِیَدِہٖ. وَیَأْکُلُ خُبْزَ الشَّعِیْرِ بِالنَّوٰی. وَیُطْعِمُ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ الْحُوَّارٰی.

یعنی " حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھ سے ٹوکریاں اور چھابے بناتے تھے اور اسی کمائی سے گھر میں جَو کی روٹی کھاتے تھے اور بنی اسرائیل کو بھی کھانا کھلاتے تھے "۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور اسی طرح کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ہاتھ سے کسبِ مال کرتے ہوئے اسی سے کھاتے تھے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انصار وغیرہ سے ٹوکریاں اور چھابے بنانے کا طریقہ سیکھا تھا۔

روایات اور کتبِ تاریخ میں ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے اور بڑا وظیفۂ مالیہ انہیں خلیفہ کی طرف سے ملا کرتا تھا۔ مگر وہ سارا وظیفہ خدا کی راہ میں خیرات کر کے غریبوں کو دے دیتے اور خود ٹوکریاں اور چھابے بناتے تھے اور پھر بازار میں لے جا کر بیچتے تھے اور ان کی معمولی آمدن سے گزارہ کرتے تھے۔

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے نیک دل، متقی اور عادل سلطان گزرے ہیں۔ کُل ہندوستان کے خزانے ان کے قبضے میں تھے لیکن خود وہ ٹوپیاں بناتے تھے۔ نیز قرآن شریف لکھتے تھے اور پھر انہیں بیچ کر ان پیسوں سے گزارہ کرتے تھے۔

انہوں نے شاہی خزانے سے اپنی ذاتی اغراض و حاجات کیلئے کبھی رقم نہیں لی۔

بھائیو ! ایسے نیک بادشاہ اور سربراہانِ مملکت اب کہاں ؟ اس دنیا سے سب نے رخصت ہونا ہے۔ موت سے سب نے دوچار ہونا ہے۔ سب لوگوں نے قبروں میں پہنچنا ہے۔ موت کے بعد والی زندگی بڑی سخت ہے۔ اس میں صرف اپنے نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔ یہ طویل زندگی حصولِ مال اور حصولِ رزق کے

لئے نہیں ہے۔ یہ آخرت کے لئے کھیتی ہے۔ لہٰذا اس زندگی کے ذریعہ آخرت کی کامیابی کیلئے کوشش کرنی چاہیے۔ مگر ہم بڑے غافل ہیں۔ غفلت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

توشۂ اعمال تھوڑا، بارِ عصیاں بے شمار
منزلِ مقصد نہایت دور، شیطاں راہ مار

نیک و بد اعمال تولے جائینگے میزان میں
ہو حسابِ ذرّہ ذرّہ حشر کے میدان میں

منزلِ اوّل ہماری، شہرِ خاموشاں میں قبر
اس میں تنگی کے سبب کروٹ کا بھی لینا ہے جبر

وہ اندھیری کوٹھری ہے ہر طرف سے بند، آہ
روشنی کے اور ہوا کے واسطے روزن نہ راہ

کچھ نہ یاوُر کا پتہ ہے، اور نہ مُونِس کا نشاں
حشر کے دن تک اکیلا تم کو رہنا ہے وہاں

جو کوئی جاتا ہے واں، اُس کی خبر آتی نہیں
کوئی بھی آرام کی صورت نظر آتی نہیں

موت ہے سر پر کھڑی، تدبیر کرنا چاہیے
پھر نہ ہوگا کچھ، نہیں تاخیر کرنا چاہیے

پاؤں چلنے پھرنے سے ہو جائینگے بیکار پھر
دست و بازو ہل نہیں سکنے کے ہیں زنہار پھر

غفلت سے زندگی گزارنا بڑی تباہی ہے۔ آخرت اور رضائے خدا تعالیٰ کے معاملے میں ہروقت خبر دار رہنا چاہئے۔ لہٰذا حُسنِ نیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حدیث شریف ہے إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ "تمام اعمال کا دارو مدار نیت پر ہی ہے"۔

اگر نیت اچھی ہو تو دنیاوی کام بھی موجبِ اجر وثواب بن جاتا ہے۔ کسبِ رزق وکسبِ مالِ حلال میں اگر یہ نیت ہو کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو غیر کی احتیاج سے اور غیر کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچانا ہے تو اس کسب وعمل سے ثواب ملتا ہے اور یہ عمل حسنِ نیت کی وجہ سے باعثِ اجر وثواب بن جاتا ہے۔

بہرحال کسبِ مالِ حلال اور حصولِ رزقِ حلال کے سلسلے میں محنت کرنا شریعت اسلامیہ میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔ کئی نصوصِ قرآنیہ واحادیث مبارکہ میں کسبِ مالِ حلال اور اپنے ہاتھ کے عمل کے ذریعہ تحصیلِ رزقِ حلال کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن میں ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ. یعنی "اس بات میں تمہارے لئے کوئی حرج اور مضائقہ نہیں کہ تم اپنے ربّ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو"۔

وَقَالَ تَعَالٰى: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

یعنی "جب نماز ادا ہو جائے تو پھر تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ. وَأَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، إِلَّا أَنَّهٗ قَالَ: مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا أَطْيَبَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَمَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَأَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهٖ فَهُوَ صَدَقَةٌ. مُتّجر رابح ص ۴۲۸.

" حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کسی آدمی نے کبھی کوئی ایسا طعام نہیں کھایا جو بہتر ہو اس آدمی کے طعام سے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

اس روایت کو بخاری وابن ماجہ نے ذکر کیا ہے، البتہ ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ کچھ اور ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی آدمی نے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کسب مال نہیں کیا (یعنی ہاتھ سے کمانا سب سے بہتر کسبِ معاش ہے) اور آدمی اپنے نفس پر، اپنے اہل وعیال پر، اپنی اولاد پر اور اپنے خادم پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے (یعنی اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے) "۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَمِّهٖ وَهُوَ الْبَرَّاءُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ كَسْبٍ مَّبْرُوْرٍ. رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد.

" حضرت سعید بن عمیر اپنے چچا حضرت برّاء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کیا گیا کہ کونسا کسبِ معاش سب سے بہتر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہاتھ کی کمائی اور ہر نیک (دھوکہ و

فریب سے پاک) کسبِ معاش"۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَیُّ الْکَسْبِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَّبْرُوْرٍ. رواہ الطبرانی بإِسْنادٍ جیّدٍ، ورواہ أَحمَدُ والبزّار من حدیث رافع بن خدیج رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ.

"ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کونسا کسب افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہاتھ کی کمائی اور ہر نیک (جھوٹ وفریب سے پاک) بیع"۔

نیز طبرانی میں ہے۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ.

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حلال کسبِ معاش کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں"۔

وَخَرَّجَ الطَّبْرَانِیُّ أَیْضًا بِإِسْنَادِہٖ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَمْسٰی کَالًّا مِّنْ عَمَلِ یَدِہٖ أَمْسٰی مَغْفُوْرًا لَّہٗ.

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے شام کی اس حال میں کہ وہ ہاتھ کے کام کی وجہ سے تھکا ہوا تھا تو اس نے شام کی اس حال میں کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے"۔

وَعَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَرَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَرَأٰی أَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ جَلَدِہٖ وَنَشَاطِہٖ. فَقَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! لَوْ کَانَ ھٰذَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی

عَلٰی وَلَدِہٖ صِغَارًا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. وَإِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی أَبَوَیْنِ شَیْخَیْنِ کَبِیْرَیْنِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. وَإِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی نَفْسِہٖ یَعِفُّھَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. وَإِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی رِیَاءً وَمُفَاخَرَۃً فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ. رواہ الطّبرانی وَرِجَالُہٗ رجال الصحیح.

" حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے ایک آدمی گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس آدمی کی جسمانی قوت کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر یہ آدمی راہِ خدا میں جہاد کیلئے نکلا ہوا ہوتا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کی خاطر طلبِ معاش کیلئے گھر سے نکلا ہوا ہے تو یہ شخص (مجاہد و مبلغ کی طرح) خدا کی راہ میں ہے۔ اور اگر یہ شخص اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کی خاطر کسبِ مال کیلئے نکلا ہوا ہے تو بھی یہ شخص خدا کی راہ میں ہے۔ اور اگر یہ آدمی اپنے نفس کو حرام سوال سے بچانے کی خاطر کسبِ معاش کیلئے نکلا ہوا ہے تو بھی یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔

اور اگر یہ شخص ریا کاری و فخر کی خاطر طلبِ معاش کیلئے گھر سے نکلا ہوا ہے تو پھر یہ شخص شیطان کے راستہ میں ہے "۔

اس حدیث سے کئی اہمّ امور معلوم ہوئے۔

امرِ اوّل۔ عام لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا کی راہ میں نکلا ہوا صرف وہ شخص ہے جو دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیّہ کے اِعلاء اور خدمت کی خاطر گھر سے نکلا ہو یعنی غازی ہو یا مبلغ ہو یا علومِ اسلامیہ سیکھنے کیلئے گھر سے نکلا ہو یا

اس قسم کی کوئی اور دینی خدمت سرانجام دے رہا ہو۔ اسی لئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جیسا کہ حدیث ہذا میں ہے اس طاقتور اور صحتمند آدمی کو دیکھنے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش یہ غازی ہوتا یعنی غزا فی سبیل اللہ کیلئے نکلا ہوا ہوتا اور اس کی صحت وطاقت خدا کی راہ میں استعمال ہوتی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فی سبیل اللہ کا حکم اور مطلب خاص نہیں ہے یعنی اس کا دائرۂ مفہوم و مصداق اتنا تنگ نہیں ہے جتنا تمہارا خیال ہے بلکہ اس کا دائرۂ مصداق ومفہوم بہت وسیع ہے۔ اور پھر اس کے مفہوم کے مزید تین مصداق بطور مثال کے بتلائے جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔

امر دوم۔ اس حدیث سے دوسری اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ جب نیت صحیح ہو تو حُسنِ نیت کی برکت سے کئی دنیاوی کام بھی جہاد کی طرح موجبِ اجر وثواب اور موجبِ رضاء اللہ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیثِ ہذا میں فرمایا کہ اپنے بچوں کی صحیح پرورش کیلئے اور انہیں اور اپنے آپ کو کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچانے کی خاطر محنت کرنا اور کسبِ مالِ حلال کرنا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہوتا ہے اور جہاد کی طرح یہ بھی باعثِ اجر وثواب ہے۔

کسبِ مالِ حلال کے سلسلے میں مزید چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ كَسَبَ مَالاً مِّنْ حَلَالٍ فَأَطْعَمَ نَفْسَهُ أَوْكَسَاهَا فَمَنْ دُوْنَهُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ فَإِنَّ لَهُ بِهِ زَكَاةً. رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ.

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی کسبِ مالِ حلال کرے پھر اس مال سے اپنے نفس کو کھلائے یا پہنائے (یعنی پہننے کیلئے کوئی کپڑا خریدے) یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو کھلائے یا پہنائے تو یہ عمل اس کی طہارتِ قلبی کا ذریعہ ہے“۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَّعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَّآمَنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا فِي أُمَّتِكَ الْيَوْمَ كَثِيرٌ. قَالَ: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي. رواه الترمذي وقال: حديث حسن صحيح. ورواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد.

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے پاکیزہ رزق کھایا اور سنت پر عمل پیرا ہوا اور لوگ اس کی اذیّت و شرّ سے محفوظ رہے تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے لوگ تو اس وقت آپ کی امّت میں بہت زیادہ ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں لیکن) میرے بعد ایسا زمانہ بھی آئیگا کہ اس قسم کا انسان صدیوں میں پیدا ہوگا (جس میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی)“۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ ان تین میں سے پہلی خصلت ہے رزقِ حلال کمانا اور کھانا۔ باقی دو امر ہیں سنت کے مطابق عمل کرنا اور کسی کو اذیت نہ پہنچانا۔

یہ تینوں بڑی جامع باتیں ہیں۔ بظاہر یہ تینوں آسان معلوم ہوتی ہیں لیکن عملی میدان میں یہ نہایت مشکل ہیں۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ آنے والے زمانہ میں ایسا شخص صدیوں میں پیدا ہو گا پوری ہو گئی ہے کیونکہ زمانۂ حال میں لوگوں کے احوال پر نظر ڈالیں تو لاکھوں کروڑوں انسانوں میں کہیں ایک انسان شاید ایسا مل سکے گا جو مکمل طور پر ان تین باتوں پر عمل پیرا ہو۔

یعنی رزقِ حلال کھائے اور حرام رزق سے مکمل اجتناب کرے اور وہ سنت نبوی کے مطابق زندگی گزارے اور کسی انسان کو اذیت نہ پہنچائے۔

اپنے ہاتھ سے کمانے والے کی طرح تاجر بھی اپنی محنت و مشقت سے مال کماتا ہے۔ پس حلال مال کی تجارت ایک جائز بلکہ مستحسن و مسنون پیشہ ہے۔

چنانچہ کئی احادیث مبارکہ میں متقی تاجر کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ اگر کسبِ مال شرعاً ناجائز اور ممنوع ہوتا تو تجارت کی اور تاجر کی فضیلت و منقبت احادیث میں وارد نہ ہوتی۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ. رواه الترمذي وقال: حديثٌ حسنٌ. ورواه ابنُ ماجهْ بنحوه مِن حديثِ ابنِ عمر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سچا اور امانتدار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا“۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَطْيَبَ الْكَسْبِ كَسْبُ التُّجَّارِ الَّذِينَ إِذَا حَدَّثُوا لَمْ يَكْذِبُوا، وَإِذَا ائْتُمِنُوا

لَمْ یَخُوْنُوْا، وَإِذَا وَعَدُوْا لَمْ یُخْلِفُوْا، وَإِذَا اشْتَرَوْا لَمْ یَذُمُّوْا، وَإِذَا بَاعُوْا لَمْ یَمْدَحُوْا، وَإِذَا کَانَ عَلَیْهِمْ دَیْنٌ لَمْ یَمْطُلُوْا، وَإِذَا کَانَ لَهُمْ لَمْ یُعَسِّرُوْا. مُتْجِر رابح ص ۴۳۱.

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ پیشہ ان تاجروں کا پیشہ ہے کہ جب وہ بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، اور جب انہیں امانتدار بنایا جائے اور امانت ان کے سپرد کی جائے تو خیانت نہ کریں، اور جب وہ وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں، اور جب وہ کسی سے کوئی چیز خریدیں تو اس چیز کی ناجائز مذمت نہ کریں (یعنی اس چیز کو خواہ مخواہ ناقص قرار نہ دیں)، اور جب وہ کوئی چیز بیچیں تو اس کی بے جا تعریف نہ کریں، اور جب ان پر کوئی قرض وغیرہ واجب الاداء ہو تو وہ ٹال مٹول نہ کریں، اور جب ان کا کوئی حق قرض وغیرہ کسی کے ذمّہ واجب الاداء ہو تو وہ حق وصول کرنے میں سختی نہ کریں"۔

برادران کرام! اس حدیث کا مضمون نہایت جامع اور مبارک ہے۔ اس میں نیک وصالح سوداگر کی سات علامتیں بتلائی گئی ہیں۔

اوّل سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا۔

دوم امانتدار ہونا اور خیانت سے احتراز کرنا۔

سوم وعدہ پورا کرنا اور وعدہ خلافی سے اجتناب کرنا۔

چہارم دوسرے تاجروں کی چیزوں کی بے جا تنقیص و مذمّت نہ کرنا۔

پنجم اپنی چیزوں کی بے جا تعریف سے بچنا۔

ششم قرض کی ادائیگی میں حتی الوسع عجلت کرنا اور ٹال مٹول نہ کرنا۔

ہفتم قرضداروں سے قرض وصول کرنے میں نرم رویّہ اختیار کرنا اور سختی وشدّت سے پرہیز کرنا۔

یہ سات اصول کتنے مبارک اور جامع ونافع ہیں۔ اگر تُجّار اِن سات اصولوں پر عمل پیرا ہوجائیں تو ان کی تجارت میں، رزق میں، دو کانوں میں بلکہ سارے بازار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خصوصی برکتیں نازل ہونگی اور سارے شہر امن اور مسرّتوں کے گہوارے بن جائینگے، معاشرے سے فساد بالکل ختم ہوجائیگا اور ہر گھر سکون وراحت سے ہمکنار ہوجائیگا۔

مگر افسوس صد افسوس ...... کہ آجکل کے اکثر تاجروں میں مذکورہ صدر سات علامات میں سے ایک علامت بھی موجود نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آجکل افراتفری، تباہی وبربادی، بے اطمینانی، بے قراری، جنگ وجدال اور فساد وعناد کا ایک طوفان برپا ہے۔ کہیں بھی امن نہیں، سکون نہیں۔ ہر شخص نالاں ہے، پریشان ہے۔

مالِ حلال کا اکتساب خواہ تجارت کے ذریعے ہو یا کسی اور ذریعے سے ہو باعثِ برکت وسعادت ہے۔ اس سلسلے میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت پیشِ خدمت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ. مَنِ اكْتَسَبَ فِيْهَا مَالًا مِّنْ حِلِّهٖ وَأَنْفَقَهٗ فِيْ حَقِّهٖ أَثَابَهُ اللهُ وَأَوْرَدَهٗ جَنَّتَهٗ. وَمَنِ اكْتَسَبَ فِيْهَا مَالًا مِّنْ غَيْرِ حِلِّهٖ وَأَنْفَقَهٗ فِيْ غَيْرِ حَقِّهٖ أَحَلَّهُ اللهُ دَارَ الْهَوَانِ. وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْ مَالِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لَهُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُوْلُ اللهُ "كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيْرًا".

وَذکرہ الحافظ السُّیُوطِی رحمہ اللہ تعالیٰ أیضًا فی کتابہ الجامع الصغیر.

متجر رابح ص ۴۳۰.

" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا سرسبز و شاداب اور میٹھی ہے۔ جو آدمی اس میں کسبِ مالِ حلال کرے اور اس مال کو حق اور جائز جگہ خرچ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ مل جائیں گے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائیگی) اور اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائیں گے۔

اور جو آدمی اس (دنیا) میں حرام اور ناجائز طریقے سے کسبِ مال کرے اور اسے ناحق و ناجائز جگہ خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذلت کی جگہ اتاریں گے (یعنی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اور بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اللہ و رسول کے مال میں ڈوبے ہوئے اور مستغرق ہیں ان کیلئے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں جہنم کا ذکر کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ جب بھی وہ آگ بجھے گی ہم اس کی گرمی اور شعلوں کو اور زیادہ کر دیں گے "۔

طبرانی میں مذکور ایک حدیث مبارک سن لیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: تُلِیَتْ هٰذِهِ الْآیَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "یٰٓأَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْأَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا" فَقَامَ سَعْدُ بْنُ أَبِیْ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ یَّجْعَلَنِیْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ. فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: یَا سَعْدُ! أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَکُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ. وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ إِنَّ الْعَبْدَ لَیَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِیْ جَوْفِهٖ مَا یُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا. وَأَیُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰی بِهٖ. مَتجِر رابح ص ۴۳۰۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی کہ اے لوگو ! زمین میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعاء (جس کی دعائیں قبول ہوں) بنادیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اے سعد ! تُو اپنا کھانا پاکیزہ و حلال بنالے تو پھر تُو مستجاب الدعاء ہو جائیگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جو بندہ حرام مال کا ایک لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور جس آدمی کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو اور بڑھا ہو پس آگ ہی اس گوشت کیلئے زیادہ لائق ہے (یعنی جہنم کی آگ ہی اس کیلئے زیادہ مناسب ہے)“۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس مرفوع حدیث مبارک سے اوّلاً یہ معلوم ہوا کہ ایک لقمۂ حرام سے چالیس دن تک کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں ہوتا۔

یہ کتنی خطرناک اور تباہ کن بات ہے کہ ایک لقمۂ حرام کھانے والے مسلمان کی نماز، روزہ اور دیگر تمام عبادات چالیس دن تک مردود ہو جاتی ہیں۔

ثانیاً حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حرام خور شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پس جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول ہوتی رہے اور مستجاب الدعاء بن جائے تو اس کے لئے ضروری اور لازم ہے کہ حلال رزق کھائے، حلال پیئے، حلال پہنے اور حلال مسکن میں یعنی حلال دولت سے تعمیر کردہ گھر میں رہے۔

افسوس...... کہ آجکل کے مسلمان حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی دعائیں مقبول نہیں ہوتیں۔عبادتیں بے اثر ہیں۔فتنوں میں اور آفات میں مبتلا ہیں۔مسلمانوں کے موجودہ حال کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے۔

بہ زمیں چوں سجدہ کردم زِ زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تُو بسجدۂ ریائی
بہ طوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رَہم نہ دادند
کہ برونِ دَر چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

(۱) یعنی " زمین پر جب میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے مجھے خراب اور پلید کردیا کیونکہ تیرا یہ سجدہ ریا کاری کا سجدہ ہے۔
(۲) پھر کعبۃ اللہ کے طواف کے لئے حرم شریف گیا تو حرم میں اللہ تعالیٰ نے داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میرے گھر یعنی حرم شریف سے باہر تُو نے کونسے نیک اعمال کئے کہ اب میرے گھر (حرم شریف) کے اندر آرہا ہے "۔

سب لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ بڑے عقلمند اور دانا ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عقلمند ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے عقلمند وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہوں۔ ان کے دلوں پر حُبِّ ذکر اللہ، حُبِّ عبادۃ اللہ، حُبِّ قرآن، حُبِّ احادیث نبویّہ اور حُبِّ اسلام کا غلبہ ہو۔

جس کے سینے میں دلِ آگاہ ہے
اس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے

یہ دنیا فانی ہے اور ہماری زندگی بھی فانی ہے۔ ہمیں اس دنیا میں چند روزہ زندگی اس لئے ملی ہے کہ ہم اس میں آخرت کیلئے کچھ کمائیں اور جنت حاصل کرنے کیلئے اللہ و رسول کے اوامر و نواہی کے مطابق کچھ محنت و مشقت کریں۔ کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ موت کب آئیگی۔

یہ چمن یوں ہی رہیگا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائینگی

اللہ تعالیٰ ہمیں طاعات کی توفیق بخشیں اور حلال رزق نصیب فرما کر حرام سے بچائیں۔ آمین ثم آمین۔





فصل (۱۲)

برادران کرام ! آجکل مسلمان غفلت میں ہیں۔ آخرت اور رضائے خدا تعالیٰ کا خیال نہیں کرتے۔ بس کھانے پینے اور پہننے کو انہوں نے مقصد زندگی بنالیا ہے۔ شب و روز حصولِ رزق اور حصولِ مال و دولت میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ زندگی اللہ تعالیٰ نے ایک بلند مقصد کیلئے عطا فرمائی ہے۔

مشہور فارسی شعر ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی

مَیں اس شعر میں کچھ تصرّف کر کے یوں پڑھتا ہوں۔

زندگی آمد برائے بندگی — نَے برائے خوردنی است ایں زندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی — زندگی با بندگی تابندگی
زندگی با یادِ حق مقصودِ حق — زندگی بے ذکرِ حق آوارگی

دنیا میں ہمارے آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم دارِ آخرت کے آباد کرنے اور آخرت میں خوشحال زندگی گزارنے کیلئے نیک اعمال کا ذخیرہ یہاں سے ساتھ لے جائیں۔

حدیثِ پاک ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے“۔

کھیتی رہائشگاہ نہیں ہوتی۔ کھیتی اور چیز ہے اور گھر اور چیز۔ رہائش کیلئے گھر ہی ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص کھیت اور جنگل کو گھر سمجھ بیٹھے تو وہ پاگل شمار ہوگا۔

بس آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ رہنے کی جگہ آخرت ہی ہے۔ جس شخص نے آخرت کی مسرّتیں اور خوشیاں حاصل کرلیں وہ بڑا سعادتمند اور خوش نصیب ہے اور آخرت کی فکر کرنے والا ہی سب سے بڑا دانا اور عقلمند ہے۔

حرام مال حاصل کرلینے سے یہ تو ممکن ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں سہولت و خوشحالی حاصل ہوجائے لیکن آخرت کا عذاب بڑا سخت ہے، اس کی بھی فکر ہونی چاہئے۔ اس عذاب کے مقابلہ میں دنیا کی یہ تھوڑی سی راحت و سہولت نہ ہونے کے برابر ہے۔

افسوس ...... کہ اس زمانہ میں لوگوں نے مال و جاہ، رزق و طعام اور چند روزہ فانی خوشیوں کو مقصودِ زندگی بنالیا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبُّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے ایک ٹوٹا ہوا تارا
سماں اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوئے زیبا را

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار۔ تُو ثابت، وہ سیّارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہو وہ رزق کے معاملہ میں زیادہ متفکر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی رزّاق ہیں۔

مشہور عابد و عارف شیخ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بار جنگل میں ایک نابالغ بچہ نظر آیا جو ہونٹ ہلاتا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اسے السلام علیکم کہا۔ اس نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا۔

میں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ بیٹا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ بیت اللہ شریف جا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تم اپنے ہونٹ کیوں ہلا رہے ہو؟ کہنے لگا تلاوتِ قرآن پاک کی وجہ سے۔ میں نے کہا کہ ابھی تو تم مکلّف نہیں ہو۔ پھر اتنی مشقّت و فکر کیوں کر رہے ہو؟

اس نے کہا رَأَيْتُ الْمَوْتَ يَأْخُذُ مَنْ هُوَ أَصْغَرُ مِنِّيْ سِنًّا۔ یعنی "میں نے موت کو دیکھا ہے کہ وہ مجھ سے چھوٹوں کو بھی نہیں چھوڑتی"۔

میں نے کہا خَطْوُكَ قَصِيْرٌ وَّطَرِيْقُكَ بَعِيْدٌ۔ یعنی "تمہارے قدم

چھوٹے ہیں اور راستہ (سفر) بہت لمبا ہے"۔ وہ کہنے لگا إِنَّمَا عَلَيَّ نَقْلُ الْخُطَا وَعَلَى اللّٰهِ الْإِبْلَاغُ۔ یعنی "قدم اٹھانا میرا کام ہے اور منزل تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے"۔

میں نے کہا کہ زادِ راہ اور سواری بھی تو تمہارے پاس نہیں ہے؟

وہ لڑکا کہنے لگا زَادِيْ يَقِيْنِيْ وَرَاحِلَتِيْ رِجْلَايَ۔ یعنی "میرا زادِ راہ دل کا یقین ہے اور سواری میرے اپنے پاؤں ہیں"۔

میں نے کہا کہ میں نے تو روٹی اور پانی کے متعلق سوال کیا ہے، یقین وغیرہ امور کے متعلق تو نہیں پوچھا۔ کہنے لگا۔

يَا عَمَّاهُ أَرَأَيْتَ لَوْ دَعَاكَ مَخْلُوْقٌ إِلٰى مَنْزِلِهٖ أَكَانَ يَجْمُلُ بِكَ أَنْ تَحْمِلَ مَعَكَ زَادَكَ؟ فَقُلْتُ: لَا. قَالَ: إِنَّ سَيِّدِيْ دَعَا عِبَادَهٗ إِلٰى بَيْتِهٖ. وَأَذِنَ لَهُمْ فِيْ زِيَارَتِهٖ. فَحَمَلَهُمْ ضُعْفُ يَقِيْنِهِمْ عَلٰى حَمْلِ أَزْوَادِهِمْ. وَإِنِّيْ اسْتَقْبَحْتُ ذٰلِكَ. فَحَفِظْتُ الْأَدَبَ مَعَهٗ أَفَتَرَاهُ يُضَيِّعُنِيْ؟ فَقُلْتُ: كَلَّا وَحَاشَا.

یعنی "اے چچا! اگر ایک انسان آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے تو کیا آپ اپنے ساتھ زادِ راہ لے جانا درست سمجھیں گے؟ میں نے کہا۔ نہیں۔

وہ کہنے لگا کہ میرے مولیٰ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے گھر کی طرف بلایا اور زیارت کی اجازت دی تو یقین کی کمزوری کے سبب دوسرے لوگ اپنے ساتھ زادِ راہ بھی لے جانے لگے اور میں نے اس بات کو قبیح سمجھتے ہوئے ادب کا خیال کیا۔ تو کیا میرا مولی مجھے ضائع کر دے گا (یعنی کیا وہ مجھے رزق نہیں دیگا)؟ میں نے کہا نہیں، ہرگز نہیں، وہ تجھے ضائع نہیں کریگا"۔

پھر وہ بچہ اچانک غائب ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچہ کوئی صاحبِ کرامت ولی اللہ تھا۔

شیخ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں پھر اس بچے سے میری ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس بچے نے کہا۔

یَاشَیْخُ! أَنْتَ بَعْدُ عَلٰی ذٰلِكَ الضُّعُفِ فِی الْیَقِیْنِ۔ یعنی "اے شیخ! کیا آپ کا یقین ابھی تک اسی طرح ضعیف ہے؟" پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

مَالِكُ الْعَالَمِیْنَ ضَامِنُ رِزْقِیْ
فَلِمَاذَا أُکَلِّفُ الْخَلْقَ رِزْقِیْ

قَدْ قَضٰی لِیْ بِمَا عَلَیَّ وَمَالِیْ
مَالِکِیْ فِیْ قَضَائِہٖ قَبْلَ خَلْقِیْ

صَاحِبُ الْبَذْلِ وَالنَّدٰی فِیْ یَسَارِیْ
وَرَفِیْقِیْ فِیْ عُسْرَتِیْ حُسْنُ صِدْقِیْ

فَکَمَا لَا یَرُدُّ عِجْزِیْ رِزْقِیْ
فَکَذَا لَا یَجُرُّ رِزْقِیْ حِذْقِیْ

(۱) یعنی "خدا میرے رزق کا ضامن ہے۔ پس میں کیوں رزق کے معاملے میں مخلوق کو تکلیف دوں۔

(۲) میرا مالک میرے نفع وضرر کا فیصلہ میری پیدائش سے پہلے کرچکا ہے۔

(۳) حالتِ غنا میں مدارِ سخاوت و صدقات اور تنگدستی میں میری مدد گار و رفیق میری سچائی و حُسنِ اخلاص ہے۔

(۴) جس طرح میری کمزوری رزق کیلئے مانع نہیں ہے اسی طرح صرف ہوشیار ہونا بھی حصولِ رزق کا سبب نہیں ہوسکتا"۔

آخری شعر میں ایک بہت بڑے علمی نکتے کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ رزق کا مدار عقلمند ہونا یا ہوشیار ہونا نہیں ہے بلکہ رزق براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے منقسم ہوتا ہے۔ ورنہ ہر کم عقل مفلس ہوتا اور ہر عقلمند دولتمند ہوتا۔ جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر مواقع میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ کیونکہ سب لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ کئی عقلمند غریب اور مفلس ہوتے ہیں اور کئی پاگل اور کم عقل دولتمند ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند اشعار بڑے قیمتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهٖ
بُؤْسُ اللَّبِيْبِ وَطِيْبُ عَيْشِ الْأَحْمَقِ

لَوْ أَنَّ بِالْحِيَلِ الْغِنٰى لَوَجَدْتَّنِيْ
بِنُجُوْمِ أَفْلَاكِ السَّمَاءِ تَعَلُّقِيْ

لٰكِنَّ مَنْ رُّزِقَ الْحِجٰى حُرِمَ الْغِنٰى
ضِدَّانِ مُفْتَرِقَانِ أَيَّ تَفَرُّقِ

(۱) یعنی " اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عقلمند مفلس اور

کم عقل دولتمند ہوتا ہے۔

(۲) اگر ہوشیاری اور چالاکی سے دولت ملتی تو تم مجھے آسمان کے ستاروں سے وابستہ پاتے۔

(۳) مگر بات یہ ہے کہ جسے عقل نصیب ہوتی ہے وہ عموماً (اِلّاماشاءاللہ) دولت سے محروم ہوتا ہے۔ دولت و عقل غالباً متضاد ہیں"۔

ایک اور موقع پر کسی جاہل کو مخاطب ہو کر امام شافعیؒ نے فرمایا۔

رُزِقْتَ مَالاً عَلٰی جَهْلٍ فَعِشْتَ بِهٖ
فَلَسْتَ أَوَّلَ مَجْنُوْنٍ بِمَرْزُوْقٍ

یعنی " تو باوجود جاہل ہونے کے دولتمند ہو کر زندگی گزار رہا ہے۔ سو تو کوئی پہلا مجنون (پاگل) دولتمند نہیں (بلکہ تجھ جیسے اور بھی کئی ایسے لوگ ہیں جو پاگل اور کم عقل ہونے کے باوجود دولتمند ہیں)"۔

فقہاء کا قول ہے کہ عموماً علماء و عقلاء کی زندگی جہلاء کی زندگی کے مقابلے میں تنگ گزرتی ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ صدر اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

تاہم یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ اکثری قانون ہے، یعنی عموماً ایسا ہوتا ہے۔ پس یہ قانون کلی نہیں ہے، یعنی یہ بات لازمی نہیں کہ ہر عقلمند مفلس اور غریب ہو کیونکہ کئی عقلمند اور علماء و اولیاء دولتمند بھی دیکھے گئے ہیں۔

دیکھئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تاجر تھے اور دولتمند تھے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر

رضی اللہ عنہم بڑے دولتمند اور مالدار تھے۔ حالانکہ یہ سب عقلمند اور علماءِ کبار تھے بلکہ اولیاء اللہ تھے۔

غرض عقلمند کا مفلس ہونا اور غنی کا بیوقوف و کم عقل ہونا صرف اَغلبی اور اکثری قانون وضابطہ ہے نہ کہ کلّی۔

سوال۔ اب یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امر میں کیا حکمت ہے کہ غنی عموماً کم عقل ہوتا ہے نہ کہ داناوعالم؟

اس سوال کے کئی جوابات ہیں، یعنی اس کی وجوہ اور حکمتیں متعدّد ہیں۔

جواب اوّل۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کُل اور قادرِ مطلق ہیں۔ تمام اسباب اور تمام مسبّبات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ جب تک اللہ عزّوجلّ کی مرضی نہ ہو کوئی سبب اپنے مسبَّب میں مؤثر نہیں ہوسکتا۔ اگر سبب مستقل طور پر مؤثر ہوتا اور تمام امورِ دنیا صرف اپنے ظاہری اسباب پر دائر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی وارادہ کا دخل نہ ہوتا تو پھر تو عقلمند ہی غنی ہوتا نہ کہ بے عقل۔ کیونکہ ظاہری اسباب والی قوّت عقلمند کے پاس زیادہ ہے جو کہ عقل اور دانائی ہے۔

لیکن عقلمند عموماً دولتمند نہیں ہوتا بلکہ بیوقوف اور کم عقل دولتمند ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ یہ ہے کہ کم عقل غنی ہو نہ کہ عقلمند۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اسباب سے مسبّبات کا ارتباط صرف سرسری اور ظاہری بات ہے۔ فی الواقعہ تمام امور کے وجود اور حدوث کا اصلی مدار اللہ تعالیٰ کی مشیّت وارادہ ہے۔

یہ ایک عظیم علمی دقیق نکتہ ہے جو عقلمند کے عموماً فقیر اور مفلس ہونے اور

غنی کے عموماً بے عقل اور بیوقوف ہونے سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کے مذکورہ صدر اشعار میں اسی جواب اوّل کی طرف اشارہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عقلمند کا مفلس ہونا اور کم عقل انسان کا دولتمند ہونا اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر کی بڑی واضح دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ عزوجل کی تقدیر کے تابع ہے۔ اگر عقل اور حیلہ سازی مدارِ وجودِ اشیاء ہوتیں اور اشیاء کا وجود تقدیر الٰہی کا پابند نہ ہوتا تو پھر معاملہ برعکس ہوتا، یعنی ہر عقلمند دولتمند ہوتا اور ہر بیوقوف وکم عقل غریب اور مفلس ہوتا۔ امام شافعیؒ کے اشعار دوبارہ پڑھ لیں اور سن لیں۔

وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهٖ
بُؤْسُ اللَّبِيْبِ وَطِيْبُ عَيْشِ الْأَحْمَقِ
لَوْ أَنَّ بِالْحِيَلِ الْغِنٰى لَوَجَدْتَّنِيْ
بِنُجُوْمِ أَفْلَاكِ السَّمَاءِ تَعَلُّقِيْ
لٰكِنَّ مَنْ رُّزِقَ الْحِجٰى حُرِمَ الْغِنٰى
ضِدَّانِ مُفْتَرِقَانِ أَيَّ تَفَرُّقِ

جواب دوم۔ غنی کے عموماً کم عقل ہونے اور عقلمند کے عموماً مفلس ہونے میں ایک حکمت یہ ہے کہ عقلمند کو بے جا فخر اور غرور سے بچانا مقصود ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو عقلمند فخر اور غرور میں مبتلا ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ فخر و تکبر و غرور انسان کو تباہ کرتے ہیں۔

چنانچہ بعض کتابوں میں مکتوب ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا۔ لِمَ يَرْزُقُ اللّٰهُ الْجُهَلَاءَ أَكْثَرَ مِمَّا يَرْزُقُ الْعُقَلَاءَ؟ فَقَالَ:

لِئَلَّا يَغْتَرَّ أَهْلُ الْعَقْلِ بِعُقُوْلِهِمْ۔

یعنی " اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہلوں کو عقلمندوں کے مقابلے میں زیادہ مال دیتے ہیں ؟ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اس میں یہ راز اور حکمت ہے کہ عقلمند لوگ کہیں غرور و تکبّر میں مبتلا ہو کر اپنی عقل پر فخر نہ کرنے لگیں "۔

جواب سوم۔ اس کی ایک اور حکمت و وجہ بھی ہے، وہ یہ کہ علماء و عقلاء مال کے حصول کی زیادہ کوشش نہیں کرتے۔ اُن کی دُوررس نگاہیں مال سے کہیں زیادہ بلند مقاصد پر ہوتی ہیں اور مال کو وہ ان بلند عزائم و مقاصد کیلئے صرف ایک معمولی وسیلہ وذریعہ سمجھتے ہیں۔

پس عقلاء کی نظر اصل مقصود پر ہوتی ہے نہ کہ وسیلہ پر۔ اسی طرح ان کی کوشش اور محنت اوّلاً و بالذات مقاصد کیلئے ہوتی ہے نہ کہ وسائل کیلئے۔ البتہ اگر وہ حصولِ وسائل کے لئے محنت اور کوشش کریں بھی تو وہ ثانیاً و بالعرض کے درجہ تک محدود ہوتی ہے نہ کہ اوّلاً و بالذات کے درجہ تک۔

مگر جہلاء کی تمام تر کوشش اور محنت مال کیلئے ہوتی ہے اور مال ہی ان کا مقصود اصلی ہوتا ہے۔ اس لئے جہلاء کے پاس مال کی بہتات اور عقلاء کے ہاں مال کی قلّت ہوتی ہے۔

جواب چہارم۔ اس کی ایک حکمت و وجہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ عقلاء کو جو عقل ملی ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس عقل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جہلاء و حمقاء کو دولت دیتے ہیں تاکہ عقل سے محرومی کے ساتھ مال و دولت سے تو محروم نہ ہوں۔

جہلاء کو بھی دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ ملنا چاہئے۔
انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب نعمتیں ایک ہی گروہ کو نہیں ملنی چاہئیں۔

بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ انگشتری بائیں ہاتھ کی انگلی میں کیوں پہنتے ہیں؟ فرمایا کہ دائیں ہاتھ کیلئے دایاں ہونے کا اعزاز وشرف اور زینت کافی ہے۔ کچھ زینت و اعزاز تو بائیں ہاتھ کو بھی ملنا چاہئے۔

بہر حال دولتمند ہونا عقلمندی کی علامت نہیں ہے اور نہ ہی نیک بختی کی علامت ہے۔

اس مضمون کی مزید تفصیل کی خاطر عربی کے چند سبق آموز اشعار پیش خدمت ہیں۔

ان اشعار میں مذکور مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ غنی ہونا کسی بڑی عزت اور بڑے بلند مقام کی علامت نہیں ہے۔ اسی طرح فقیر ہونا ذلت و حقارت کی دلیل نہیں ہے۔ دیکھئے۔ کئی متّقی و اولیاء فقیر ہوتے ہیں اور کئی شقی اور فُسّاق غنی ہوتے ہیں۔ قارون غنی تھا حالانکہ وہ کافر اور شقی تھا، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام غنی نہ تھے حالانکہ وہ پیغمبر تھے۔

البتہ اگر تقویٰ اور کثرتِ مال و دولت دونوں چیزیں کسی شخص میں جمع ہوجائیں یعنی وہ متقی بھی ہو اور غنی بھی مثل عثمان و عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما تو یہ سعادت ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص میں کفر اور فقر جمع ہوجائیں یعنی وہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ فقیر اور مفلس بھی ہو تو یہ بڑی شقاوت ہے۔

فَكَمْ مِّنْ غَبِيٍّ كَانَ أَغْنٰى زَمَانِهٖ
وَكَمْ مِّنْ ذَكِيٍّ مَّاتَ مِنْ فَقْرِهٖ قَهْرًا

"کئی بیوقوف دولتمندِ زمانہ ہوتے ہیں اور کئی دانشور افلاس و فاقہ سے مجبور ہوتے ہیں"۔

وَكَمْ مِّنْ تَقِيٍّ عَاشَ فِي الْفَقْرِ رَاضِيًا
وَكَمْ مِّنْ شَقِيٍّ كَانَ أَغْنَى الْوَرٰى طُرًّا

"اور کئی پرہیزگار غربت پر راضی ہوتے ہیں اور کئی بدکار سب سے بڑے غنی ہوتے ہیں"۔

وَقَارُوْنُ أَغْنَى النَّاسِ قَدْ كَانَ كَافِرًا
وَآجَرَ مُوْسٰى نَفْسَهٗ حِجَجًا عَشْرًا

"اور قارون جو سب سے بڑا دولتمند تھا وہ کافر تھا لیکن موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غربت کی وجہ سے کئی سال مزدوری کی"۔

فَأَكْرِمْ بِأَهْلِ الدِّيْنِ كَانُوْا بِحُكْمِهٖ
أَشَدَّ الْوَرٰى زُهْدًا وَّ أَكْثَرُهُمْ فَقْرًا

"کتنے مبارک ہیں وہ دین دار لوگ جو دین داری کی وجہ سے شدّتِ افلاس کے باوجود نہایت پرہیزگار ہوں"۔

أَلَا الدِّيْنُ وَالدُّنْيَا كَمِيْزَانِ تَاجِرٍ
إِذَا انْحَطَّ مِنْهُ كِفَّةٌ عَلَتِ الْأُخْرٰى

"خبردار ...... دین اور دولت ترازو کے دو پلڑوں کی مانند ہیں۔ جب ایک نیچے ہو جائے تو دوسرا بلند ہو جاتا ہے"۔

وَقَدْ یَجْمَعُ اللّٰہُ السَّعَادَۃَ فِیْہِمَا
لِعَبْدٍ وَّیُعْطِیْ آخَرَ الْفَقْرَ وَالْکُفْرَا

” اور کبھی اللہ تعالیٰ دین اور دولت دونوں کی سعادت سے ایک شخص کو نواز دیتے ہیں اور گاہے افلاس و کفر دونوں ایک شخص میں جمع کر دیتے ہیں “۔

وَأَکْرِمْ بِمَنْ قَدْ حَازَ فِی النَّاسِ ثَرْوَۃً
بِسَعْیٍ جَمِیْلٍ فِی الْحَلَالِ بِہٖ أَثْرٰی

” کتنا نیک بخت ہے وہ شخص جو دولتمند ہو گیا حلال مال میں کوشش کرتے ہوئے “۔

کَعُثْمَانَ أَغْنَی الْجَیْشَ وَالْجَیْشُ مُعْسِرٌ
وَ جَھَّزَہٗ إِبِلًا وَّ جَھَّزَہٗ تِبْرًا

” جیسا کہ عثمانؓ نے جیشِ عسرت (جنگ تبوک) میں مالی مدد دی اور فوج کو اونٹوں اور سیم وزر سے تیار کیا “۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں جنگل میں جا رہا تھا۔ مجھے ایک فقیر (جو دراصل بڑے ولی اللہ تھے) ملا جو ننگے پاؤں اور ننگے سر جا رہا تھا۔ اس کے پاس دو چھوٹے چھوٹے کپڑے تھے۔ ایک کپڑے سے دھوتی باندھی ہوئی تھی اور دوسرے کو چادر کی جگہ اوڑھا ہوا تھا۔

لَیْسَ مَعَہٗ زَادٌ وَّلَا رِکْوَۃٌ۔ یعنی ” اس کے پاس نہ زادِ راہ تھا اور نہ لوٹا تھا “۔

میں نے دل میں کہا لَوْ کَانَ مَعَ ھٰذَا رِکْوَۃٌ وَّحَبْلٌ إِذَا أَرَادَ تَوَضَّأَ وَصَلّٰی کَانَ خَیْرًا لَّہٗ۔ یعنی ” اگر اس کے پاس لوٹا اور رسی ہوتی (تو کنویں سے

پانی نکال کر لوٹے میں ڈال لیتا) اور جس وقت چاہتا وضوء کر کے نماز پڑھ لیتا تو بہتر ہوتا"۔

پھر میں اس فقیر کے پاس چلا گیا۔ دوپہر کی سخت گرمی تھی۔ میں نے جا کر کہا۔ اے جوان! یہ چادر بجائے کندھوں کے اگر سر پر ڈال لو تو بہتر ہو گا تاکہ تم دھوپ سے بچ جاؤ۔ وہ خاموش ہو گیا اور چل دیا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے کہا أَنْتَ حَافٍ مَاتَرٰی فِیْ نَعْلِیْ تَلْبِسُهَا سَاعَةً وَّأَنَا سَاعَةً۔

یعنی "تم ننگے پاؤں چل رہے ہو۔ یہ ہیں میرے جوتے، کبھی تم پہن لو کبھی میں پہن لونگا"۔ وہ کہنے لگا تم بڑی فضول باتیں کرتے ہو۔

پھر اس نے پوچھا کہ تم نے کچھ حدیثیں لکھی ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں لکھی ہیں۔ کہنے لگا کہ یہ حدیث تم نے نہیں لکھی مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔ یعنی " آدمی کے اسلام کی خوبی اور حُسن یہ ہے کہ وہ لایعنی (فضول) باتوں کو ترک کر دے"۔ میں خاموش ہو گیا۔

اس کے بعد ہم آگے گئے۔ چلتے چلتے مجھے پیاس لگی۔ ہم ساحلِ سمندر پر تھے۔ اس نے کہا أَنْتَ عَطْشَانٌ؟ فَقُلْتُ: لَا. فَمَشَیْنَا سَاعَةً. وَقَدْ کَظَّنِی الْعَطَشُ.

یعنی "کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر ہم ایک گھنٹہ مزید چلے مگر پیاس نے مجھے سخت پریشان کیا"۔ پھر اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا أَنْتَ عَطْشَانٌ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ۔ یعنی "کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں"۔

وَمَا تَقْدِرُ تَعْمَلُ مَعِیَ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْضِعِ؟ فَأَخَذَ الرَّکْوَةَ مِنِّیْ

وَدَخَلَ الْبَحْرَ وَغَرَفَ الْمَاءَ وَجَاءَنِیْ بِہٖ وَقَالَ: اِشْرَبْ. فَشَرِبْتُ مَاءً أَعْذَبَ مِنْ مَّاءِ النِّیْلِ وَأَصْفٰی لَوْنًا وَّفِیْہِ حَشِیْشٌ.

یعنی ”(میں نے کہا کہ) تم اس مقام پر میری کیا اعانت و مدد کر سکتے ہو؟ اس نے لوٹا مجھ سے لیا اور سمندر میں داخل ہوا اور پانی سے بھر کر میرے پاس لایا اور کہنے لگا۔ پی۔ میں نے پیا۔ وہ پانی دریائے نیل کے پانی سے زیادہ میٹھا اور صاف تھا (حالانکہ سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے) اور اس میں کچھ تنکے بھی تھے“۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقیر کوئی ولی اللہ تھے اور صاحبِ کرامت تھے۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات بڑے عجیب اور نرالے ہوتے ہیں۔ دیکھئے۔ اس بزرگ کو اپنے رفیق کی اندرونی پوشیدہ حالت یعنی پیاس کا بطورِ کشف و کرامت علم ہوا۔ پھر سمندر کا کھاری پانی جو لوٹے میں تھا اللہ عزّوجلّ نے اپنے فضل سے میٹھا کر دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

إِذَا وَرَدُوا الْأَطْلَالَ تَاهَتْ بِهِمْ عُجْبًا
وَإِنْ لَّمَسُوْا عُوْدًا زَهَا غُصْنُہٗ رَطْبًا
وَإِنْ وَّطِئُوْا یَوْمًا عَلٰی ظَهْرِ صَخْرَةٍ
لَأَنْبَتَتِ الصَّمَّاءُ مِنْ وَّطْئِهِمْ عُشْبًا
وَإِنْ وَّرَدُوا الْبَحْرَ الْأُجَاجَ لِشَرْبَةٍ
لَأَصْبَحَ مَاءُ الْبَحْرِ مِنْ رَّبْعِهِمْ عَذْبًا

(۱) یعنی ” بزرگ لوگ جب جنگل اور کھنڈرات میں پہنچتے ہیں تو وہ

کھنڈرات خوش ہوجاتے ہیں اور اگر وہ خشک لکڑی کو ہاتھ لگائیں تو سرسبز ہوجائے۔

(۲) اور اگر وہ بزرگ سخت چٹان پر چلیں تو وہ چٹان ان کی برکت سے سبزہ اگائے۔

(۳) اور اگر وہ کھارے پانی والے سمندر میں پانی پینے کیلئے جائیں تو ان کی اقامت، آمد اور برکت کی وجہ سے اس کا پانی میٹھا ہوجائے "۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ کوئی ولی اللہ ہیں، ان سے مواخات کی درخواست کرنی چاہیئے۔ لیکن اس وقت اس بات کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جب منزل پر پہنچ جائیں گے تو اس وقت ان سے اخوّت وصحبت ورفاقت کی درخواست کروں گا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ وہ بزرگ چلتے چلتے فوراً رُک گئے اور کہنے لگے۔

أَيُّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ تَمْشِيْ أَوْ أَمْشِيْ۔ یعنی " دو باتوں میں سے ایک ہوگی۔ یا تم آگے چلے جاؤ (اور میں یہیں رُک جاتا ہوں) یا میں آگے جاتا ہوں (اور تم یہیں رہو) "۔

میں نے سوچا کہ اگر یہ آگے چلے گئے تو مجھ سے گم ہوجائیں گے لہٰذا میں جاتا ہوں اور آگے کسی منزل پر جاکر رک جاؤنگا۔ جب یہ بزرگ وہاں پہنچیں گے سَأَلْتُهُ الصُّحْبَةَ " تو رفاقت کی درخواست کرونگا "۔

انہوں نے دوبارہ فرمایا۔ اے ابوبکر ! اگر تم یہاں رکنا چاہتے ہو تو میں آگے جاتا ہوں اور اگر تم جانا چاہتے ہو تو میں پیچھے ہوتا ہوں۔ بہرحال میری اور تمہاری رفاقت ختم۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور مجھے وہیں چھوڑ دیا۔

چنانچہ میں منزلِ سفر پر پہنچ گیا۔ اس منزل یعنی شہر میں میرا ایک دوست رہتا تھا۔ اس کے گھر میں ایک شخص سخت بیمار تھا۔ میرے پاس اس فقیر ولی اللہ کے دیئے ہوئے پانی میں سے کچھ پانی باقی تھا۔ میں نے وہ بچا ہوا پانی گھر والوں کو دیتے ہوئے کہا کہ یہ پانی تھوڑا سا اس مریض پر ڈال دو۔ چنانچہ اس پر پانی ڈالا گیا۔ وہ مریض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فوراً تندرست ہوگیا۔

میں نے اس شہر والوں سے اس بزرگ کے متعلق پوچھا کہ شاید ان میں سے کوئی شخص اس بزرگ کو جانتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اس قسم کے آدمی کو یہاں کبھی نہیں دیکھا۔

حضرات کرام! بہت سے اولیاء اللہ خصوصاً ابدال عموماً مستور رہتے ہیں۔ اس قسم کے بزرگوں کی ادنیٰ و قلیل ملاقات بھی بہت بڑی غنیمت ہے۔ ان بزرگوں ہی کی وجہ سے تو یہ دنیا موجود و باقی ہے اور ان اولیاء اللہ ہی کی برکت سے دنیا کا یہ جمال و حُسن قائم ہے۔

دُنیا بغیر عشق ہمیں ناپسند ہے
یوسف نہیں تو مصر کا بازار کیا کریں

اللہ تعالیٰ کے دربارِ جلال و جمال میں یہ اولیاء اللہ ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص ذوق، خاص شوق اور خاص انوار سے نوازا ہوتا ہے۔

از لطفِ خلّاقِ زماں   داریم ممتاز از جہاں
وضعِ دِگر طرزِ دِگر   ذوقے دِگر شوقے دِگر

توکُّل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت اور مدد کی ایک اور ایمان افروز

حکایت سن لیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حجاز کے بیابانوں میں کئی دن رہا اور مسلسل کئی دنوں تک کچھ نہ کھایا۔

فَاشْتَهَيْتُ بَاقِلَاءَ وَخُبْزًا حَارًّا.

یعنی " میرے دل میں لوبیا (دال) اور گرم روٹی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی "۔

پھر مجھے خیال آیا کہ میں جنگل میں ہوں اور آبادی یعنی شہر اور میرے درمیان بڑی طویل مسافت ہے۔ تو یہ کھانا جس کی مجھے خواہش ہوئی ہے یہاں پر مجھے کیسے مل سکے گا؟ فرماتے ہیں کہ یہ تصوّر ابھی پورا دل میں نہیں آیا تھا کہ دُور سے ایک دیہاتی نے آواز دی۔ يَا بَاقِلَاءَ وَخُبْزًا حَارًّا۔ یعنی " آیئے۔ لوبیا اور گرم روٹی کھایئے "۔

میں اس دیہاتی کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس لوبیا اور گرم روٹی ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں میرے پاس ہے۔ پھر اس نے اپنی چادر کھول کر اس میں سے لوبیا اور گرم روٹی نکالی اور مجھے کہا۔ کھایئے۔ میں نے کھایا۔ اس نے کہا۔ اور کھایئے۔ میں نے اور کھایا۔ اس نے تیسری بار کہا۔ اور کھایئے۔ میں نے مزید کھایا۔

فرماتے ہیں کہ جب چوتھی مرتبہ اس نے کہا کہ اور کھایئے تو میں نے اس سے پوچھا۔

بِحَقِّ الَّذِیْ بَعَثَكَ لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْبَرِّيَّةِ إِلَّا مَا قُلْتَ مَنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: " اَلْخَضِرُ ". وَغَابَ عَنِّيْ فَلَمْ أَرَهُ.

یعنی " اس ذات کی قسم جس نے تجھے اس جنگل میں میرے لئے بھیجا

ہے بتا تُو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ پھر وہ مجھ سے یکلخت غائب ہو گئے "۔

ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں مجھے پیاس لگی۔ پیاس کی شدّت سے میں نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اچانک میرے چہرے پر کسی نے پانی چھڑکا۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔

فَإِذَا بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ رَاكِبٍ عَلٰى دَابَّةٍ شَهْبَاءَ فَسَقَانِي الْمَاءَ وَقَالَ: كُنْ رَفِيْقِي فَمَا لَبِثْتُ إِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى قَالَ لِيْ: مَا تَرٰى؟ فَقُلْتُ: أَرَى الْمَدِيْنَةَ الْمُنَوَّرَةَ. فَقَالَ: اِنْزِلْ فَاقْرَأْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ الصَّلَاةَ وَقُلْ لَهٗ: أَخُوْكَ الْخَضِرُ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ.

یعنی " اچانک ایک خوبصورت آدمی نظر آیا جو سیاہ و سفید داغوں والے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا۔ میرے ساتھ چلئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کوئی چیز نظر آرہی ہے؟ میں نے کہا مدینہ طیبہ نظر آرہا ہے۔ اس نے کہا۔ اتریئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ان پر درود شریف پڑھ کر کہئے کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے "۔

معلوم ہوا کہ گھوڑے پر سوار شخص اور ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو پانی پلانے والے خضر علیہ السلام تھے جو بحکم خدا تعالیٰ ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کیلئے غیبی مددگار کے طور پر جنگل میں نمودار ہوئے اور انہیں پانی پلا کر موت سے بچایا اور پھر انہیں مدینہ منورہ پہنچایا۔ اولیاء اللہ کے معاملات ایسے ہی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

تُو خدا ہی کے ہوئے پر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

مشہور بزرگ شیخ ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مدینہ منوّرہ گیا۔ پانچ روز گزر گئے مگر کھانے کو کچھ نہ ملا۔ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارک کے سامنے کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجنے کے بعد عرض کیا۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَنَا ضَيْفُكَ اللَّيْلَةَ. وَتَنَحَّيْتُ وَنِمْتُ خَلْفَ الْمِنْبَرِ. فَرَأَيْتُهُ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَنَامِ وَأَبُوْبَكْرٍ رضي الله عنه عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعُمَرُ رضي الله عنه عَنْ يَسَارِهٖ وَعَلِيٌّ رضي الله عنه بَيْنَ يَدَيْهِ. فَحَرَّكَنِيْ عَلِيٌّ رضي الله عنه وَقَالَ لِيْ: قُمْ فَقَدْ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم. فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَقَبَّلْتُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ. فَدَفَعَ إِلَيَّ رَغِيْفًا. فَأَكَلْتُ نِصْفَهٗ. وَانْتَبَهْتُ وَفِيْ يَدِيْ وَاللهِ نِصْفُهٗ.

یعنی ”یا نبی اللہ ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں ہٹ کر منبرِ نبی علیہ السلام کے پیچھے سوگیا۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ کے ساتھ دائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ، بائیں جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے حرکت دے کر فرمایا اٹھئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ پس میں اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی دی۔ میں نے آدھی روٹی (خواب

ہی میں) کھالی ۔ پھر بیدار ہوا تو بقیہ آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی "۔

حضرات کرام ! یہ حکایت اس ولی اللہ کی کرامت تھی ۔ اولیاء اللہ کے احوال وواقعات اس قسم کے نادر اور ایمان افروز ہوتے ہیں ۔ اولیاء اللہ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ ترک کرنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتے ہیں ۔ خواہشاتِ نفسانی کے تابع لوگ شیطان کے قریب ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دور ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس وشیطان کے اتباع سے بچائیں ۔ آمین ۔ خواہشاتِ نفسانیہ کو چھوڑ کر انسان عند اللہ بلند درجہ حاصل کر سکتا ہے ۔

مسلمان کو چاہئے کہ اپنے قلب کو شوقِ عبادت اور ذکرِ خدا سے زندہ کرے ۔ آجکل اکثر لوگوں کے دل شوقِ عبادت اور ذکر اللہ سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ ہیں ۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

وہ دل نہیں جس میں کوئی ارماں نہیں ہوتا
وہ گھر نہیں جس میں کوئی مہماں نہیں ہوتا
وہ دیکھنے والے سے تو پنہاں نہیں ہوتا
ہاں دیکھنے والا بھی ہر انساں نہیں ہوتا

ایک موثّق شخص یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ میں نے مشہور صوفی اور بزرگ حضرت سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے دیکھا وَھُوَ یَتَمَایَلُ ۔ یعنی " وہ خوشی سے جھوم رہے تھے "۔

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے سامنے آپ اس وقت کھڑے ہیں ۔ بتائیں کہ آپ اس درجۂ عظیم تک کیسے پہنچے ؟

وہ شخص کہتا ہے کہ جب سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا ذکر سنا تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

سمنونؒ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو غم کے کچھ اشعار پڑھے۔ پھر فرمایا۔ اے میرے بھائی! میں نے اپنے نفس کو پانچ خصال کا خُوگر بنایا ہے۔

اَلْأُولٰى أَمَتُّ مِنِّيْ مَاكَانَ حَيًّا وَّهُوَ هَوَى النَّفْسِ. وَأَحْيَيْتُ مِنِّيْ مَاكَانَ مَيِّتًا وَّهُوَ الْقَلْبُ.

وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَإِنِّيْ أَحْضَرْتُ مَاكَانَ عَنِّيْ غَائِبًا وَّهُوَ حَظِّيْ مِنَ الدَّارِ الْآخِرَةِ. وَغَيَّبْتُ عَنِّيْ مَاكَانَ عِنْدِيْ حَاضِرًا وَّهُوَ نَصِيْبِيْ مِنَ الدُّنْيَا.

وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَإِنِّيْ أَبْقَيْتُ مَاكَانَ فَانِيًا عِنْدِيْ وَهُوَ التُّقٰى. وَأَفْنَيْتُ مَاكَانَ بَاقِيًا عِنْدِيْ وَهُوَ الْهَوٰى.

وَأَمَّا الرَّابِعَةُ فَإِنِّيْ آنَسْتُ بِالْأَمْرِ الَّذِيْ مِنْهُ تَسْتَوْحِشُوْنَ وَفَرَرْتُ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِيْ إِلَيْهِ تَسْكُنُوْنَ. عُقَلَاءُ المجانِين ص ۱۴۰ والروض.

یعنی " اوّل یہ کہ میں نے اپنے اندر زندہ خواہش نفسانی کو مار ڈالا اور مردہ دل کو زندہ کیا۔

دوم یہ کہ میں نے آخرت میں اپنے غائب نصیب کو حاضر کر دیا اور دنیا میں اپنے حاضر حصے کو غائب کر دیا۔

سوم یہ کہ جو میرے پاس فانی چیز تھی یعنی تقویٰ، جسے لوگ بے کار و فانی سمجھتے ہیں، اسے باقی سمجھا اور جو میرے پاس باقی چیز تھی یعنی ہوائے نفس جسے عوام

باقی اور اہم سمجھتے ہیں اسے فنا کر دیا۔

چہارم یہ کہ میں اس چیز (عبادت وذکر اللہ) سے مانوس ہوا جس سے تم نفرت کرتے ہو اور اس چیز سے بھاگا (یعنی اتّباع شیطان سے) جس سے تم اُنس رکھتے ہو (پانچویں خصلت نہیں بتائی)"۔

پھر روانہ ہوتے ہوئے سمنون ؒ نے دردِ آخرت وعشقِ آخرت کے یہ اشعار پڑھے۔

رُوْحِیْ إِلَیْكَ بِكُلِّهَا قَدْ أَقْبَلَتْ
لَوْكَانَ فِیْكَ هَلَاكُهَا مَا أَقْلَعَتْ
تَبْكِیْ عَلَیْكَ تَخَوُّفًا وَّتَلَهُّفًا
حَتّٰی یُقَالُ مِنَ الْبُكَاءِ تَقَطَّعَتْ
فَانْظُرْ إِلَیْهَا نَظْرَةً بِتَعَطُّفٍ
فَلَطَالَمَا مَتَّعْتَهَا فَتَمَتَّعَتْ

(۱) یعنی "اے محبوب ! میری روح آپ کی طرف متوجہ ہے۔ آپ کی محبت میں اگر ہلاکت کا خطرہ ہو تو بھی وہ باز نہ آئے گی۔

(۲) آپ کی مودّت میں خوف وحزن سے گریاں ہے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ اب تو وہ پارہ پارہ ہو جائیگی۔

(۳) اس کی طرف آپ کی ایک نگاہِ شفقت چاہیئے۔ کئی بار آپ نے جب اسے اس قسم کا نفع پہنچایا تو وہ روح لطف اندوز ہونے لگی"۔

اللہ عزّوجلّ مسلمانوں کو ناجائز خواہشاتِ نفسانیہ ختم کرنے، تقویٰ کو باقی و

دائمی رفیق سمجھنے، غائب جنّتی مسرّات کو حاضر سمجھنے، عبادۃ اللہ و ذکر اللہ سے مانوس ہونے اور اتّباعِ شیطان سے احتراز و اجتناب کرنے کی توفیق سے نوازیں۔

آمین۔





فصل (۱۳)

برادران اسلام ! دنیا میں بعض ایسے انسان بھی ہوتے ہیں کہ عام لوگ انہیں حقیر وغیر معزّز سمجھتے ہوئے ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ لیکن فی الواقع وہ ولی اللہ و محبوبِ خدا تعالیٰ ہوتے ہیں۔

بعض علماء کبار کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ أَخْفٰی أَوْلِیَاءَہٗ فِیْ خَلْقِہٖ. فَلَا تُحَقِّرَنَّ أَحَدًا فَلَعَلَّ ذَاكَ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ یعنی " اللہ عزوجل نے اپنے اولیاء کو مخلوق میں چھپا رکھا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو غربت و افلاس اور ظاہری کمزور ہیئت کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو "۔

چنانچہ مذکورہ صدر بزرگ حضرت سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے عابد و متقی و ولی اللہ تھے۔ عوام میں وہ سمنون مجنون کے نام سے مشہور تھے۔ عوام انہیں پاگل اور حواس باختہ انسان سمجھتے تھے حالانکہ وہ بلند مقام و مرتبہ والے اہل اللہ میں سے تھے۔ یہ قدماء میں سے ہیں۔ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے قبل ان کی وفات ہوئی۔ سمنون رحمہ اللہ نے اپنا نام سمنونِ کذّاب رکھا تھا، یعنی جھوٹا سمنون۔

کتاب عقلاء المجانین میں ہے سَمْنُوْنُ ھُوَابْنُ حَمْزَۃَ الْخَوَّاصِ أَبُوالْحُسَیْنِ. سَکَنَ بَغْدَادَ وَمَاتَ قَبْلَ الْجُنَیْدِ۔

یعنی ”ان کا نام سمنون بن حمزۃ الخوّاص ابو الحسین ہے۔ بغداد میں سکونت اختیار فرمائی اور جنید رحمہ اللہ تعالیٰ سے قبل وفات پائی“۔

بعض کتابوں میں سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال و واقعات منقول ہیں جو نہایت حکیمانہ، واعظانہ، ایمان افروز اور سبق آموز ہیں۔ سمنونؒ کے چند اقوالِ نافعہ وواقعاتِ واعظہ تکمیلِ افادہ کی خاطر پیش خدمت ہیں۔

سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بابِ بنی شیبہ کے پاس سات دن تک نہایت غمگین و پریشان پڑا رہا۔

فَهَتَفَ بِيْ هَاتِفٌ فِيْ آخِرِ لَيْلِيْ : مَنْ أَخَذَ مِنَ الدُّنْيَا فَوْقَ مَا يُجْزِؤُهٗ أَعْمَى اللَّيْلُ عَيْنَيْ قَلْبِهٖ.

یعنی ”رات کے آخری حصہ میں مجھے کسی نے غیب سے یہ آواز دی کہ جو آدمی دنیاوی مال ومتاع اپنی ضرورت سے زائد حاصل کرتا ہے تو رات اس کے دل کی دونوں آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے“۔

ہاتف کا یہ قول کتنا حکیمانہ اور واعظانہ ہے۔ کاش...... کہ سب مسلمان اس قول کے مطابق زندگی گزارتے۔

ایک مرتبہ کسی نے سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اس بات کا پتہ کیسے چلے گا کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت کسی نیک شخص کے بارے میں وعدۂ اجر وثواب پورا فرمائیں گے (کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ شاید وہ نیک شخص کسی گناہ کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہو)؟

سمنونؒ نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ وہ سوال و جواب یہ ہیں۔

قِيلَ لَهُ: مَا عَلَامَةُ مَنْ يَفِي لَهُ رَبُّهُ؟ قَالَ: يَا هٰذَا! اِجْعَلْ قَبْرَكَ خِزَانَتَكَ. وَأَحْسِنْهَا مِنْ كُلِّ عَمَلٍ صَالِحٍ. فَإِذَا أُورِدْتَّ عَلٰى رَبِّكَ سَرَّكَ مَا تَرٰى.

یعنی "سمنون ؒ سے پوچھا گیا کہ اس شخص کی کیا علامت ہے جس کے ساتھ اُس کا ربّ بروز قیامت وعدۂ اجر وثواب پورا کریگا۔ تو سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تو اس سوال کی بجائے میری ایک نصیحت پر عمل کر، وہ یہ کہ) تو اپنی قبر کو اپنے لئے خزانہ بنالے اور اس خزانے کو ہر اچھے عمل سے مزین کر۔ پھر جب تو اپنے ربّ تعالیٰ کے پاس جائیگا تو وہاں پر ملنے والا اجر وثواب تجھے خوش کردیگا"۔

سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو میں نے غصے سے ڈنڈا اٹھایا تاکہ شیطان کو ماروں، پھر خواب میں مجھے بتلایا گیا کہ شیطان کے مارنے اور بھگانے کا طریقہ یہ نہیں بلکہ اور ہے۔

رَأَيْتُ إِبْلِيسَ فِي الْمَنَامِ فَأَخَذْتُ عَصَايَ لِأَضْرِبَهُ فَهَتَفَ بِي هَاتِفٌ: هُوَلَا يَهْرُبُ مِنْ عَصَاكَ وَإِنَّمَا يَهْرُبُ مِنْ نُّوْرِ الْقَلْبِ.

یعنی "میں نے خواب میں شیطان کو دیکھ کر ڈنڈا اٹھایا تاکہ اسے ماروں تو ہاتفِ غیبی نے یہ آواز دی کہ (اے سمنون!) شیطان آپ کے ڈنڈے سے ڈر کر نہیں بھاگے گا بلکہ یہ نورِ قلب (معرفت اللہ و عمل صالح) کی طاقت و ڈر سے بھاگے گا"۔

سمنون ؒ کا یہ خواب بڑا مفید، بڑا عبرت انگیز اور بڑا ایمان افروز ہے۔ لہٰذا جو شخص شیطان کو بھگا کر اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ

ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ توحید وطاعات و عبادات وذکر اللہ کے انوار سے وہ اپنے سینے اور اپنے دل کو منوّر کرلے، پس شیطان اس کے قریب نہیں آئیگا۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ رحمہ اللہ تعالیٰ: سَأَلْتُ سَمْنُوْنَ رحمہ اللہ تعالیٰ عَنْ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم "رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ تَعِی الذِّکْرَ" فَقَالَ: مَعْنَاہُ رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ مِنْ هُمُوْمِ الدُّنْیَا تَعِیْ أَذْکَارَ الْآخِرَةِ.

"محمد بن عبد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول "تم اپنے دلوں کو راحت پہنچاؤ تو وہ ذکر کو یاد کرلیں گے" کے معنی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا کے تفکّرات اور غموں سے اپنے دلوں کو خالی کرکے انہیں راحت پہنچاؤ تو وہ آخرت کے اذکار کو یاد کرلیں گے"۔

یہ حدیث شیخ عجلونی نے کشفِ خفاء میں بایں الفاظ ذکر کی ہے۔ رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً وَّسَاعَةً. وَقَالَ: رَوَاہُ الدَّیْلَمِیُّ وَأَبُوْنُعَیْمٍ وَالْقُضَاعِیُّ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا. وَفِیْ رِوَایَةٍ "الْقَلْبَ" بِالْإِفْرَادِ.

قَالَ إِبْرَاهِیْمُ بْنُ فَاتِكٍ رحمہ اللہ تعالیٰ: سُئِلَ سَمْنُوْنُ رحمہ اللہ تعالیٰ عَنْ مَعْنٰی قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم "الْمُؤْمِنُ یَأْکُلُ فِیْ مِعًی وَّاحِدٍ وَّالْکَافِرُ یَأْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ" (ذَکَرَہُ الْعَجْلُوْنِیُّ فِیْ کَشْفِ الْخِفَاءِ وَقَالَ: رَوَاہُ الشَّیْخَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہم) فَقَالَ: وَاحِدٌ مِّنْهَا طَبْعٌ وَّسِتَّةٌ حِرْصٌ. فَالْمُؤْمِنُ یَأْکُلُ بِمِعَی الطَّبْعِ وَالْکَافِرُ یَأْکُلُ بِأَمْعَاءِ الْحِرْصِ.

"ابراہیم بن فاتک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول "مؤمن ایک انتڑی میں کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیوں

میں کھاتا ہے" کے مفہوم کے بارے میں سوال کیا گیا تو سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک انتڑی تو طبعی ہے اور چھ انتڑیاں حرص کی ہیں۔ پس مؤمن صرف طبعی انتڑی سے کھاتا ہے اور کافر حرص کی چھ انتڑیوں سے بھی کھاتا ہے"۔

حدیث مذکور کے معنی میں علماء نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں لیکن سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حدیث ہذا کے معنی و مفہوم میں عارفانہ اور نہایت دقیق و لطیف ہے۔ (عقلاء المجانین ص ۱۴۲)

سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ خدا جلّ جلالہ کی وسیع رحمت اور لوگوں کے گناہوں کا اور طاعات میں ان کی تقصیر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَطَائِفُ بِرِّكَ لَا تَنْقَضِیْ
وَطَاعَاتُ خَلْقِكَ لَیْسَتْ تُضِیْ
تَقَاضَوْكَ بِرًّا فَأَوْفَیْتَهُمْ
وَلَمْ یَقْتَضُوْا لَكَ مَا یَقْتَضِیْ
وَمَا تَبْصُرُ الْعَیْنُ یَا سَیِّدِیْ
سِوٰی مَا تُحِبُّ وَمَا تَرْتَضِیْ

(۱) یعنی "اے اللہ! آپ کے احسانات لامتناہی ہیں لیکن افسوس کہ آپ کی مخلوق کے اعمال اچھے اور روشن نہیں ہیں۔

(۲) لوگوں نے آپ کا لطف و احسان مانگا۔ سو آپ نے ان کے ساتھ پورا پورا احسان کیا۔ لیکن لوگوں نے آپ کی بلند شان کے تقاضے کے مطابق آپ کے حقوق پورے نہیں کئے۔

(۳) میرا تو یہ حال ہے اے میرے مولیٰ کہ میری آنکھ اور دل کو آپ کی محبت و رضا کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھاتی "۔

سمنون مجنونؒ کی طرح کئی عقلمند مجانین کے تذکرے کتابوں میں موجود ہیں۔ کتابِ ہذا کے موضوع کے تقاضے کے پیشِ نظر اِن میں سے چند عقلاء مجانین کے بعض عارفانہ وحکیمانہ اقوال کا یہاں تذکرہ کرنا نہایت مفید معلوم ہوتا ہے۔

ان عقلاء مجانین میں سے ایک مجنون عاقل حیان بن خیثم مجنون رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ بڑے عاقل، دانا، عابد اور متقی تھے لیکن سادگی اور بعض ظاہری حرکات واحوال کی وجہ سے لوگ انہیں مجنون سمجھتے تھے۔

عطاء سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بعض احباب کی خدمت میں فالودہ یا حلوہ کپڑے میں چھپا کر لے جارہا تھا۔

راستے میں حیان بن خیثم مجنون ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ میں نے سب کچھ بتلایا اور دکھایا۔ حیان مجنونؒ نے اسے دیکھ کر کہا کہ یہ حلوہ مجھ سے دور کر کے چھپالیں۔ ہمارے دل اس قسم کی چیزوں کے کھانے کی رغبت نہیں رکھتے۔

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

فَمَا تُرِيْدُ؟ قَالَ: فَالُوْذَجُ الْعَارِفِيْنَ. قُلْتُ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: خُذْ قَنْدَ الصَّفَا، وَسَمْنَ الْبَهَا، وَزَعْفَرَانَ الرِّضَا، وَمَاءَ الْمُرَاقَبَةِ، وَانْصُبْ طِنْجِيْرَ الْقَلَقِ، وَأَوْقِدْ تَحْتَهَا حَطَبَ الْحُرَقِ، وَاعْقِدْهُ بِأَصْطَامِ الْحَيَاءِ، وَنَارِ الشَّوْقِ حَتّٰى يَزْبَدَ زَبَدَ الصَّبْرِ، وَيَرْغُوْ رَغْوَةَ التَّوَكُّلِ. ثُمَّ ابْسُطْهُ عَلٰى

صِحَافِ الْأُنُسِ، ثُمَّ كُلُهُ.

قُلْتُ: فَإِذَا أَكَلْتُهُ؟ قَالَ: تَضِجُّ أَوْجَاعُ الْقَلْبِ إِلَى مُدَاوِيهَا. وَتَشْكُوْ أَلَمَ الضَّمِيْرِ إِلَى مُبْلِيهَا. وَتَبْكِي الْعُيُوْنُ عَنْ مَحَبَّةِ مُبْكِيهَا شَوْقًا إِلَى مَنْ تُؤْنِسُهُ مَحَبَّتُهَا.

یعنی " میں نے کہا کہ آپ کس چیز کا ارادہ رکھتے ہیں (یعنی کس چیز کے کھانے کی خواہش ہے)؟ انہوں نے فرمایا کہ میں عارفین و اولیاء اللہ کا فالودہ چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ عارفین کا فالودہ کیسے تیار ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس باطنی و روحانی فالودہ کو تیار کرنے کیلئے یہ مفردات اور یہ چیزیں مہیا کرلیں: صفائی قلب کا قند یعنی شکّر، حُسنِ باطنی کا گھی، رضائے خدا تعالیٰ کا زعفران، مراقبۂ ذاتِ خدا کا پانی۔

پھر ان چیزوں کو اضطرابِ قلب کی کڑاہی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور اس کے نیچے اُخروی سوز اور ایمانی وَلولے کی لکڑی جلائیں۔ پھر اسے حیاء کے چمچ سے ہلاتے رہیں اور آتشِ شوقِ جنّت سے خوب جوش دیکر اسے گاڑھا کردیں تا آنکہ صبر اور توکُّل کا جھاگ اوپر آجائے۔ پھر اس نسخہ کو ربّانی محبت و ایمانی اُنس کی پلیٹوں میں ڈال کر کھائیں۔

میں نے پوچھا کہ اس روحانی معجون اور فالودۂ عارفین کے کھانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے کھانے سے یہ فائدہ ہوگا کہ دل کے جملہ رُوحانی و باطنی امراض بزبانِ حال پکار کر اور تڑپ کر اپنے حقیقی معالج یعنی صرف ربّ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہوجائیں گے اور دل کے تمام درد و کرب حصولِ شفاء کی خاطر صرف خدا تعالیٰ کے دربار میں شکایت کرینگے، اور آنکھیں اپنے حقیقی

محبوب کی محبت میں اور حقیقی مونسِ جان یعنی ربّ تعالیٰ کے شوقِ دیدار میں آنسو بہائیں گی "۔

حیان بن خیثم مجنون رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اقوال و واقعات نہایت حیرت انگیز ہیں۔ وہ در حقیقت بڑے عارف باللہ تھے۔

عطاء سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے انہیں دیکھا کہ قبرستان میں کھڑے ہیں اور ایک قبر سے گفتگو کر رہے ہیں۔

فَقُلْتُ: مَنْ تُخَاطِبُ؟ قَالَ: صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ، فَإِنَّهٗ كَانَ صَدِيْقِيْ وَرَفِيْقِيْ. قُلْتُ: وَمَا قُلْتَ؟ قَالَ: أَقُوْلُ:

يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ يَا مَنْ كَانَ يَأْنِسُ بِيْ
وَكَانَ يُكْثِرُ فِي الدُّنْيَا مُوَافَاتِيْ

یعنی " میں نے ان سے پوچھا کہ اے حیان ! آپ کس سے مخاطِب تھے؟ تو حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس قبر والے سے ہم کلام تھا۔ وہ میرا دوست اور رفیق تھا۔ میں نے حیان سے پوچھا کہ آپ نے اس سے کیا کہا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس قبر والے کو یہ کہہ رہا تھا کہ:

اے وہ صاحبِ قبر جو مجھ سے اُنس و محبت کرتا تھا اور دنیا میں مجھ سے اکثر ملاقات کرتا تھا "۔

عطاء سلمیؒ کہتے ہیں۔ میں نے حیان سے کہا کہ پھر اس قبر والے نے آپ کو کیا جواب دیا؟

انہوں نے فرمایا کہ صاحبِ قبر نے یہ جواب دیا۔

شُغِلْتُ عَنْكَ بِشَيْءٍ لَّسْتُ وَاصِفَهُ
مِنَ الْغُمُوْمِ وَلَوْعَاتٍ وَّبَرْحَاتٍ

یعنی " میں تم سے جدا ہو کر قبر میں ایسے غموں، مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوں جنہیں میں بیان نہیں کر سکتا"۔

ان عقلاء مجانین میں سے ایک عُلَیّان ہیں۔ وہ عوام میں مجنون کہلاتے تھے لیکن درحقیقت وہ بڑے ولی اللہ اور بڑے متقی تھے۔ ان کے اقوال و واقعات جو کتابوں میں ملتے ہیں نہایت عبرت انگیز اور ایمان افروز ہیں۔

چونکہ بظاہر وہ بڑے سادہ تھے اس لئے چھوٹے بچے انہیں پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو جاتے تھے۔

قَالَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِنَانِيُّ رحمہ اللہ تعالیٰ: كُنْتُ بِمَكَّةَ وَعُلَيَّانُ الْمَجْنُوْنُ بِهَا وَضَرَبَهُ الصِّبْيَانُ وَضَرَبَهُ بَعْضُ الْفَسَقَةِ بِسِكِّيْنٍ. فَقَطَرَ مِنْهُ الدَّمُ فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى الدَّمِ يَقْطُرُ عَلَى الْأَرْضِ وَيُكْتَبُ: اَللّٰهُ، اَللّٰهُ. فَبَصُرْتُ ذٰلِكَ فِيْ تِسْعَةَ عَشَرَ مَوْضِعًا.

" علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں عُلَیّان مجنون رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ بچے انہیں مار رہے ہیں اور تنگ کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں فُسّاق میں سے ایک بد بخت نے عُلَیّان کو چھری ماردی جس سے وہ زخمی ہو گئے اور ان کا خون بہنے لگا۔

علی بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ ان کا خون زمین پر گر رہا تھا اور اس سے اللہ، اللہ لکھا جا رہا تھا، حتیٰ کہ میں نے انیس جگہ دیکھا کہ ان کے

خون کے قطروں سے اللہ، اللہ لکھا گیا"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عُلَیّان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مقام والے ولی اللہ تھے۔ عُلَیّان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بڑا سوز، بڑا درد اور بڑی تاثیر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں یہ عجیب وغریب واقعہ کتابوں میں درج ہے۔

عطاء سلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی ایک گلی میں دیکھا کہ علیان ایک طبیب کے پاس کھڑے ہیں اور بلند آواز سے ہنس رہے ہیں، حالانکہ ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ہنستے نہیں ہیں۔

فَقُلْتُ لَهٗ: مَا أَضْحَكَكَ؟ قَالَ: هٰذَا السَّقِيْمُ الْعَلِيْلُ الَّذِيْ يُدَاوِيْ غَيْرَهٗ وَهُوَ مِسْقَامٌ.

یعنی "میں نے انہیں کہا کہ اے علیان! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے اس طبیب کی وجہ سے ہنسی آئی جو دوسروں کو دوا دے رہا ہے حالانکہ وہ خود سخت بیمار ہے"۔

قُلْتُ: فَهَلْ تَعْرِفُ لَهٗ دَوَاءً يُّنْجِيْهِ مِمَّا هُوَ فِيْهِ؟ قَالَ: شَرْبَةٌ مَّنْ شَرِبَهَا رَجَوْتُ بُرْأَهٗ.

"میں نے کہا۔ اے علیان! آپ کوئی دوا جانتے ہیں جس سے اس مریض طبیب کو شفاء حاصل ہوجائے اور بیماری سے نجات مل جائے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں۔ میں ایک خاص شربت جانتا ہوں، جو آدمی اس شربت کو ایک دفعہ پی لے گا اللہ تعالیٰ اسے شفاء نصیب فرمائیں گے"۔

فَقُلْتُ: صِفْهَا. قَالَ: خُذْ وَرَقَ الْفَقْرِ، وَعِرْقَ الصَّبْرِ، وَإِهْلِيْلَجَ التَّوَاضُعِ، وَبَلِيْلَجَ الْمَعْرِفَةِ (اَلْبَلِيْلَجُ ثَمَرُ شَجَرَةٍ فِيْ حَجْمِ الزَّيْتُوْنِ)

وَغَارِيْقُوْنَ الْفِكْرَةِ (هُوَ أَصْلُ نَبَاتٍ أَوْشَيْءٌ يَّتَكَوَّنُ فِي الْأَشْجَارِ الْمُسَوَّسَةِ تِرْيَاقٌ لِّلسُّمُوْمِ صَالِحٌ لِّلنِّسَاءِ وَالْمَفَاصِلِ) فَدُقَّهَا دَقًّا نَّاعِمًا بِهَاوَنِ النَّدَمِ، وَاجْعَلْهُ فِيْ طِنْجِيْرِ التُّقٰى، وَصُبَّ عَلَيْهِ مَاءَ الْحَيَاءِ. وَأَوْقِدْ تَحْتَهَا حَطَبَ الْمَحَبَّةِ حَتّٰى تَرْمِيَ الزَّبَدَ. ثُمَّ أَفْرِغْهَا فِيْ جَامِ الرِّضَا. وَرَوِّحْهَا بِمِرْوَحَةِ الْحَمْدِ. وَاجْعَلْهَا فِيْ قَدَحِ الْفِكْرَةِ. وَذُقْهَا بِمِلْعَقَةِ الِاسْتِغْفَارِ. فَلَنْ تَعُوْدَ إِلَى الْمَعْصِيَةِ أَبَدًا.

" میں نے کہا۔ اے علیان ! آپ اس دوائی یعنی شربت کے نسخے کی تفصیل بتادیں (تاکہ وہ تیار کیا جاسکے) تو انہوں نے فرمایا کہ اس دوائی کے اجزاءِ ترکیبی یہ ہیں کہ درختِ فقر و احتیاج الی اللہ کے چند پتے، درختِ صبر کی جڑ، تواضع کی ہریڑ، معرفت اللہ کے درخت کا پھل، فکرِ آخرت کے درخت کی جڑ یا گوند۔

یہ سب اجزاء گناہوں پر ندامت کے ہاوَن دستہ میں اچھی طرح کوٹ کر باریک پیس لیں۔ پھر یہ چیزیں تقویٰ کی کڑاہی میں ڈال دیں اور انہیں حیاء کے پانی سے اچھی طرح بھگو دیں۔ پھر اس کڑاہی کے نیچے محبتِ ربّانیّہ کی لکڑیوں کی آگ جلائیں اور اتنا جوش دیں کہ جھاگ اوپر آجائے۔

پھر یہ مرکب معجون رضاء اللہ کے برتن میں ڈال دیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا پنکھا اسے ٹھنڈا کرنے کیلئے خوب چلائیں۔ بعدہٗ فکرِ آخرت کے پیالہ میں اسے تھوڑا تھوڑا ڈالتے جائیں اور وقتاً فوقتاً استغفار کے چمچ سے اسے چکھتے اور کھاتے رہیں۔ اس دوا کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کبھی بھی گناہوں کے قریب نہیں جائیں گے "۔

عزیزان کرام ! آجکل کے مسلمان عملی طور پر بڑے کمزور ہیں۔ انہیں اس قسم کے روحانی امراض کے نسخے اور شربت استعمال کرنے کا نہ شوق ہے اور نہ فکر۔ بس وہ فکرِ دنیا، فکرِ رزق اور فکرِ جاہ میں مستغرق ہیں۔ سرمد نے کیا خوب کہا ہے۔

باز آ ، باز آ ، ز فکرِ باطل باز آ
از وہم وخیالِ خام، اے دل باز آ
خوشنود مشو ، ز فکرِ دنیا ہرگز
نہ وصل نماید و نہ واصل ، باز آ

فکرِ دنیا باطل ہے، فکرِ جاہ باطل ہے۔ روٹی، لباس اور مکان کی فکر باطل ہے۔ کیونکہ دنیا، مال و دولت اور جاہ و مکان فانی ہیں اور آخرت کی مسرّتیں ہی دائمی ہیں۔

دنیا کے لئے صرف اتنی فکر اور محنت کریں جتنا آپ نے دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کیلئے اتنی محنت اور فکر کریں جتنا آپ نے وہاں رہنا ہے۔ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے آپ اتنی کوشش کریں جتنا آپ اس کے محتاج ہیں اور گناہ اتنے کریں جتنا آپ میں عذاب سہنے کی طاقت ہے۔ جب رزق یا کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسی ذات سے مانگیں جو کسی کی محتاج نہیں۔ مذکورہ صدر فارسی رباعی کا منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے۔

مت کر مت کر تُو فکرِ باطل باز آ　　ان خام خیالیوں سے اے دل باز آ
فکرِ دنیا سے شادمانی کیسی؟　　ہوگا نہ کبھی وصل نہ واصل باز آ

حکایتِ مذکورہ ونسخۂ مذکورہ بیان کرنے والے یعنی عطاء سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حیران کن عارفانہ وحکیمانہ نسخہ علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے رِقّت آمیز لب ولہجہ میں اور مؤثر طریقے سے ذکر فرمایا کہ اس طبیب نے جو گوشِ ہوش سے یہ نسخہ سن رہا تھا اس کی تاب نہ لاتے ہوئے زوردار چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپتے تڑپتے تھوڑی دیر کے بعد اس طبیب نے جان دیدی۔

عطاء سلمیؒ کہتے ہیں کہ چند دن کے بعد علیان سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے یہ شکایت کی کہ آپ نے اس طبیب کو قتل کردیا اور تباہ کردیا۔

فَقُلْتُ لَہٗ: وَعَظْتَ رَجُلًا فَقَتَلْتَہٗ. قَالَ: بَلْ أَحْیَیْتُہٗ. قُلْتُ: فَکَیْفَ؟ قَالَ: رَأَیْتُہٗ فِیْ مَنَامِیْ بَعْدَ ثَلَاثَۃِ أَیَّامٍ مِّنْ وَّفَاتِہٖ عَلَیْہِ قَمِیْصٌ أَخْضَرُ وَرِدَاءٌ أَخْضَرُ وَبِیَدِہٖ قَضِیْبٌ مِّنْ قُضْبَانِ الْجَنَّۃِ. فَقُلْتُ لَہٗ: حَبِیْبِیْ! مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ؟ قَالَ: یَا عُلَیَّانُ! وَرَدْتُّ عَلٰی رَبٍّ رَّحِیْمٍ غَفَرَ ذَنْبِیْ وَقَبِلَ تَوْبَتِیْ وَأَقَالَ عَثْرَتِیْ بِرَحْمَتِہٖ لَا بِعَمَلِیْ. وَھَا أَنَا فِیْ جِوَارِ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم.

یعنی ’’میں نے علیان سے کہا کہ آپ نے اس شخص یعنی طبیب کو نصیحت کرتے کرتے قتل کردیا۔ علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا) بلکہ اسے حیاتِ جاودانی دیدی ہے۔ میں نے کہا۔ وہ کیسے؟ فرمایا کہ میں نے اس طبیب کو وفات کے تیسرے روز خواب میں دیکھا کہ اس نے سبز قمیص پہنی ہوئی ہے اور سبز چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں جنت کے درختوں کی ایک ٹہنی ہے۔

میں نے خواب میں اس طبیب سے پوچھا کہ اے میرے دوست ! اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ اے علیان ! جب مجھے اپنے ربّ رحیم و کریم کے سامنے حساب کیلئے پیش کیا گیا تو اس نے میرے گناہ بخش دیئے۔ میری توبہ قبول کرلی اور میری لغزشات کو اپنی رحمت سے معاف کردیا (یہ سب کچھ اس کے فضل سے ہوا) نہ کہ میرے اعمال کی بدولت۔ اور مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں ٹھکانہ نصیب فرمایا"۔

برادران کرام ! ہم لوگ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ ہم نے حیاتِ دنیوی ہی کو حیات سمجھا ہے حالانکہ آخرت کی حیات ہی حقیقی زندگی ہے۔ مذکورہ بالا واقعۂ علیان میں طبیب کی فانی زندگی تو موت سے ختم ہوگئی لیکن اسے اُخروی جاودانی زندگی مل گئی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ دنیا کی زندگی مثل سراب ہے، بے اعتبار ہے، فانی ہے۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر، رازِ دوامِ زندگی

علی بن ظُبیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دن علیان رحمہ اللہ تعالیٰ میرے

پاس تشریف لائے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کھائیں گے اور کس چیز کی خواہش ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ فالوذج کی خواہش ہے، یعنی فالودہ کھانے کی خواہش ہے۔ میں نے گھر والوں کو فالودہ تیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد فالودہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انہوں نے وہ فالودہ کھالیا۔

فالودہ کھانے کے بعد انہوں نے حکمت و موعظت و عبرت کی ایک عجیب بات کی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور جسے علیان جیسے عارفین ہی کہہ سکتے ہیں۔ وہ بات یہ ہے۔

ثُمَّ قَالَ عُلَيَّانُ : يَا عَلِيُّ ! هٰذَا فَالُوْذَجُ الْعَوَامِ. فَهَلْ لَكَ فِيْ فَالُوْذَجِ الْعَارِفِيْنَ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ. قَالَ : خُذْ عَسَلَ الصَّفَا ، وَسُكَّرَ الْوَفَا ، وَسَمْنَ الرِّضَا ، وَنَشَا الْيَقِيْنِ ، ثُمَّ أَلْقِهَا فِيْ طَنْجَرِ التُّقٰى ، ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهَا مَاءَ الْخَوْفِ وَأَوْقِدْ تَحْتَهَا نَارَ الْمَحَبَّةِ ، ثُمَّ حَرِّكْهَا بِأَصْطَامِ الْعِصْمَةِ ، ثُمَّ اجْعَلْهَا فِيْ جَامِ الذِّكْرِ ، ثُمَّ رَوِّحْهَا فِيْ مِرْوَحَةِ الْحَمْدِ حَتّٰى تَبْرُدَ ، ثُمَّ كُلْهَا بِمِلْعَقَةِ الْاِسْتِغْفَارِ . فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ ضَمِنْتُ لَكَ أَلَّا تَعْصِيَ رَبَّكَ أَبَدًا .

یعنی ”فالودہ کھانے کے بعد علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ (عارفانہ و حکیمانہ) بات کی کہ اے علی! یہ تو عوام الناس کا فالودہ تھا (جو آپ نے میرے لئے بنوایا اور میں نے کھایا)۔ کیا میں آپ کو اولیاء و عارفین کا فالودہ اور اس کے بنانے کا طریقہ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کہ ضرور بتائیں۔

علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عارفین والا فالودہ تیار کرنے کیلئے یہ اجزاء مہیا کر لیں۔

صفائیِ قلب کا شہد، اسلام سے وفاداری کی شکّر، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا گھی، یقینِ ایمانی کی خوشبو۔ پھر یہ سب اجزاء تقویٰ کی کڑاہی میں ڈال دیں اور انہیں خوفِ خدا کے پانی سے بھگو دیں۔ پھر اس کڑاہی کے نیچے محبتِ خدا و رسول کی آگ جلائیں اور عصمت یعنی گناہوں سے اجتناب کے چمچ یا کانٹے سے ان اجزاء کو خوب ہلاتے رہیں تا آنکہ وہ آپس میں مکمل حل ہو جائیں۔

پھر ذکر اللہ کے جام یعنی طشت میں یہ معجون ڈال کر اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا پنکھا خوب چلائیں تاکہ یہ معجون یعنی فالودہ ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر استغفار کے چمچ سے اسے کھائیں۔

(یہ ہے عارفین کا فالودہ۔ علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) اگر آپ نے اس نسخے پر عمل کیا تو میں آپ کو اس بات کی پکی ضمانت دیتا ہوں کہ آپ کبھی بھی ربّ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرینگے"۔

بھائیو! علیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ ہے عارفین و صدّیقین و اولیاء اللہ کا فالودہ۔ عارفین اس قسم کے باطنی اور روحانی فالودے سے اپنے باطن کو منوّر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ گناہوں سے دور رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے قلوب عشقِ خدا اور رسول سے معمور ہوتے ہیں۔

افسوس کہ عوام کالأنعام، ایسے اولیاء اللہ کو پاگل اور مجنون کہتے ہیں۔ چنانچہ عام لوگ علیان رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی پاگل اور مجنون کہتے تھے۔ درحقیقت مجنون اور پاگل وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ اور خالق کے نافرمان ہیں۔ اس کے احکام سے رُوگردانی کرتے ہیں اور ان کے دل حبِّ دنیا کی وجہ سے عشقِ خدا و عشقِ رسول اور عبادت کے سوز اور تڑپ سے خالی ہیں۔

اس سلسلے میں علیان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکیمانہ قول سُن لیں۔

قَالَ بَعْضُ النَّاسِ یَوْمًا لِعُلَیَّانَ : یَا مَجْنُوْنُ !. قَالَ عُلَیَّانُ : مَهْلًا. إِنَّمَا الْمَجْنُوْنُ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ تَعَالٰی ثُمَّ عَصَاهُ.

یعنی '' کسی نے ایک دن علیان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے مجنون ! علیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے (مجنون میں نہیں) بلکہ مجنون تو وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم شانِ خالقیّت و قہاریّت کی معرفت کے باوجود اس کی نافرمانی کرے ''۔

افسوس صد افسوس ...... کہ صالحین و اولیاء اللہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اس وقت دنیا میں عوام کالاَنعام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ مال وجاہ و رزق کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ حلال کی تمیز ہے اور نہ حرام کی۔ روٹی اور جاہ کے حصول کا ایک شور ہے جو ہر طرف برپا ہے۔ گمراہ لوگوں کی تعداد دنیا میں بڑھتی جارہی ہے اور صالحین کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو دنیا کی بے ثباتی اور فنا سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

علیان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صدر روحانی فالودہ کا ذکر تو آپ نے سن لیا۔ ایسا فالودہ بنانے اور بنوانے اور کھانے والے اور اس کی رغبت رکھنے والے آجکل دنیا میں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ البتہ عوام کالاَنعام کے فالودے جاننے والے، ان کی رغبت رکھنے والے اور مال و دولت کے حصول کی تگ و دو کرنے والے لوگ بیشمار ہیں۔

فنائے دنیا اور اس دنیا سے صالحین و علماء کبار کے مسلسل انتقال اور آخرت کی طرف کوچ کرنے کے بارے میں میری ایک اندوہ گیں نظم ہے۔ اس

کے چند ابیات کا ذکر یہاں مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ ابیات یہ ہیں۔

نالہ و فریاد سے اہل جہاں مانوس ہیں
ہم اسی زنجیر عالمگیر میں محبوس ہیں

یہ جہانِ رنگ و بُو وابستۂ تقدیر ہے
اور فنا کے واسطے ہی آہ یہ تعمیر ہے

نغمۂ بلبل ہو یا ہو اشک کا سیلِ رواں
مبتلائے غم ہو یا خنداں ہو یا شاہِ جہاں

کوئی بھی قائم نہیں یہ آشیاں سالم نہیں
آشیاں کے طائرو! یہ گلستاں دائم نہیں

اِنس و جن مامور ہیں، ارض و سما مقہور ہیں
آفتاب و آب و مہ رفتار پر مجبور ہیں

کتنی رعنائی سے مستانہ رواں ہے قافلہ
ہائے ہر منزل میں پوشیدہ ہے موتِ قافلہ

تھا جنہیں ذوقِ فنا دار البقاء کے بن گئے
اور ہم محوِ تماشا، خود تماشا بن گئے

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں اور ہمیں وہ مال و دولت اور وہ رزق نصیب فرمائیں جو حلال ہو اور آخرت میں وہ ہمارے لئے وبال اور موجبِ عذاب نہ ہو۔

ابوعلی سیرافی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے علیان رحمہ اللہ کی ملاقات کا بڑا شوق

تھا کیونکہ ان کی عجیب وغریب وحکیمانہ باتیں میں سنتا رہتا تھا۔ چنانچہ میں ان کی ملاقات کی غرض سے کوفہ میں داخل ہوا۔ کسی نے کہا کہ وہ قبرستان میں ہیں۔ میں انہیں ملا اور ان سے دعوتِ طعام قبول کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے میری دعوت قبول کر لی۔ میں انہیں اپنی منزل میں لے آیا۔

وَقُلْتُ: مَا تَشْتَهِيْ؟ فَقَالَ: مَا اشْتَهَيْتُ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً إِلَّا الْمَوْلٰى.

یعنی "میں نے کہا کہ آپ کو کھانے کی کس چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے (یہ عجیب جواب دیتے ہوئے) فرمایا کہ چالیس سال سے مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں سوائے مولیٰ کے (یعنی صرف رضائے خدا تعالیٰ کی خواہش ہے)"۔

قُلْتُ لَهٗ: أَلَا أَتَّخِذُ لَكَ عَصِيْدَةً جَيِّدَةً؟ قَالَ: هٰذَا إِلَيْكَ. فَاتَّخَذْتُ لَهٗ عَصِيْدَةً بِالسُّكَّرِ وَوَضَعْتُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ. فَقَالَ: لَا أُرِيْدُ مِثْلَ هٰذَا. وَلٰكِنِّيْ أُرِيْدُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِيْ أَصِفُهَا لَكَ.

یعنی "میں نے علیان سے کہا کہ میں آپ کیلئے عمدہ قسم کا عصیدہ بنواؤں؟ (عصیدہ ایک قسم کا کھانا ہے جو گھی اور آٹا ملا کر پکایا جاتا ہے۔ کبھی اس میں کھانڈ یعنی شکّر بھی ملا کر پکاتے ہیں، گویا کہ وہ ایک میٹھا کھانا ہوتا ہے حلوے کی طرح)۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ پر منحصر ہے جس طرح آپ کی مرضی ہو اسی طرح کر لیں۔

چنانچہ میں نے ان کیلئے چینی کا عمدہ عصیدہ یعنی میٹھا کھانا تیار کروایا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس قسم کا کھانا نہیں چاہئے بلکہ مجھے ایک اور قسم کے عصیدے (حلوے) کی خواہش ہے جس کے بارے میں مَیں آپ کو بتاتا ہوں"۔

قُلْتُ: صِفْهَا لِيْ. قَالَ: خُذْ تَمَرَ الطَّاعَةِ، وَأَخْرِجْ مِنْهُ نَوَى الْعُجْبِ، وَخُذْ دَقِيْقَ الْعُبُوْدِيَّةِ، وَزَعْفَرَانَ الرِّضَا، وَسَمْنَ النِّيَّةِ، وَاجْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ طِنْجِيْرِ التَّوَاضُعِ، وَصُبَّ عَلَيْهِ مَاءَ الصَّفَا، وَأَوْقِدْ تَحْتَهَا نَارَ الشَّوْقِ بِحَطَبِ التَّوْفِيْقِ، وَحَرِّكْهُ بِأَصْطَامِ الْحَمْدِ، وَاجْعَلْهُ عَلٰى طَبَقِ الشُّكْرِ، وَضَعْهُ بَيْنَ يَدَيَّ. فَمَنْ أَكَلَ مِنْهُ ثَلَاثَ لُقْمَاتٍ يَكُوْنُ شِفَاءً لِّصَدْرِهٖ وَشِفَاءً لِّذُنُوْبِهٖ.

یعنی "میں نے کہا کہ جو عصیدہ آپ کو چاہئے اس کی تفصیل اور اس کے بنانے اور تیار کرنے کا طریقہ بیان فرمادیں۔

علیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عصیدہ کے اجزاء ترکیبی یہ ہیں کہ پہلے درختِ طاعت کی کھجوریں لے لیں مگر ان کھجوروں میں سے عُجب و فخر کی گٹھلی نکال دیں۔ پھر عبادت کا آٹا اور صفوف بھی لیں۔ نیز رضاء خدا تعالیٰ کا زعفران اور نیتِ حَسَن یعنی اچھی نیت کا گھی بھی شامل کرلیں۔

پھر یہ سب چیزیں تواضُع کی کڑاہی میں ڈال کر انہیں صفائیٔ قلب کے پانی سے بھگو دیں۔ پھر اس کڑاہی کے نیچے شوقِ جنّت اور توفیقِ خدا تعالیٰ کی لکڑیوں کی آگ جلادیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے چمچ یا کانٹے سے اسے خوب ہلاتے رہیں۔ پھر تیار ہونے پر یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے طبق اور طشت میں ڈال کر میرے سامنے رکھیں۔

پھر علیانؒ نے فرمایا کہ یہ عصیدہ اور حلوہ ایسا ہے کہ جس نے اس سے صرف تین لقمے نوش کر لئے اس کے سینے کے تمام امراضِ روحانیہ کو شفاء ہو گی اور تمام گناہوں کی مغفرت ہو گی"۔

ابو علی سیرافی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علیانؒ کا یہ عجیب عارفانہ وحکیمانہ نسخۂ عصیدہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ اس کے بعد علیان رحمۃ اللہ تعالیٰ اٹھے اور یہ شعر پڑھ کر چل دیئے۔

أَفْلَحَ الزَّاهِدُوْنَ وَالْعَابِدُوْنَا
إِذْ لِمَوْلَاهُمْ أَجَاعُوا الْبُطُوْنَا
أَقْرَحُوا الْأَعْيُنَ الْغَزِيْرَةَ شَوْقًا
فَمَضٰى لَيْلُهُمْ وَهُمْ سَاجِدُوْنَا
حَيَّرَتْهُمْ مَخَافَةُ اللّٰهِ حَتّٰى
زَعَمَ النَّاسُ أَنَّ فِيْهِمْ جُنُوْنَا

(۱) یعنی " زاہدین اور عابدین فلاح پا گئے اس لئے کہ انہوں نے اپنے مولیٰ کی رضاء کی خاطر اپنے آپ کو بھوکا رکھا۔

(۲) زخمی کیا انہوں نے اپنی ان آنکھوں کو جو شوقِ الٰہی سے بکثرت آنسو بہاتی ہیں اور ان کی راتیں سجدہ (عبادت خداوندی) کی حالت میں کٹتی ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے خوف نے انہیں حیران کر رکھا ہے حتیٰ کہ لوگ انہیں پاگل سمجھتے ہیں"۔

احبابِ عظام! یہ تو بزرگوں کے نیک کردار، حسنات وطاعات اور خوفِ

خدا کا ذکر تھا جو آپ حضرات نے سن لیا۔ ایسے نیک کردار و اعمال باعثِ برکت اور موجبِ فخر و مباہات ہیں لیکن ان کے برعکس آجکل مسلمانوں کے اعمال باعثِ شرمندگی اور موجبِ رسوائی ہیں۔ اے اللہ ! اپنے فضل و کرم سے ہماری مغفرت فرما۔ اے اللہ ! اپنی وسیع رحمت کو دیکھ، ہمارے برے اعمال کو نہ دیکھ۔

سرمد کہتا ہے۔

از کردۂ خویش، منفعل بسیارم — عمریست کہ پیوستہ دریں آزارم
چیزیکہ نباید نشود، ازمن شد — برفضل نظر بکن، نہ بر کردارم

آجکل مسلمان حسد، بغض، عداوت، حبِّ دنیا، حبِّ جاہ، اور ان کے علاوہ ہزارہا اقسام کے معاصیٔ باطنیہ و ظاہریّہ میں مبتلا ہیں۔ ان کے اکثر اَطوارِ زندگی اور اعمال باعثِ ننگ و موجبِ شرمندگی ہیں۔ مذکورہ صدر فارسی کی رباعی کا منظوم ترجمہ سن لیں۔

اپنے فعلوں پر نہایت ہے مجھے شرمندگی
ختم آزارِ گنہ میں زندگی سب ہوگئی
جو نہ کرنا چاہئے تھا مجھ کو وہ سب کچھ کیا
دیکھ اپنے فضل کو، مت دیکھ تو حالت مری

اس مضمون پر مشتمل ایک مفید و مبارک دعا یاد آئی۔ بعض کتابوں میں اس دعا کی بہت بڑی برکات و فوائد مذکور ہیں۔ بلکہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اس دعا کے تکرار سے اور باربار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السّلام کی قوم کو اپنے بھیجے

ہوئے عذاب سے محفوظ رکھا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّ ذُنُوبَنَا قَدْ عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَأَنْتَ أَعْظَمُ مِنْھَا وَأَجَلُّ فَافْعَلْ بِنَا مَا أَنْتَ أَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ أَھْلُہٗ۔

" اے اللہ ! بیشک ہمارے گناہ بہت بڑے اور بہت زیادہ ہیں مگر آپ کی رحمت ومغفرت کا دائرہ ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں جو آپ کے شایانِ شان ہے (یعنی ہمارے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائیں کیونکہ یہی آپ کے شایانِ شان ہے) نہ کہ وہ معاملہ جس کے ہم سزاوار ومستحق ہیں (یعنی ہم تو گناہوں کی کثرت کی وجہ سے عذاب وسزا کے مستحق ہیں۔ لہٰذا ہمارے ساتھ عذاب وسزا کا معاملہ نہ فرمائیں بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائیں) "۔

اسی مضمون یعنی اسی دعا کے مفہوم پر میرے قصیدۂ حسنیٰ کے یہ دو شعر مشتمل ہیں۔

فَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ أَھْلُ لَہٗ إِنْ لَّا نَکُنْ مِّنْ خَاسِرِیْنَا

بَلِ افْعَلْ رَبَّنَا مَا أَنْتَ أَھْلُ لَہٗ وَارْحَمْ فَکُنْتَ بِہٖ قَمِیْنَا

(۱) یعنی " (اے اللہ !) ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرمایئے جس کے ہم گنہگار مستحق ہیں ورنہ پھر تو ہم خسارے والوں میں سے ہوں گے۔

(۲) بلکہ کرم کا وہ معاملہ کیجئے اے اللہ ! جس کے آپ اہل ہیں۔ اور رحم کیجئے کیونکہ آپ ہی رحم وکرم کے اہل ہیں "۔

اے اللہ ! ہمارے گناہ نہایت زیادہ ہیں لیکن آپ کی رحمت اور مہربانی

کا دریا یقیناً ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ آپ رؤوف، رحمن، رحیم، علیم اور قدیر ہیں۔ اے اللہ ! اپنی وسیع رحمت سے ہماری لغزشوں اور گناہوں کو معاف فرمایئے اور ہمارے دلوں کو اپنی محبت اور طاعات و حسنات کی محبت سے معمور فرمایئے۔ آمین۔





فصل (۱۴)

احبابِ کرام ! اِس زمانے میں اکثر لوگ حبِّ مال کے مرض میں مبتلا ہیں۔ مال کی فراوانی کو وہ اپنے لئے بڑی خوش قسمتی و عظیم سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ کتبِ تاریخ سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے سلفِ صالحین کثرتِ مال کو سعادت کی بجائے شقاوت سمجھتے تھے۔ کیونکہ بسا اوقات کثرتِ مال معاصی و فسادات پر آمادہ کرتی ہے۔

کئی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اہل اللہ اپنے بعض دشمنوں کو کثرتِ مال و کثرتِ اولاد کی بد دعا دیتے تھے۔

منقول ہے کہ اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص نے مشہور صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بے جا اور ناجائز شکایت کی اور عمار رضی اللہ عنہ کو تنگ کیا۔ تو عمار رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کثرتِ مال، کثرتِ اولاد اور بلندیٔ جاہ و زیادتیٔ مرتبہ کی بد دعا دی۔

کتاب الزہد میں ہے۔ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَشَى بِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: أَمَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَأَكْثَرَ اللهُ مَالَكَ وَوَلَدَكَ وَجَعَلَكَ مُوَطَّأَ الْعَقِبَيْنِ. كتاب الزّهد ص ۱۷۶.

یعنی ” حارث بن سوید رحمہ اللہ تعالیٰ حکایت کرتے ہیں کہ شہر کوفہ کے ایک باشندے نے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عمار رضی اللہ عنہ کی ناجائز طور پر چغلی اور شکایت کی۔ عمار رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو اس کوفی شخص کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے زیادہ مال، زیادہ اولاد اور بلند دنیاوی مرتبہ دے جس کی وجہ سے کثرت سے لوگ تیرے پیچھے چلتے رہیں “۔

صحابہ رضی اللہ عنہم خدا عزّ وجلّ کے نزدیک بلند مرتبے والے تھے۔ ان کی شان نرالی تھی۔ نرالی شان والے صحابہؓ کی بددعا بھی نرالی ہوتی تھی۔ آج کل لوگ اپنے دشمنوں کو لعن طعن، تباہی، بربادی، موت، عذاب، دخولِ جہنم اور آفات میں مبتلا ہونے کی بددعا دیتے ہیں۔

لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم دُور رس نگاہ والے تھے۔ ان کی دُور رس نگاہ ان آفات کو پالیتی اور دیکھ لیتی تھی جو عوام کی نگاہوں کے دائرے میں نہیں آسکتی تھیں۔

دیکھئے۔ عوام کثرتِ مال کو غنیمت اور سعادت سمجھتے ہیں۔ ان کی نگاہیں صرف اس حد تک پہنچ سکتی ہیں۔ مگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کثرتِ مال و دولت میں یہ پوشیدہ آفت دیکھی کہ وہ انسان کی سرکشی اور مختلف الانواع معاصی کے ارتکاب کا اور سنگدلی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک ہے۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً. وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِي ج ٢ ص ٦٨.

” کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ ہر امت کا ایک بڑا فتنہ ہوتا ہے اور میری امّت کا بڑا فتنہ مال ہے “۔

حاصلِ حدیثِ ہذا یہ ہے کہ مال کی کثرت اور اس کی محبت امت کے لئے بڑے فتنوں، شرارتوں اور گناہوں کا باعث ہے۔

اسی طرح کثرتِ اولاد والدین کیلئے عبادت و ذکرُ اللہ سے مانع ہے اور حبِّ دنیا کی ترغیب دینے کا باعث ہے۔

باقی زیادتِ جاہ، بلندئ مراتب اور دنیاوی جلال و عظمت انسان کو فخر و تکبر اور ظلم پر آمادہ کرتی ہیں۔ اور فخر و تکبر اور ظلم سے آخرت تباہ ہوتی ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے جو کہ نہایت اہم، دقیق اور لطیف ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بددعا بھی عجیب و غریب ہوتی تھی۔ کیونکہ عموماً ان کی بددعا کے ضمن میں کسی نہ کسی طرح رحمت و شفقت اور دعائے خیر کا پہلو بھی موجود ہوتا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وجود زمین والوں کیلئے رحمت و سعادت تھا۔ کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں کے تلامذہ تھے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظرِ شفقت و تربیتِ اعلیٰ کے مظاہر تھے۔

عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ سراپا رحمتِ عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ بھی عالم کیلئے رحمت و نعمت ہوں اور حتی المقدور ان کے جملہ اقوال و افعال و اعمال اگرچہ حالتِ غصہ اور اوقاتِ غیظ و غضب میں واقع ہوئے ہوں، میں بھی ضمناً و تبعاً رحمت و شفقت کی جھلک موجود ہو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال کے مطالعے سے ہماری اس بات اور اس دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں میں چند مثالیں مذکورہ صدر دعوے کی تصدیق کیلئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مثالِ اوّل۔ آپ عمار رضی اللہ عنہ کی مذکورہ صدر بددعا پر غور کریں، یہ بظاہر تو بددعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمن اور مخالف کو مالِ کثیر و اولادِ کثیر دیں، لیکن اس بددعا میں نیک پہلو اور دعائے خیر کی جھلک بھی موجود ہے۔ پس یہ خالص بددعا اور محض شرّ نہیں کیونکہ بہت سے لوگ مالِ کثیر، اولاد کثیرہ، جاہِ عظیم، بلندیٔ مرتبہ اور ترقی مقام وعہدہ کے طالب ہوتے ہیں بلکہ ان تینوں امور کیلئے اکثر لوگ شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور مختلف وسائل سے مال و دولت بڑھانے اور جاہ و شوکت میں مزید بلندی اور ترقی کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں بھی حلال مال کی کثرت اور بلند جاہ و مرتبہ کے حصول کیلئے کوشش اور جدوجہد کرنا ممنوع اور قبیح کام نہیں ہے۔

پس مالِ کثیر اور جاہِ کبیر اگر شرّ اور فساد کی راہ میں مستعمل ہوں اور یہ سرکشی و معاصی کا ذریعہ بن جائیں تو یہ آفت و شقاوت ہیں۔ اور اگر مال و جاہ سے انسانوں کی خدمت کی جائے یعنی ان کے ذریعے حاجت مندوں کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کا رُخ عملی طور پر حصولِ رضائے خدا تعالیٰ کی طرف کیا جائے تو یہ مال و جاہ رحمت و نعمت و سعادتِ دارین ہیں۔

لمبی عمر کا حال بھی اسی طرح ہے۔ اگر لمبی عمر خیر اور نیک اعمال کرنے میں گزرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت ہے۔

اور اگر لمبی عمر گناہوں میں اور ارتکابِ معاصی و اتباعِ شیطان میں کٹے تو ایسی لمبی عمر استدراج ہے اور عذاب و شقاوت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ خَيْرُ النَّاسِ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ. أخرجه الترمذي

ج ۲ ص ٦٨.

" حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی یعنی دیہاتی مسلمان نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ! لوگوں میں سے بہترین آدمی کون ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بہترین انسان وہ ہے جس کی لمبی عمر ہو اور اچھے اعمال ہوں "۔

اس حدیث میں نیکیوں والی عمرِ طویل کو نعمتِ رحمانیہ قرار دیا گیا ہے اور ایسی طویل عمر والے شخص کو خیر الناس کہا گیا ہے، یعنی سب سے بہتر انسان۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَارَسُولَ اللهِ! أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ ؟ قَالَ : مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ. قَالَ : فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ ؟ قَالَ : مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ. أخرجه الترمذی ج ۲ ص ٦٨.

" حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا۔ یارسول اللہ ! کونسا آدمی سب سے اچھا ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ جس کی لمبی عمر ہو اور اچھے اعمال ہوں۔

پھر اس آدمی نے پوچھا کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ سب سے بُرا انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال برے ہوں "۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ طویل عمر نیک اعمال اختیار کرنے کی وجہ سے خیر ہی خیر ہے۔ لیکن یہی طویل عمر ایک دوسرے اعتبار سے یعنی بُرے اعمال کے ارتکاب کی وجہ سے شرّ ہی شرّ ہے۔

مال وجاہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر مال کو نیک کاموں میں استعمال کیا

جائے اور اس سے حاجت مندوں کی خدمت کی جائے تو ایسا مال جتنا زیادہ ہو وہ خیر ہی خیر ہے۔ بصورت دیگر یہی مال شر ہی شر بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں، آثار صحابہؓ میں اور اقوالِ سلفِ صالحین میں مال کی مذمت کے ساتھ ساتھ مال کی تعریف بھی موجود ہے اور حلال مال حاصل کرنے اور حلال طریقے سے مال بڑھانے کی ترغیب بھی موجود ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَصَرَفَهُ فِي سَبِيْلِ الْخَيْرِ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا فَعَلَّمَهُ وَعَمِلَ بِهِ. رواه أَبُوْنُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَة ج٨ ص ٤٦، وكذا رواه الترمذي في الجامِع.

" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ کسی آدمی کے ساتھ حسد کرنا جائز نہیں سوائے دو آدمیوں کے۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو اور خود بھی اس پر عمل کرتا ہو "۔

حسد کا معنی ہے کسی انسان سے زوالِ نعمت کی اور اپنے لئے اس نعمت کے حصول کی خواہش اور تمنا کرنا۔

حسد شرع میں ممنوع ہے۔ لہٰذا حدیث ہٰذا کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو چیزیں اتنی عظیم القدر اور اتنی بلند شان والی ہیں کہ اگر حسد اسلام میں جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں جائز ہوتا۔ لیکن شرعاً حسد مطلقاً ممنوع ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ حسد سے یہاں غِبطہ یعنی رَشک مراد ہے۔ غِبطہ

نیک کاموں میں شرعاً جائز ہے۔ غبطہ میں غیر سے زوالِ نعمت کی خواہش اور تمنا نہیں ہوتی بلکہ اس میں صرف یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ اسے بھی یہ نعمت اور یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔

پس غبطہ میں نیک کاموں میں نیز فضائل و مناقب میں مسابقت کی صورت ہوتی ہے اور شرعاً یہ مسابقت جائز بلکہ مستحسن ہے۔

مثلاً بڑے عالم یا بڑے عابد کو آپ نے دیکھا اور پھر آپ نے یہ خواہش کی کہ آپ بھی اس عالم و عابد کی طرح بڑے عالم اور بڑے عابد بن جائیں اور پھر آپ نے اس خواہش کی تکمیل اور تحصیل کیلئے علم و عبادت میں محنت شروع کی تو شرعاً یہ اچھی بات ہے اور ایسا ہونا چاہئے۔

بہر حال اس حدیث شریف میں حلال مال کی عظمتِ شان کی تصریح ہے۔ اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ جس طرح علم کی شان نہایت بلند ہے اسی طرح حلال مال بھی عظیم شان اور بڑی برکت والی چیز ہے بشرطیکہ یہ حلال مال نیک راہوں میں اور نیک کاموں میں صرف کیا جائے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: دَعَالِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ دَعَوَاتٍ. قَدْ رَأَیْتُ مِنْهُنَّ اثْنَتَیْنِ فِی الدُّنْیَا وَأَنَا أَرْجُو الثَّالِثَةَ فِی الْآخِرَةِ.

أخرجه الترمذی فی الجامع ج ۲ ص ۲۴۶.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لئے تین دعائیں فرمائیں، جن میں سے دو کا اثر اور نتیجہ میں نے دنیا میں دیکھ لیا (یعنی ان دو دعاؤں کا تعلق دنیا اور دنیوی خوشحالی کے ساتھ تھا) اور ایک دعا کی مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ و ثمرہ مجھے آخرت میں (ثواب و دخولِ جنت کی صورت میں)

ملے گا"۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ خَادِمُكَ. أُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ. قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا أَعْطَيْتَهٗ. أخرجه الترمذى فى الجامع ج ۲ ص ۲۴۶.

" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یارسول اللہ ! میرا بیٹا انس آپ کا خادم ہے، اس کیلئے دعا فرما دیجئے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ! انس کو مالِ کثیر و اولادِ کثیر نصیب فرما اور جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے اس میں برکت پیدا فرما"۔

اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خادمِ خاص انس رضی اللہ عنہ کو کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا دی۔ معلوم ہوا کہ کثرتِ مال و اولاد میں خیر اور برکت کا پہلو بھی موجود ہے۔

ان میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ مال کو امورِ خیر میں اور خدمتِ دین میں صرف کیا جائے۔ اور اولاد کی اگر اچھی تربیت کی جائے اور اسے اچھی تعلیم دی جائے تو موت کے بعد اس اولاد کی خیرات و برکات و دینی خدمات و عبادات و اذکار کے اجر و ثواب میں والدین بھی پوری طرح شریک ہوتے ہیں۔

پس نیک اولاد والدین کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد و اولادِ اولاد کی تعداد ان کی زندگی میں سو سے متجاوز تھی۔ شیخین کی روایت ہے۔

قَالَ أَنَسٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ : فَوَاللّٰہِ إِنَّ مَالِیْ لَکَثِیْرٌ وَّإِنَّ وَلَدِیْ وَوَلَدَ وَلَدِیْ لَیَتَعَادُوْنَ عَلٰی نَحْوِ الْمِائَۃِ الْیَوْمَ. أَیْ لَیَزِیْدُوْنَ عَلَی الْمِائَۃِ. کذا فی کتاب المرقاۃ وغیرہ.

" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے میرا مال اس وقت بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولادِ اولاد اس وقت سو سے تجاوز کر چکی ہے (یعنی سو سے زیادہ ہے) "۔

جامع ترمذی میں ہے۔ وَکَانَ لَہٗ أَیْ لِأَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بُسْتَانٌ یَّتَحَمَّلُ فِی السَّنَۃِ الْفَاکِھَۃَ مَرَّتَیْنِ وَکَانَ فِیْھَا رَیْحَانٌ یَّجِیْءُ مِنْہُ رِیْحُ الْمِسْکِ.

یعنی " حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس باغ میں نیاز بو کا ایک پودا تھا جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی "۔

بھائیو اور دوستو ! حضرت انس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ دس سال تک مسلسل آپ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم رہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت و دعا و صحبت و اتباعِ کتاب و سنت کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انہیں اخروی برکات و مسرّات کے علاوہ دنیوی برکات سے بھی نوازا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، دلوں میں آخرت کا شوق اور ولولہ موجزن ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ہمارے ایمان کا جزء ہے۔ حدیث شریف ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ یعنی " قیامت کے دن ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا "۔ اللہ عزّوجلّ ہمیں جنت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رفاقت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور اتباع کی وجہ سے آج ان کی قبریں یقیناً جنت نظیر ہونگی۔ انہیں ہر قسم کی مسرّتیں حاصل ہونگی۔ اس فانی دنیا سے سب نے جانا ہے۔ جو بادشاہ تھے، بڑی فوجیں رکھتے تھے اور ظاہری طور پر بلند شان و شوکت والے تھے وہ بھی زیر زمین چلے گئے اور قبروں میں دفن ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی دنیا سے رخصت ہو کر قبروں میں مدفون ہوئے۔

لیکن دونوں گروہوں کی قبروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایمان و اتباعِ احکامِ اسلامیہ سے بے بہرہ بادشاہوں کی قبروں میں آگ ہوگی، آہ و بکا، گریہ و فغاں، کیڑے، سانپ اور بچھو ہونگے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین تمام اولیاء اللہ کی قبریں جنتی باغیچے ہونگی۔

افسوس صد افسوس ...... کہ ہم فکرِ آخرت کم کرتے ہیں اور فکرِ دنیا زیادہ کرتے ہیں۔ اکثر مسلمان ہوسِ دنیا و حرصِ رزق و مال میں مبتلا ہیں۔ قبروں پر گزرتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملکِ روس ہے اور سرزمینِ طوس ہے

گر میسّر ہو تو بس عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آوازِ طبل ادھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام چلتا ہو مے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرؤں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے
لے گئی یک بارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح محبوس ہے
مرقدیں دو تین دِکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ وحشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت وافسوس ہے

حلال وپاک مال و دولت کے خیر ونعمت ہونے اور موجبِ برکت و باعثِ رحمتِ ربانیہ ہونے کے سلسلے میں لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قیمتی مقالہ سن لیں۔ ان کا یہ مقالہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس مقالہ میں لقمان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹے کے سوالات کے جوابات دے رہے ہیں۔

لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نصائح ومواعظ وحِکَم مشہور ہیں۔ خصوصاً وہ مواعظ اور حِکَم جو آپ نے اپنے بیٹے کو تعلیم دیتے وقت اور نصیحت کرتے وقت ارشاد فرمائے ہیں۔

لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد نصائح میں حلال مال کو دین، حیاء اور اخلاقِ حسنہ کی طرح امورِ مبارکہ اور خصالِ سعیدہ میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کا ایک مقالۂ مبارکہ پیش خدمت ہے۔

بعض کتابوں میں ہے۔ قَالَ ابْنُ لُقْمَانَ الْحَكِيمِ لِأَبِيهِ: يَا أَبَتِ!

أَيُّ الْخِصَالِ مِنَ الْإِنْسَانِ خَيْرٌ ؟

قَالَ : الدِّيْنُ. قَالَ : فَإِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ ؟ قَالَ : الدِّيْنُ وَالْمَالُ. قَالَ : فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثًا ؟ قَالَ : الدِّيْنُ وَالْمَالُ وَالْحَيَاءُ. قَالَ : فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعًا ؟ قَالَ : الدِّيْنُ وَالْمَالُ وَالْحَيَاءُ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. قَالَ : فَإِذَا كَانَتْ خَمْسًا ؟ قَالَ : الدِّيْنُ وَالْمَالُ وَالْحَيَاءُ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءُ. قَالَ : فَإِذَا كَانَتْ سِتًّا ؟ قَالَ : يَا بُنَيَّ ! إِذَا اجْتَمَعَتْ فِي الْإِنْسَانِ هٰذِهِ الْخَمْسُ خِصَالٌ فَهُوَ نَقِيٌّ تَقِيٌّ وَلِلّٰهِ وَلِيٌّ وَمِنَ الشَّيْطَانِ بَرِيٌّ. إِحْيَاءُ العلوم ج ۳ ص ۴۵.

یعنی ” لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نے ان سے پوچھا کہ اے ابا جان ! کونسی اچھی خصلتیں اور کونسے اچھے امور ایسے ہیں جو انسان میں ہونے چاہئیں ؟

حضرت لقمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیندار ہونا اور دین پر مکمل عمل پیرا ہونا سب سے اچھی بات ہے۔

بیٹے نے کہا کہ اگر انسان دو امور اختیار کرنا چاہے تو کونسے دو امور بہتر ہیں ؟ حضرت لقمانؒ نے فرمایا کہ دِین اور مال۔ یعنی انسان دیندار ہو اور کسبِ مالِ حلال کرے۔

بیٹے نے کہا کہ اگر تین چیزیں انسان اختیار کرنا چاہے تو کونسی تین چیزیں اچھی ہیں ؟ فرمایا دین، مال اور حیاء۔

بیٹے نے کہا کہ اگر کوئی آدمی چار باتیں اختیار کرنا چاہے تو کونسی چار باتیں اختیار کرنی چاہئیں ؟ تو حضرت لقمانؒ نے فرمایا کہ دین، مال، حیاء اور حُسنِ خلق۔

بیٹے نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص پانچ امور اختیار کرنا چاہے تو کونسے پانچ امور اختیار کرنے چاہئیں ؟ حضرت لقمانؒ نے فرمایا کہ دین، مال، حیاء، حُسنِ خلق

اور سخاوت۔

بیٹے نے کہا کہ اگر انسان چھ امور اختیار کرنا چاہے تو کونسے چھ امور بہتر ہیں؟ تو فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے ! جب کسی انسان میں یہ پانچ خصلتیں اور امور جمع ہو جائیں تو وہ انسان پاک وصاف ومتقی ہو جانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ولی اور دوست بن جاتا ہے اور شیطان سے وہ بری اور محفوظ ہو جاتا ہے "۔

لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حکیمانہ قول میں دین کے بعد مال کو دوسرے درجے پر امورِ مبارکہ میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ انسان مال کو صدقات و خیرات اور امورِ خیر میں خرچ کر کے بیشمار دنیوی واُخروی برکات حاصل کرسکتا ہے۔ تاہم شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال ہو۔ حرام مال سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بچائے۔ آمین۔

حضرت لقمان رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے داناو حکیم شخص تھے۔ قرآن مجید میں ان کا نام مذکور ہے۔ علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ لقمان حکیم نبی تھے یا ولی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے۔ مگر جمہور علماء کہتے ہیں کہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی اللہ تھے۔ ان کی دانائی اور ان کے مواعظ وحکیمانہ اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بَلَغَنِيْ أَنَّهُ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ رحمہ اللہ تعالیٰ : مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى (يُرِيْدُوْنَ الْفَضْلَ)؟ قَالَ: صِدْقُ الْحَدِيْثِ، وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ، وَتَرْكِيْ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ، وَالْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ. جَمْعُ الفوائد ج ۲ ص ۴۸۷.

یعنی " مجھے یہ بات موثّق طریقے سے پہنچی ہے کہ حضرت لقمان حکیم

رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ کن امور کو اختیار کرنے کی وجہ سے اس مرتبے پر پہنچے یعنی یہ فضیلت آپ کو کیسے ملی؟ تو لقمان رحمہ نے فرمایا کہ چار باتیں اپنانے کی وجہ سے میں اس مقام تک پہنچا۔ پہلی بات یہ کہ میں نے سچائی اختیار کی۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ادائے امانت میں کوتاہی نہیں کی۔ تیسری بات یہ کہ میں نے بے مقصد اور فضول امور کو ترک کر دیا۔ چوتھی بات یہ کہ میں نے جب بھی کسی سے عہد اور وعدہ کیا اسے پورا کیا"۔

بہر حال بیان اس مضمون کا ہو رہا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس طرح شان نرالی تھی اور جس طرح وہ نبی رحمۃ للعالمین کے تلامذہ تھے اسی طرح ان کی بددُعا بھی نرالی ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ ان کی بددعا میں کسی نہ کسی لحاظ سے رحمت کا پہلو بھی موجود ہوتا تھا۔

اس دعوے کی چند مثالیں پیش کرنے کے سلسلے میں بحث ہو رہی ہے۔ پہلی مثال حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بددعا تھی۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی بددعا کی تفصیل تو آپ نے سن لی۔

مثال دوم۔ اب ہم مذکورہ صدر دعوے کی تصدیق کیلئے ایک اور جلیل القدر صحابی ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بددعا ذکر کرتے ہیں۔ معتمد کتابوں میں یہ روایت موجود ہے۔

رُوِیَ أَنَّ رَجُلًا نَالَ مِنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَأَرَاہُ سُوْءً. فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ مَنْ فَعَلَ بِیْ سُوْءً فَأَصِحَّ جِسْمَہٗ، وَأَطِلْ عُمْرَہٗ، وَأَکْثِرْ مَالَہٗ. إِحْیَاءُ الْعُلُومِ ج ۳ ص ۲۰۲.

یعنی "ایک آدمی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو اذیت دی اور تکلیف

پہنچائی تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے یوں بد دعا فرمائی کہ اے اللہ ! جس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے آپ اسے صحت و تندرستی دے دیں، اس کی عمر لمبی کردیں اور اس کا مال بڑھا دیں "۔

دیکھئے۔ اس قول میں ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنی بد دعا میں تین چیزوں کا ذکر کیا۔ اول تندرستی اور بدنی صحت، دوم طولِ عمر، سوم کثرتِ مال۔ یہ تینوں چیزیں انسان کو سرکشی اور معاصی پر آمادہ کرتی ہیں لیکن ان تینوں میں نعمت و رحمت کا پہلو بھی ہے اور یہ بات ظاہر ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ کثرتِ مال، صحتِ جسم اور طولِ عمر بڑی آزمائش اور امتحان کی چیزیں ہیں۔ کیونکہ عموماً یہ تین چیزیں انسان کو سرکشی اور معاصی کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہ تینوں امور شیطان کی گمراہیوں کے اسباب و ذرائع ہیں۔

کثرتِ مال کے نقصانات تو ظاہر ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ دولتمند لوگ عموماً بے شمار معاصی اور مفاسد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کثرتِ مال شیطان کی شرارتوں کا ایک اہم آلہ و سبب ہے۔ مگر افسوس کہ عام مسلمان مال و دولت کی فراوانی کو عظیم سعادت اور بڑی کامیابی سمجھتے ہوئے اس کے حصول میں حلال و حرام کی تمیز نہ کرتے ہوئے شب و روز سرگرداں رہتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی فکر نہیں کہ مال و دولت کی کثرت کے ذریعہ شیطان لوگوں گمراہ کرتا ہے۔

ایک روایت ہے۔ وَضَعَ عَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ دِرْھَمًا عَلٰی کَفِّہٖ. ثُمَّ قَالَ: أَمَّا إِنَّکَ مَالَمْ تَخْرُجْ عَنِّیْ لَا تَنْفَعُنِیْ.

یعنی " حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درہم کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا

کہ اے درہم ! (تو کتنا بے وفا ہے) کہ جب تک تو میرے ہاتھ سے نکل نہیں جاتا اس وقت تک تو مجھے نفع نہیں دیتا "۔

علماء لکھتے ہیں کہ سیم وزر کی بے وفائی کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ اس وقت تک انسان کو نفع نہیں دیتے جب تک انسان انہیں اپنی ملک اور اپنے قبضے سے نکال کر غیر کے حوالے نہ کر دے۔

علماء ادب لکھتے ہیں کہ سونے کا نام عربی میں " ذَھَب " ہے اور ذہب سب سے اعلیٰ اور قیمتی مال ہے لیکن عربی زبان جو سید الالسنہ اور اللہ تعالیٰ کی محبوب زبان ہے میں سونے کے نام یعنی اسم " ذہب " میں سونے کی بے وفائی، برے انجام اور اس کی بری حقیقت کی طرف واضح طور پر دو لطیف اشارے ہیں۔

پہلا اشارہ اس کے فانی ہونے کی طرف ہے۔ اس اشارے کا بیان یہ ہے کہ ذہب، ذَھَاب سے مأخوذ ہے۔ ذہاب کا معنیٰ ہے چلا جانا اور ثابت و دائم نہ ہونا۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ سونا ثابت اور دائمی رفاقت والی چیز نہیں بلکہ فانی ہے اور انسان سے چلی جانے والی چیز ہے۔

بہر حال اس میں اشارہ ہے کہ سونا فانی چیز ہے۔ اور جب سونا فانی چیز ہے باوجود اس کے کہ وہ سب سے اعلیٰ مال ہے تو ثابت ہوا کہ دیگر اقسامِ اموال بطریق اولیٰ فانی اور غیر باقی ہیں۔

دوسرا اشارہ ہے لفظ " ذہب " میں اس کی بے وفائی کی طرف۔

قَالُوْا: سُمِّيَ الذَّهَبُ ذَهَبًا لِأَنَّهٗ لَا يَنْفَعُ إِلَّا بَعْدَ مَا يَذْهَبُ عَنْكَ.

یعنی " ذہب (سونے) کا نام اس لئے ذہب رکھا گیا کہ سونا جب تک تیرے ہاتھ سے چلا نہیں جاتا اس وقت تک وہ تجھے نفع نہیں پہنچا سکتا "۔

کیونکہ خود سونا نہ کھایا جاسکتا ہے، نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ پہنا جاسکتا ہے۔ البتہ سونا دے کر اس کے بدلے میں آپ کھانے پینے اور پہننے کا سامان خرید سکتے ہیں۔

عَنْ بِشْرِبْنِ مَنْصُوْرٍقَالَ: قَالَ شُمَیْطٌ رحمہ اللہ تعالیٰ: إِنَّ هٰذِهِ الدَّنَانِیْرَ وَالدَّرَاهِمَ أَزِمَّةُ الْمُنَافِقِیْنَ یُقَادُوْنَ بِهَا إِلَى السَّوْءَاتِ. کتاب الزهد ص ٣٦.

یعنی ”بشر بن منصور حضرت شمیط رحمہ اللہ تعالیٰ (یہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں) کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ دراہم ودنانیر فُسّاق ومنافقین اور بے دینوں کے لئے باگ اور لگام ہیں۔ ان کے ذریعہ وہ برائیوں کی طرف کھینچے جاتے ہیں“۔

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهِ مَا أَعَزَّ الدَّرَاهِمَ أَحَدٌ إِلَّا أَذَلَّهُ اللّٰهُ۔ یعنی ”اللہ کی قسم جس شخص نے درہم کو عزت دی یعنی اسے بہت بڑی چیز تصور کیا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذلیل کردیتے ہیں“۔

بعض کتابوں میں درج ہے۔ إِنَّ أَوَّلَ مَا ضُرِبَ الدِّیْنَارُ وَالدِّرْهَمُ رَفَعَهُمَا إِبْلِیْسُ ثُمَّ وَضَعَهُمَا عَلَى جَبْهَتِهٖ ثُمَّ قَبَّلَهُمَا وَقَالَ: مَنْ أَحَبَّكُمَا فَهُوَ عَبْدِیْ حَقًّا.

یعنی ”جب پہلی مرتبہ دینار اور درہم ڈھالے گئے اور تیار کئے گئے تو شیطان نے ان دونوں کو بڑی رغبت کے ساتھ اٹھا کر اپنے ماتھے پر رکھا، پھر انہیں بوسہ دیا اور کہا کہ جو آدمی تم دونوں سے زیادہ محبت کرے گا اور زیادہ پسند کرے گا وہ آدمی میرا حقیقی غلام اور تابعدار ہوگا“۔

برادران اسلام ! اللہ تعالیٰ سے حسنات و طاعات کی توفیق، اُخروی مسرّت و عافیت اور دائمی اجر و ثواب طلب کیا کریں۔ یہی چیزیں باقی رہنے والی ہیں۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ یہ شوقِ مال و دولت، یہ عمارات، یہ جاہ و شوکت، یہ اسبابِ عزت و مسرّت سب جدا ہونے والی چیزیں ہیں۔

ہر انسان پر ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ اس وقت انسان حسرت و افسوس کرتے ہوئے اور غم و درد سے روتے ہوئے اس دنیا کو الوداع کہے گا اور یہاں سے رخصت ہو کر ایک اور جہاں میں پہنچ جائے گا، جہاں صرف انسان ہوگا اور اس کے نیک و بد اعمال ہونگے۔ موت کے وقت انسان روتے ہوئے اس دنیا کو اور اپنے احباب و اَقارب کو الوداع کہے گا۔

آ گیا وقتِ اجل، اے شوقِ دنیا الوداع
الوداع اے حسرتِ دل ، اے تمنّا الوداع
الوداع اے ساقیٔ مے خانۂ طولِ اَمل
اے سرورِ بادۂ امید افزا الوداع
اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئین ، السلام
اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلّٰی الوداع
الوداع اے مسند و فرش وقبا و پیرہن
اے حریر و اَطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگِ وحشت، الوداع اے فرطِ شوق
رخصت اے جوشِ جنوں اے سیرِ صحرا الوداع
الوداع اے جلوۂ نیرنگئ حسنِ بتاں
اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع
الوداع اے عالمِ نیرنگئ باغِ جہاں
اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع
عازم ملکِ عدم کہتا ہے پُرخونیں جگر
الوداع اے عُمر، اے بزمِ اَحِبّا الوداع

محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے غازی تھے، بڑی شان وشوکت والے تھے۔ ان کے رعب و دبدبہ سے کفّار کانپتے تھے۔ بڑے بڑے قلعے انہوں نے فتح کئے۔ ہندوستان ایسے عظیم ووسیع ملک کو فتح کیا، حتی کہ سومنات کو بھی فتح کیا جس کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ یہ بت ہر موقعہ پر ہمیں بچائے گا۔ محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فوج کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی تھی، ہزاروں جنگی ہاتھی ان کی فوج میں ہوتے تھے۔ دنیا کے عظیم خزانے ان کے قبضے میں آئے۔

اس عظیم سپہ سالار نے ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۴۲۱ھ یعنی ۳۰ اپریل سنہ ۱۰۳۰ء کو اپنے ربّ ذوالجلال کے بلاوے پر سرِ تسلیم خم کیا اور موت کی آغوش میں چلے گئے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔

کتبِ تاریخ میں ہے کہ طویل علالت کے بعد جب محمود غزنویؒ کو یہ

محسوس ہوا کہ ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو انہوں نے حکم دیا کہ شاہی خزانے کے تمام ہیرے، جواہرات اور قیمتی اشیاء یہاں تک کہ گھوڑے اور ہاتھی بھی نکال کر ان کے سامنے لائے جائیں۔ جب ساری چیزیں ان کے سامنے سجادی گئیں تو انہیں دیکھ کر محمود غزنویؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

گویا کہ لڑائیوں کے ہولناک مناظر، زندگی اور موت کی کشمکش کے حیرت انگیز واقعات اور غزوات میں عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار کے خوفناک مظاہر جو اُن کے ذہن پر نقش تھے ان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ چنانچہ وہ اس موقعہ پر دنیا کو اور دنیاوی سازوسامان کو الوداع کہتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے اور نہایت اندوہ گیں اور رقّت کی حالت میں یہ عبرت انگیز اشعار ان کی زبان پر آ گئے۔

ہزار قلعہ کشادم بہ یک اشارتِ دست
بسے مصافّ شکستم بہ یک اشارتِ پائے
چوں مرگ تاختن آورد، ہیچ سُود نہ داشت
بقا بقائے خدا ہست و مُلک مُلکِ خدائے

(۱) ”میں نے اپنے ہاتھ کے ایک اشارے سے ہزاروں قلعے فتح کئے اور پاؤں کے ایک اشارے سے بہت سے محاذِ جنگ جیت لئے۔

(۲) لیکن جب موت نے مجھ پر حملہ کیا تو کچھ بھی کام نہ آیا۔ بیشک بقا صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے اور تمام ملک خدا تعالیٰ ہی کا ہے“۔

یہ دنیا کے اس عظیم رعب و دبدبے والے بادشاہ محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

موت کا حال تھا جو آپ نے سن لیا۔ ایسے بارعب اور بیشمار افواج والے بادشاہ بھی موت کے سامنے بے بس ہو کر روتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔

گردوں کے ستم دیکھے اُجڑا ہوا گھر دیکھا
دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا

برصغیر کی ایک مشہور ملکہ کی قبر پر فنائے مسرّاتِ دنیا سے متعلق یہ رقّت انگیز رُلانے والا شعر آج تک مکتوب و محفوظ ہے۔ اس کی قبر و مزار کو دیکھنے والے اس شعر سے موعظت و عبرت حاصل کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

برمزارِ ما غریباں نَے چراغ و نَے گُلے
نَے پرِ پروانہ سوزد نَے صدائے بُلبُلے

”ہماری قبر کی ناگفتہ بہ حالت یہ ہے کہ نہ تو اس پر کوئی چراغ ہے اور نہ کوئی پھول۔ (چراغ و پھول کے نہ ہونے کی وجہ سے) نہ تو یہاں کسی پروانے کے پَر جلتے ہیں اور نہ کسی بلبل کی نغمہ سنجی ہے“۔

یعنی ہم دنیا میں ایک عظیم سلطنت و حکومت کے مالک تھے مگر موت نے ہم سے سب کچھ چھین لیا۔ اب ہم سے زیادہ قابلِ رحم اور کمزور کوئی نہیں۔ ہمارے سامنے ہر وقت ہزاروں خدّام صف بستہ کھڑے رہتے تھے مگر آج ہماری قبر پر کسی ایسے غم خوار و ہمدرد انسان کا گزر بھی نہیں ہوتا جو ہماری قبر پر چراغ روشن کرے یا پھول رکھے۔ بلکہ ہمارے مزار پر ویرانیوں نے اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صدر اشعار حسرت، غم و اندوہ اور موعظت و نصیحت سے پُر ہیں۔ ان میں فنائے دنیا و بقائے آخرت کا عجیب و لطیف طریقے سے ذکر ہے۔

ہندوستان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے بھی ایسی حکیمانہ موعظت و عارفانہ نصیحت کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں
عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں
دن زندگی کے ختم ہوئے شام ہوگئی
پھیلا کے پاؤں سوئیں گے کُنجِ مزار میں
ہے کتنا بدنصیب ظفرؔ، دفن کیلئے
دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے نیک اور بڑے مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ انہوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا۔ پاکستان کے بہت سے حصے بھی انہوں نے کفّار سے چھین لئے تھے اور اپنا خون، اپنے ساتھیوں کا خون اور غزاۃ و مجاہدین افواج کا خون بہا کر اسلام کے جھنڈے انہوں نے پہلی مرتبہ ان خِطّوں میں گاڑے۔

آج ان خِطّوں میں جو اسلام نظر آرہا ہے یہ محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور

اسی طرح دیگر مجاہدینِ اسلام کی خدمات و جہاد کا نتیجہ ہے۔ جب تک ہندوستان اور پاکستان کے خطوں میں اسلام موجود رہیگا اور اسلامی اعمال و عبادات پر عمل ہوتا رہیگا اللہ کے فضل و کرم سے قوی امید ہے کہ اس اجر و ثواب میں محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے مجاہدین رفقاء بھی شریک رہیں گے۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

ان مجاہدین اسلام کے جہاد کی برکت سے یہ خارزار گلستان ہوئے اور یہ کفرستان اسلامستان بنے۔

ساقی کے فیض سے مری رنگیں نگاہیاں
ہر خارزار کو ہیں گلستاں کیئے ہوئے

اللہ جلّ جلالہ تا قیامت اس چمن زارِ اسلام کو سرسبز و شاداب رکھیں۔ آمین۔

پھلا پھولا رہے یا ربّ چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دیکر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

اس دور میں اسلام کمزور ہوگیا ہے۔ مسلمان مظلوم ہیں۔ وہ ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد و غزا کے عزمِ بلند کے نہ ہونے، سوزِ جگر کے مفقود ہونے اور اسلاف والی ہمت و شوقِ آخرت کے

معدوم ہونے کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ اسلام کی عظمت و شوکت دنیا میں دوبارہ ظاہر ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلاف والے جذبِ دروں، شوقِ مسرّاتِ آخرت، عزمِ بلند اور سوزِ جگر سے اپنے دلوں کو معمور و مخمور کریں۔

آں عزمِ بلند آور، آں سوزِ جگر آور
شمشیر پدر خواہی، بازوئے پدر آور

"اے مسلمان ! اپنے اسلاف کی بلند ہمت، محکم عزم اور شدید درد و سوزِ جگر پیدا کر۔ اگر تو اپنے اسلاف و آباء والی تلوار چاہتا ہے تو آباء والے بازو بھی پیدا کر "۔

اللہ جلّ جلالہ مسلمانوں کو بے ہمتی سے اور خوابِ غفلت سے بچاتے ہوئے انہیں خدمتِ اسلام کے سلسلے میں بلند ہمت، مستحکم عزم، شدید سوزِ جگر اور قوی شوقِ آخرت نصیب فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۱۵)

اخوانِ عظام ! اکثر مسلمان کثرتِ مال پر خوش ہوتے ہیں اور قلّتِ مال پر غمگین ہوتے ہیں۔ از روئے شریعتِ محمدیہ کثرتِ مال کے فوائد بھی ہیں اور آفات بھی۔ وہ موجبِ خوشی بھی ہے اور باعثِ غم بھی۔

احادیثِ مبارکہ سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کثرتِ مال کے نقصانات بھی زیادہ ہیں جبکہ حرام کاموں میں اس کا استعمال کیا جائے اور اس کے فوائدِ دنیوی و اخروی بھی زیادہ ہیں اگر کارہائے نیک میں وہ مال استعمال کیا جائے۔ تو اس میں خیر کا پہلو بھی ہے اور شر کا پہلو بھی ہے۔ حدیث شریف ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. رواہ أَحمدُ والطَّبْرَانِیُّ فی الکبیر۔ یعنی ”نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بہت اچھا اور پسندیدہ ہے وہ مال جو پاکیزہ ہو اور کسی نیک و صالح آدمی کی ملک ہو“۔

یہ تو کثرتِ مال کا بیان تھا جو آپ حضرات نے سن لیا۔

اسی طرح حال ہے طولِ عمر کا بھی اور صحتِ جسم کا بھی۔ صحتِ جسم اگر خدمتِ دین و خدمتِ مسلمین میں استعمال کی جائے تو یہ خیر ہی خیر ہے، بصورتِ دیگر وہ شرّ ہی شرّ ہے۔

ایک شاعر جوانی، صحتِ جسم، فارغ البالی اور کثرتِ مال کا فساد اور اس کی

تباہ کاری بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

إِنَّ الشَّبَابَ وَالْفَرَاغَ وَالْجِدَهْ
مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيُّ مَفْسَدَهْ

یعنی " بیشک جوانی، فارغ البالی اور مال و دولت یہ تینوں چیزیں کسی آدمی کیلئے فساد کے کامل ذرائع و اسباب ہیں"۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ. رواہ الترمذی فی الجامع ج ۲ ص ٦٥.

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ دو چیزیں ایسی ہیں جو نعمت ہیں مگر انہیں غلط استعمال کرنے کی وجہ سے اکثر لوگ ان کے بارے میں خسارے میں ہیں۔ ایک جسمانی صحت اور دوسرا فارغ البالی"۔

اس حدیث میں صحت کے دونوں پہلوؤں کا ذکر ہے یعنی خیر کا بھی اور شرّ کا بھی۔ خیر کا پہلو یہ ہے کہ صحت کو نعمت قرار دیا گیا ہے اور مغبون میں صحت کے برے پہلو کا ذکر ہے۔

حاصلِ مفہومِ حدیث یہ ہوا کہ صحتِ بدنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت و سعادت ہے جو کسی بندے کو مل جائے۔ یہ صحت تعمیرِ دنیا و آخرت کا ذریعہ ہے اگر اسے نیک کاموں میں، عبادتُ اللہ میں اور خدمتِ قوم میں استعمال کیا جائے۔ یہ ہے صحت کا اچھا پہلو۔

لیکن افسوس کہ بہت سے نوجوان اور صحت مند لوگ اپنی صحت کی صحیح

قدر نہ کرتے ہوئے اسے شیطانی راستوں میں استعمال کرتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ صحت ان کیلئے اُخروی تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

کسی انسان کی صحت عموماً اس کی جوانی کے زمانے میں اپنے جوبَن پر ہوتی ہے۔ اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جوانی کے بارے میں خصوصی طور پر یہ پوچھیں گے کہ اے انسان ! تو نے اپنی جوانی اور جوانی کی صحت اور قوت کس کام میں صرف کی؟

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا : لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ : عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ، وَعَنِ الشَّبَابِ فِيْمَا أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَّالٍ مِّنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ، وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. أخرجه الترمذی فی الجامع ج ۲ ص ۷۷. وقال: هذا حديث غريب.

” حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ابن آدم کے قدم اس وقت تک نہیں ڈگمگائیں گے اور اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائیگی (یعنی جب ان پانچ چیزوں کے بارے میں اس سے سوال ہوگا تو ابن آدم کے قدم انتہائی پریشانی کی وجہ سے ڈگمگا جائیں گے)۔

پہلا سوال یہ ہوگا کہ تو نے عمر کن کاموں میں گزاری (اچھے کاموں میں یا بُرے کاموں میں)؟

دوسرا سوال یہ ہوگا کہ جوانی کو کن مشاغل میں گزارا (اچھے مشاغل میں

یا برے مشاغل میں)؟

تیسرا اور چوتھا سوال یہ ہوگا کہ مال کہاں سے اور کس طریقے سے کمایا (حلال طریقے سے کمایا یا حرام طریقے سے)؟ اور کن کاموں میں وہ مال خرچ کیا (جائز جگہوں میں یا ناجائز جگہوں میں)؟

اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جتنا تُو نے علم حاصل کیا تھا اس کے مطابق کتنا عمل کیا؟"۔

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَا فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ، وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ، وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ.

"حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ (قیامت کے دن) کسی آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ سوالات نہ کئے جائیں۔

پہلا سوال یہ ہوگا کہ تو نے عُمر کن کاموں اور کن مشغلوں میں گزاری؟

دوسرا سوال یہ ہوگا کہ علم کے ساتھ تو نے کیا معاملہ کیا؟ یعنی اس پر کتنا عمل کیا؟

تیسرا اور چوتھا سوال یہ ہوگا کہ تو نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ تو نے جسم یعنی صحت وتندرستی کو کن کاموں میں صرف کیا؟"۔

غرض صحتِ بدنی اور تندرستی ایک جہت سے تو مصیبت و آفت ہے

کیونکہ وہ گناہوں کی ترغیب دیتی ہے اور اسی جہت کے پیشِ نظر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صدر بددعا میں اس کا ذکر فرمایا۔

مگر ایک اور جہت سے تندرستی وصحتِ جسمانی وعافیتِ بدنی انسان کے لئے رحمت وسعادت ومطلوب بھی ہے، اور اس کا رحمت وسعادت ومطلوب ہونا ظاہر اور بدیہی ہے۔

کیونکہ ہر انسان اپنی صحتِ بدنی کا خیال رکھتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ جسمانی طور پر تندرست رہے اور بیماریوں اور بدنی آفات سے وہ محفوظ رہے۔ اور اس مطلوبِ اعلیٰ یعنی تندرستی کو برقرار رکھنے کیلئے وہ بڑی رقم خرچ کرتا ہے۔ ذرا بیمار ہو جائے تو پیسے خرچ کر کے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے پاس علاج کیلئے جاتا ہے تاکہ بیماری دور ہو جائے اور تندرستی لوٹ آئے۔

اسی طرح مختلف ریاضتوں، ورزشوں اور دیگر وسائل کے ذریعے صحت کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ کسی انسان کو ذرا زکام ہو جائے تو دوا استعمال کرتا ہے، دردِ سر ہو تو دوا استعمال کرتا ہے، بخار ہو تو دوا استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح اور کوئی بیماری ہو ظاہری ہو یا اندرونی تو شفا حاصل کرنے کیلئے بڑی رقمیں خرچ کر کے علاج کراتا ہے۔

اس بیان سے اس دعوے کی تصدیق ہوئی کہ تندرستی اور صحتِ جسمانی عظیم رحمت ہے اور ہر انسان کی مطلوب ہے۔

احادیث نبویہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بدن کی سلامتی اور تندرستی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ کئی احادیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگا کرو۔ اور فرمایا سب سے اعلیٰ چیز جو انسان

خدا سے مانگتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے وہ عافیت ہے۔

عافیت کا معنی ہے سلامتی۔ عافیت کا دائرہ وسیع ہے۔ اس میں عافیتِ دنیوی بھی داخل ہے اور عافیتِ اخروی بھی، عافیتِ ظاہری بھی داخل ہے اور عافیتِ باطنی بھی، عافیتِ ایمانی بھی داخل ہے اور عافیتِ جسمانی بھی۔ پس عافیت کے وسیع دائرہ میں صحتِ بدن اور تندرستی بھی داخل ہے۔

مجھ سے کئی علماء نے "أُعْفُنِيْ" اور "عَافِنِيْ" میں معنوی فرق پوچھا اور کہا کہ یہ دونوں لفظ دعا میں ذکر کئے جاتے ہیں اور بعض احادیث میں بھی وارد ہیں، لہٰذا ان دونوں میں باعتبار معنی کیا فرق ہے؟

میں نے یہ جواب دیا کہ دونوں کے معنی میں بڑا فرق ہے۔ "أُعْفُنِيْ" عفو سے ہے اور اس کا تعلق گناہوں سے ہے، اور "عَافِنِيْ" کا مأخذ ہے معافاۃ وعافیت اور اس کا عموماً تعلق ہے امراض بدنیہ سے۔ تو معنی یہ ہے کہ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما۔ یہ "أُعْفُنِيْ" کا معنی ہے۔ اور "عَافِنِيْ" کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے آفات و امراض سے عافیت و سلامتی نصیب فرما۔

بہرحال عافیت و سلامتی بڑی رحمت اور بڑی سعادت ہے جو کسی انسان کو مل جائے۔ احادیث نبویہ میں دعائے عافیت کی بڑی شدید ترغیب مروی ہے، اور آپ کو ابھی معلوم ہوا کہ عافیت کے معنی میں تندرستی اور جسمانی صحت بھی داخل ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللهُ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُّسْأَلَ الْعَافِيَةَ. ترمذی ج ۲ ص ۲۱۶.

" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے جس آدمی کو دعا کی توفیق مل گئی تو گویا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو عافیت سے (یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب یہ بات ہے کہ اس سے انسان عافیت کا سوال کرے)"۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَامَ أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رضی اللہ عنہ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكٰى فَقَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَامَ الْأَوَّلِ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكٰى فَقَالَ: سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَدًا لَّمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِّنَ الْعَافِيَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِی وقال: حدیثٌ حَسَنٌ غریبٌ. ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸.

" حضرت معاذ بن رِفاعہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور رو پڑے۔ پھر فرمایا کہ ایک سال قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی طرح منبر پر کھڑے ہوئے اور رو کر ارشاد فرمایا کہ (اے لوگو!) تم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا سوال کرو۔ کیونکہ کسی آدمی کو یقین ایمانی کے بعد کوئی ایسی چیز عطاء نہیں کی گئی جو کہ عافیت سے بہتر ہو"۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بد دعا میں جو صحتِ جسمانی کا ذکر ہے وہ محض شرّ اور آفت نہیں ہے بلکہ اس میں رحمت و سعادت کا پہلو بھی ہے۔

تاہم ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بد دعا میں صحتِ جسمانی کے ذکر میں اصحابِ بصیرتِ کاملہ و عارفین و اہل اللہ کیلئے یہ اہم درس اور تعلیم موجود ہے کہ گاہے گاہے امراض جسمانیہ میں اور بعض آفات میں مبتلا ہونا بھی بڑی رحمت و سعادت

ہے۔

سوال۔ اس بیان کے پیشِ نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفات و امراض میں مبتلا ہونے میں کونسی رحمت اور کس قسم کی سعادت ہے؟ اور اس رحمت کی تفصیل کیا ہے؟

جواب۔ امراض و مصائب و آفاتِ دنیویہ کئی وجوہ سے موجبِ سعادت و باعثِ رحمت ہیں۔

وجہ اوّل۔ گاہ بگاہ بیمار ہونا اور مصائب سے دوچار ہونا اوّلاً تو اس لئے اچھی بات ہے اور رحمت ہے کہ یہ بیماریاں اور آفات باعثِ تواضع ہیں، اور حادثات، آفات اور امراض انسان کو تواضع و عاجزی و بندگی پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان سے فخر و تکبر کا علاج ہوتا ہے، کیونکہ امراض و آفات تکبر کو دفع کرتی ہیں۔

وجہ دوم۔ ثانیاً اس لئے کہ اس سے انسان توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تندرستی عموماً انسان کو توبہ سے دور رکھتی ہے۔

وجہ سوم۔ بیماریوں اور آفات سے خدا تعالیٰ یاد آتے ہیں اور ان کے ذریعے انسان ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تندرستی عموماً انسان کو خدا سے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے۔

وجہ چہارم۔ آفات و امراض انسان کو ندامت پر اور ماضی کی غفلت پر افسوس اور پشیمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور یہ ندامت اور سابقہ غفلت پر افسوس عظیم اخروی سعادت ہے اور مستقبل سنورنے کا اور صراط مستقیم پر چلنے کا قوی ذریعہ و وسیلہ ہے۔

وجہ پنجم۔ امراض و آفات کے وقت انسان کو صبر کرنے کا موقع ملتا

ہے، کیونکہ صبر کا تعلق عموماً مصائب اور تکالیف سے ہوتا ہے، اور صبر کا درجہ بہت بلند ہے، اسی طرح صابرین کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. یعنی "بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

پس اللہ تعالیٰ کی معیت صبر کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور صبر امراض و آفات پر قائم ودائر ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے امراض و مصائب باعثِ رحمت و موجبِ برکت ہیں۔

وجہ ششم۔ امراض و آفات کے موجبِ رحمت وباعثِ برکت ہونے کی پانچ وجوہ کی تفصیل تو آپ نے سن لی۔ آگے ان کے موجبِ برکت ورحمت ہونے کی چھٹی وجہ کا بیان ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آفات و بلایا و امراض کے ذریعہ موت یاد آتی ہے، بلکہ اگر مرض شدید ہو اور آفت خطرناک ہو تو موت ہر وقت ذہن میں مستحضر رہتی ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ موت کی یاد و استحضار مسلمان کیلئے بڑی سعادت وبرکت ہے۔

موت کی یاد اور ذہن میں ہر وقت اس کا تصوّر و استحضار گناہوں سے روکتا ہے، عملِ حسنات کی اور صراط مستقیم پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

حدیث شریف ہے۔ أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ۔ یعنی "کثرت سے موت کو یاد کیا کرو"۔

وجہ ہفتم۔ امراض و آفات میں مبتلا ہونے کے بعد انسان کے دل میں صحت وعافیت کی قدر دانی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ کیونکہ زوالِ نعمتِ عظیمہ کے بعد

ہی اس نعمت کی عظمت اجاگر ہوتی ہے اور انسان کے دل میں اس کی قدر دانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نعمت کی قدر دانی کا جذبہ شکرِ نعمت کا دوسرا نام ہے۔

پس امراض و مصائب مریض اور مصیبت زدہ کو نعمتہائے خدا تعالیٰ اور صحتِ جسمانی کے شکر کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ شکر کرنا عظیم سعادت ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے، شکر سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور شاکر خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔

وجہ ہشتم۔ امراض و مصائب آخرت کے اعتبار سے عظیم سعادت اور عظیم رحمت ہیں، کیونکہ یہ امراض معاصی اور گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ دنیاوی آفات، امراض اور بیماریوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں۔

احادیث میں یہاں تک آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ امراض و آفات میں مبتلا مسلمانوں کو آفات و امراض کی وجہ سے بلند درجات دینگے تو اس وقت وہ لوگ جو دنیا میں تندرست تھے اور تندرستی پر نازاں تھے وہ بطورِ حسرت تمنا کرینگے کہ کاش! ہم بھی دنیا میں مریض ہوتے اور مصائبِ جسمانی میں مبتلا ہوتے تاکہ آج ہمیں بھی یہ بلند درجات نصیب ہوتے۔

اس موضوع سے متعلق چند احادیث مبارکہ پیشِ خدمت ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ. ترمذی ج ۲ ص ۷۵.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دنیا میں

عافیت کیساتھ زندگی گزار کر جانے والے قیامت کے دن مصیبت زدہ لوگوں کو ملنے والا اجر وثواب دیکھیں گے تو تمنا کرینگے کہ اے کاش ! دنیا میں ان کی کھالوں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا (تاکہ انہیں بھی وہی اجر وثواب ملتا جو اہلِ مصائب کو مل رہا ہے)"۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن مصائب اور امراض میں مبتلا شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اجر وثواب نصیب ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تندرست اور بدنی عافیت والے لوگ امراض میں مبتلا لوگوں کا ثواب دیکھ کر یہ تمنا کرینگے کہ کاش ! ہم بھی دنیا میں مبتلائے امراض و مصائب ہوتے اور ہمارے بدن قینچیوں سے کاٹ دیئے جاتے تاکہ آج ہمیں بھی ایسا ثواب ملتا۔

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ رضی اللہ عنہ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً ؟ قَالَ : الْأَنْبِيَاءُ ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ . يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ . فَإِنْ كَانَ دِيْنُهٗ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ . وَإِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ . فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهٗ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ . ترمذی ج ۲ ص ۷۵.

یعنی " حضرت مصعب بن سعد روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ! کون لوگ سخت ترین مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں ؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر سب سے زیادہ مصائب آتے ہیں۔ پھر درجہ بدرجہ جو لوگ ان کے قریب ہوں۔

مسلمان کو اس کی دینداری کے مطابق مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

پس اگر بندہ دین میں پختہ اور سخت ہو تو اس پر آنے والی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں اور اگر آدمی دین میں کمزور اور نرم ہو تو اس کا امتحان بھی نرم اور ہلکا ہوتا ہے۔ مسلمان ہمیشہ کچھ نہ کچھ مصائب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مصائب اسے گناہوں سے اتنا پاک کر دیتے ہیں کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ وغیرہ نہیں ہوتا"۔

بھائیو! دو صحابہ یعنی عمار و ابو درداء رضی اللہ عنہما کی رحمت آمیز بددعاؤں کی مثالیں آپ نے سن لیں اور ان کی تشریح و توضیح بھی آپ کے گوش گزار ہوئی۔ اب ایک تیسری مثال بھی سن لیں۔

مثال سوم۔ تیسری مثال میں ہم خلیفۂ راشد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی بددعا پیش کرتے ہیں۔ ان کی اس بددعا میں بھی ہمارے سابقہ دعوے کے مطابق رحمت اور خیر کا پہلو واضح طور پر موجود ہے۔

کتاب الزہد میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ باسند یہ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ زَاذَانَ أَبِي عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ سَأَلَ رَجُلًا عَنْ حَدِيثٍ فِي الرَّحْبَةِ فَكَذَّبَهُ فَقَالَ: إِنَّكَ قَدْ كَذَّبْتَنِي. فَقَالَ: مَا كَذَّبْتُكَ. قَالَ: فَأَدْعُو اللهَ عَلَيْكَ إِنْ كُنْتَ كَذَّبْتَنِي أَنْ يُعْمِيَ اللهُ بَصَرَكَ. قَالَ: فَدَعَا اللهَ أَنْ يُعْمِيَهُ فَعَمِيَ. كتابُ الزُّهد ص ۱۳۲.

"حضرت زاذان ابو عمر کی روایت ہے کہ اُن سے کسی ثقہ آدمی نے یہ بات بیان کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک آدمی سے مجمع عام میں کوئی بات پوچھی تو اس آدمی نے جھوٹ بول دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے میرے

سامنے جھوٹ بولا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیرے لئے یہ بددعا کرتا ہوں کہ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اندھا کر دے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بددعا فرمائی اور وہ شخص اندھا ہو گیا"۔

اس اثر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جھوٹے شخص کو اندھا ہونے اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہونے کی بددعا دی۔ بینائی سے محرومی واقعی بظاہر بڑی مصیبت اور آفت ہے کیونکہ آنکھیں ہیں تو دنیا ہے اور آنکھوں کے بغیر دنیاوی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

پس نابینا ہونا بظاہر آفت و زحمت ہے اور ظاہری تکالیف کا باعث ہے لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ نابینا ہونا اللہ و رسول کے نزدیک شقاوت کی علامت نہیں ہے بلکہ اس میں رحمتِ اخروی اور سعادتِ عقبیٰ کا پہلو بھی ہے۔

چنانچہ بعض احادیث میں تصریح ہے کہ نابینا شخص کو قیامت کے دن بینائی سے محروم ہونے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ بڑا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ بصارت اور بینائی سے محرومی قیامت کے دن دخولِ جنت کا سبب بنے گی۔ اسی وجہ سے قیامت کے دن بہت سے بینا لوگ یعنی دنیا میں صحیح و سالم آنکھوں والے یہ خواہش کریں گے کہ کاش ! ہم بھی دنیا میں نابینا ہوتے تاکہ ہمیں بھی یہ اجر و ثواب نصیب ہوتا جو آج نابیناؤں کو حاصل ہو رہا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ :

إِذَا أَخَذْتُ كَرِيمَتَيْ عَبْدِيْ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِيْ إِلَّا الْجَنَّةَ.
رَوَاهُ الترمذي ج ۲ ص ۷۵.

" حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ جب میں دنیا میں اپنے نیک بندے کی عظمت واکرام والی دو چیزیں یعنی آنکھیں لے لیتا ہوں تو اس کا اجر آخرت میں میرے ہاں جنت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے "۔

اس حدیث میں واضح طور پر اس خوشخبری کا اعلان ہے کہ نابینا شخص کی بصارت سے محرومی کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہے کہ اللہ عزّوجلّ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

لیکن اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ وہ نابینا صبر کرے اور اس مصیبت پر راضی ہو۔

اس شرط کا ذکر ایک اور حدیث میں مذکور ہے جو ابو ہریرہؓ کی ہے۔

عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ. ترمذی ج ۲ ص ۷۵.

" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ میں نے جس مسلمان بندے کی دو محبوب چیزیں (آنکھیں) لے لیں پھر اس بندے نے طلبِ ثواب کی نیت سے میرے اس فیصلے پر صبر کر لیا تو میں اسے جنت سے کم کوئی اجر وثواب دینے پر راضی نہیں ہوں گا "۔

مثال چہارم۔ چوتھی مثال حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بد دعا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر فقیہ، مجتہد اور بیشمار فضائل و مناقب والے صحابی ہیں۔ ان کی ایک بد دعا کتب احادیث میں مذکور ہے۔

انسان عموماً غصے کے وقت بد دعا دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے غصے میں بھی رحمت کی جھلک پنہاں ہوتی تھی۔ ان کا غصہ محض شرّ اور محض اذیّت و آفت کا سبب نہ ہوتا تھا بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی رحمت کا پہلو بھی ہوتا تھا۔

کتبِ تاریخ و احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی چور نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دراہم چرا لئے۔ گھر والے اس چور کو بد دعائیں دینے لگے، لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو یقیناً پریشان، غمگین اور شدید غصے میں ہوں گے نے جو بد دعا دی وہ در حقیقت دعائے خیر ہی ہے۔

کتبِ تاریخ و احادیث میں اس واقعہ کے الفاظ یہ ہیں۔

رُوِیَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّہٗ سُرِقَتْ لَہٗ دَرَاھِمُ. فَجَعَلُوْا یَدْعُوْنَ عَلٰی مَنْ أَخَذَھَا. فَقَالَ لَھُمْ: اَللّٰھُمَّ إِنْ کَانَ حَمَلَتْہُ عَلٰی أَخْذِھَا حَاجَۃٌ فَبَارِکْ لَہٗ فِیْھَا. وَإِنْ کَانَ حَمَلَتْہٗ جَرَاءَۃٌ عَلَی الذَّنْبِ فَاجْعَلْہُ آخِرَ ذُنُوْبِہٖ. تعلیقات کتاب الحِلم للحافظ ابن أبی الدّنیاص ۲۷.

یعنی ”ایک مرتبہ کسی چور نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے دراہم چُرا لئے۔ گھر والوں نے فطرتی و طبعی تقاضے کے پیش نظر اس چور کو بد دعائیں دینا شروع کر دیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (چور کو بد دعائیں دینے سے گھر والوں کو منع کرتے ہوئے شفقت و رحمت پر مشتمل یہ کلام ارشاد) فرمایا کہ اے اللہ ! اگر

اس چور نے کسی شدید مجبوری وضرورت کی وجہ سے یہ چوری کی ہے تو آپ اس کیلئے اس مال میں برکت پیدا فرمادیں۔ اور اگر اس نے یہ چوری خوفِ خدا نہ ہونے اور گناہ پر جرّی ہونے کی وجہ سے کی ہے (یعنی عادی چور ہے) تو اے اللہ ! آپ (اس کو توبہ کی توفیق دیتے ہوئے) اس کی یہ چوری (یعنی چوری والا گناہ) آخری گناہ بنادیں ”۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے غصے اور غم کا اظہار فرمایا حلم وبردباری اور رحمت پر تین وجوہ سے مشتمل ہے۔

وجہ اوّل ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے گھر والوں کو بددعا اور گالی گلوچ سے اور چور کی مذمّت کرنے سے منع کرتے ہوئے اپنے کلام اور اپنی بات کی طرف متوّجہ فرمایا۔

یہ بات طبعی و فطرتی ہے کہ جن کا مال چوری ہوجائے گھر کے جملہ افراد چھوٹے بڑے چور کی مذمّت کرتے ہیں، اس پر لعن طعن کرتے ہیں اور اسے بددعائیں دیتے ہیں۔ لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے جلیل القدر تربیت یافتہ وتعلیم یافتہ عظیم صحابی تھے، انہوں نے گھر والوں کو لعن طعن کرنے اور بددعا دینے سے منع فرمایا۔

یہ حلم ودرگزر اور عفو ورحمت کا عظیم مظاہرہ ہے۔ اولیاء کبار کے سوا کوئی شخص رحمت وعفو کے اس قسم کے مظاہرے پر قادر نہیں ہوسکتا۔

وجہ دوم ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلام میں فرمایا۔ اے اللہ ! اگر چور نے اپنی کسی شدید حاجت وضرورت سے مجبور ہو کر یہ چوری کی ہے تو اے اللہ ! آپ اس مال میں چور کیلئے برکت ڈال دیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اگر اپنا

مال معاف کر دیتے تو بھی یہ بے مثال قربانی اور بے مثال شفقت و رحمت ہوتی لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف مال معاف کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ دعائے خیر دی کہ یہ مال چور کیلئے موجِب برکت بن جائے۔

وجہ سوم۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کلام میں اپنے غم و غصے کا اظہار یوں فرمایا کہ اگر اس چور نے یہ چوری بغیر ضرورت کے کی ہے اور گناہوں کی عادت و جرأت اس چوری کا سبب ہے تو اے اللہ ! آپ اس چور کو توبہ کی ایسی توفیق دیں کہ یہ چوری اس کی آخری چوری ہو اور اس کے بعد وہ نیک و صالح بن جائے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام سراپا رحمت و شفقت ہے۔ ایسے غم اور غصے کے موقعہ پر شفقت کے ایسے معاملے پر صرف کبار اولیاء اللہ ہی قادر ہو سکتے ہیں۔ یہ کتنا پیارا کلام ہے۔ اِس کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر یہ چور عادی چور ہے اور بے ضرورت اس نے چوری کی ہے تو اے اللہ ! میں اپنا مال تو معاف کرتا ہوں لیکن آپ سے درخواست ہے کہ اُسے توبہ کی توفیق نصیب فرمادیں اور یہ چوری اس کی آخری معصیت ہو۔

احباب کرام ! اس طویل بحث و کلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالتِ غصہ میں بددعا کی چار مثالوں کی تفصیل پیش کی گئی۔

اوّلاً عمار رضی اللہ عنہ کی بددعا کا بیان تھا۔

ثانیاً ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بددعا کا ذکر تھا۔

ثالثاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بددعا کا تذکرہ تھا۔

رابعاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بددعا جو کہ بصورت دعائے خیر تھی

کی توضیح تھی۔

بد دعا کی ان چار مثالوں سے اچھی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بد دعا بڑی عجیب اور نرالی ہوتی تھی۔ یعنی ان کی بد دعا عموماً ذُوْوَجْهَيْن و ذُوْجِهَتَيْن (دو جہتوں والی) ہوتی تھی۔ اگر ایک جہت سے وہ بد دعا ہوتی تھی تو دوسری جہت سے وہ دعائے خیر بھی ہو سکتی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم عموماً محض شر اور محض تباہی کی بد دعا نہیں کرتے تھے۔

اس کی وجہ و علت ہم پہلے یعنی ابتدائے بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس وجہ و علّت کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وجود امت محمدیّہ کیلئے بلکہ کُل انسانوں کیلئے بلکہ کُل عالم کیلئے رحمت تھا، اور ان کا وجود اس لئے رحمت تھا کہ وہ اس عظیم نبی کے تربیت یافتہ اور تلامذہ تھے جسے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصفِ رحمۃ للعالمینی اتنا غالب اور واضح تھا کہ آپ کے تلامذہ اور آپ کے صحبت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی اس وصف کا پوری طرح رنگ چڑھا۔ یہاں تک کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا عموماً کوئی فعل رحمت و شفقت سے خالی نہ ہوتا تھا، حتی کہ غصے اور نزاع و جدال کے وقت بھی ان کی بد دعا میں کسی نہ کسی طرح رحمت و شفقت کی جھلک موجود ہوتی تھی۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے کامل تلامذہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ کاملہ و اَخلاقِ فاضلہ سے انہیں کتنا بڑا حصہ ملا تھا۔

بلا ریب صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشین، ان کے مکارمِ اَخلاق

سے پوری طرح متّصف اور ان کے اَنوار مبارکہ سے مکمل طور پر منوّر تھے۔

برادران اسلام ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اور اَطوارِ حیات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ ان کے اسوۂ حسنہ کے اتّباع میں دنیا و آخرت کی کامیابیاں مستور ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے خون سے، اپنی جدو جہد سے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کر کے چمنستانِ اسلام کی آبیاری کی تھی۔ اب ہماری باری ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اسلام کی حفاظت میں اور احکامِ قرآن و حدیث کی اشاعت میں تن من دھن کی بازی لگائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو نیک اعمال اختیار کرنے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

چمن میں خوشنوایانِ چمن کا امتحاں ہوگا
نبی کے باغ میں عہدِ کُہن کا امتحاں ہوگا
صحابہؓ نے لہو سے آبیاری کی تھی گلشن کی
ہماری باری ہے اب جان وتن کا امتحاں ہوگا
بڑی مدّت سے ہیں مخمور یاراں، بزم میں ساقی
اب ان کا رزم میں دار و رسن کا امتحاں ہوگا
تکلّف برطرف اے قوم یہ شیریں غذا کب تک
کبھی تو زہر سے کام و دہن کا امتحاں ہوگا

کتنے خوش نصیب و مبارک ہیں وہ مسلمان جن کے دل توکُّل علی اللہ، عبادۃ اللہ اور ذکر اللہ کی محبت کے انوار سے منور ہوں، احکامِ شریعت کے پابند

ہوں، عافیت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوں اور رزق بقدر قوت لایموت پر وہ قانع ہوں۔

خوشا آندل کہ پابندِ سرِ زلف پریشاں شد
چو غنچہ دامنش پُرخوں چوں گُل چاک گریباں شد
مکش اے دل ز دامانِ محبت دستِ ہمت را
کہ دستِ ہر کہ کوتاہ شد ازیں داماں پشیماں شد

(۱) ”کتنے مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ دل جو محبوب کی زلفوں کے پابند و تابع ہوں۔ ان کا دامن غنچے کی طرح خون آلودہ اور گریبان پھول کی طرح چاک ہو۔ یعنی محبوب کی محبت کے آثار اُن پر نمایاں ہوں۔

(۲) اے دل! دامنِ محبت سے دستِ ہمت کو نہ کھینچ۔ بصورتِ دیگر تو بہت پریشان و پشیمان ہو گا“۔

بس وہ شخص نیک بخت و کامیاب ہے جو نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کا پابند ہو اور اس کے دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا بدر مستور ہو۔ اور جس شخص نے نبی ﷺ کا دامن چھوڑ دیا اور ان کی محبت سے اس کا دل خالی رہا وہ بڑا نا کام ہے اگرچہ بظاہر وہ خوشحال اور دولتمند ہو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بالا چار بددعاؤں میں ان امور کا ذکر ہے طولِ عُمر، کثرتِ مال، کثرتِ اولاد، بلندئ جاہ، صحتِ بدن اور بینائی سے محروم ہونا۔

یہ تمام امور جس طرح شرّ کا احتمال رکھتے ہیں اسی طرح یہ خیر کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔

خیر و شر دونوں کے احتمال میں ان مذکورہ صدر امور کی نظیر و مثال زبان اور دل ہیں۔

انسان کے اعضاء میں یہی دو عضو سب سے اعلیٰ اور بہتر ہیں بشرطیکہ ان کی اصلاح کی جائے اور وہ کارہائے خیر میں مستعمل ہوں۔

اور یہی دو عضو تمام اعضاء انسانی میں بدتر بھی ہیں اگر وہ فاسد ہو جائیں اور اصلاح سے محروم ہو جائیں۔

حدیث شریف ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ إِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْبَدَنُ كُلُّهُ، وَإِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْبَدَنُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

یعنی "انسانی بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ اگر وہ فاسد اور خراب ہو جائے تو سارا بدن اور سارے اعضاء فاسد اور خراب ہو جاتے ہیں، اور اگر وہ صالح اور درست ہو جائے تو سارا بدن اور بدن کے جملہ اعضاء صالح اور درست ہو جاتے ہیں، اور وہ ہے دل "۔

متعدد کتابوں میں لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے کہ بدن میں دل اور زبان سب سے بہتر اعضاء ہیں اگر یہ درست ہو جائیں اور سب سے خبیث اعضاء بھی یہی دو ہیں اگر یہ خبیث اور بُرے بن جائیں۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ذُكِرَ أَنَّ لُقْمَانَ الْحَكِيمَ رحمہ اللہ تعالیٰ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا. فَأَوَّلُ مَا ظَهَرَ مِنْ حِكْمَتِهِ أَنَّهُ قَالَ لَهُ مَوْلَاهُ: يَا غُلَامُ! اِذْبَحْ لَنَا هٰذِهِ الشَّاةَ وَائْتِنِي بِأَطْيَبِ مُضْغَتَيْنِ مِنْهَا. فَجَاءَ بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ.

ثُمَّ قَالَ لَہٗ مَرَّۃً أُخْرٰی : اِذْبَحْ لَنَا ھٰذِہِ الشَّاۃَ وَائْتِ بِأَخْبَثَ مُضْغَتَیْنِ مِنْھَا. فَأَتَاہُ بِاللِّسَانِ وَالْقَلْبِ. فَسَأَلَہٗ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ : لَیْسَ فِی الْجَسَدِ مُضْغَتَانِ أَطْیَبَ مِنْھُمَا إِذَا طَابَا، وَلاَ أَخْبَثَ مِنْھُمَا إِذَا خَبُثَا. تَنْبِیْہُ الغافلین ص ۷۹.

یعنی " یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حبشی غلام تھے یعنی قومِ حبش سے تعلق رکھتے تھے۔سب سے پہلے جس بات کے ذریعہ ان کی حکمت و دانائی ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ مالک نے انہیں ایک دن کہا کہ اے غلام ! ہمارے لئے یہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کے دو بہترین ٹکڑے لے آؤ۔

حضرت لقمان رحؒ بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس بکری کا دل اور زبان کاٹ کر مالک کے پاس لے آئے۔

دوبارہ پھر ایک دن مالک نے کہا کہ یہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کے دو خبیث ترین اور گندے ٹکڑے لیکر آؤ۔حضرت لقمان حکیم رحؒ پھر بکری ذبح کر کے اس کا دل اور زبان کاٹ کر لے آئے۔

مالک نے یہ معاملہ دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ میں نے گوشت کے دو بہترین ٹکڑے طلب کئے تو بھی تم دل اور زبان کاٹ کر لائے اور جب میں نے کہا کہ دو بُرے اور خبیث ٹکڑے لے کر آؤ تب بھی تم وہی دو ٹکڑے لے کر آ گئے،اس کی وجہ کیا ہے؟

لقمان رحؒ نے فرمایا کہ جسم میں ان دو اعضاء سے بہتر کوئی عضو نہیں جب یہ دونوں اعضاء صحیح اور صالح ہوں اور ان دو اعضاء سے زیادہ برا اور خبیث بھی کوئی عضو نہیں جب یہ دونوں اعضاء گندے اور خبیث ہوں "۔

دعا ہے کہ اللہ عزّوجلّ ہمارے قلوب کو محبتِ طاعات وحسنات سے منوّر فرمائیں اور ہماری زبانوں کو کثرتِ ذکرُ اللہ سے مرطوب فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۱۶)

برادران اسلام ! یہ زمانہ غفلت کا زمانہ ہے۔لوگوں کے دلوں پر حُبِّ دنیا غالب ہے۔ وہ اپنی قیمتی زندگی حصولِ مال و دولت، حصولِ رزق اور حصولِ جاہ میں لگارہے ہیں اور موت کو بھول چکے ہیں۔ گناہوں اور معاصی کے وبالِ دنیوی و اخروی سے غافل ہیں۔ اس بات کا ذرا خیال نہیں کہ گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے کیونکہ ان گناہوں کی وجہ سے آخرت کے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا۔

لٰہذا عقلمند وہ ہیں جو موت سے قبل اس حیاتِ مستعار میں توبہ کرلیں اور اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں۔

کتاب الزہد (ص ۵۵) میں ہے۔ **قَالَ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ : طُوْبٰی لِمَنْ خَزَنَ لِسَانَہٗ وَوَسِعَہٗ بَیْتُہٗ وَبَکٰی مِنْ ذِکْرِ خَطِیْئَتِہٖ.**

یعنی ” حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مبارک ہے وہ آدمی جو اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور اس کا اپنا گھر ہی اس کے لئے کافی ہو (یعنی اِدھر اُدھر تجاوز اور کسی کی جائیداد پر قبضہ نہ کرے) اور اپنے گناہوں کو یاد کرکے روئے “۔

ہر صاحبِ اولاد آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی آفات و بلاؤں سے محفوظ رہے، خوشیوں اور ترقیوں سے ہمکنار رہے۔ اولاد کی حفاظت اور ان کی خوشحالی کا بہترین طریقہ

یہ ہے کہ والدین صالح اور نیکو کار بنیں، عبادت و ذکر اللہ کثرت سے کریں اور پوری طرح خدا تعالیٰ کے بن جائیں۔

قرآن و احادیث کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ صالحین کی اولاد کو اللہ تعالیٰ رزقِ فراخ دیتے ہیں، وہ مال و دولت سے ہمکنار ہوتے ہیں اور آفات و بلاؤں سے اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔

کتاب الزہد (ص ۵۵) میں ہے۔ **قَالَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ: طُوْبٰی لِلْمُؤْمِنِ ثُمَّ طُوْبٰی لَہٗ کَیْفَ یَحْفَظُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَدَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ.**

”حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مبارک در مبارک ہے صالح اور نیکو کار مؤمن (کہ اس کی وفات کے بعد) اللہ تعالیٰ کس طرح اس کی اولاد کو (مصائب و آفات سے) محفوظ رکھتے ہیں“۔

قرآن شریف میں حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام کا قصہ مذکور ہے۔ اس قصے میں یہ تصریح ہے کہ دونوں نے ایک خستہ اور گرنے والی دیوار کی اصلاح اور مرمت کی۔

اس دیوار کی اصلاح، مرمت اور مضبوط کرنے کی اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت قرآن میں بتلائی کہ اس دیوار کے نیچے ایک صالح اور نیک شخص کے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا۔ دیوار کے گر جانے سے اس خزانے کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس نیک شخص کے یتیم بچوں کے بلوغ تک یہ خزانہ محفوظ رہے تاکہ بالغ ہو جانے کے بعد وہ بچے اس خزانے سے استفادہ کر سکیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس دیوار کی اصلاح اور مرمت

کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارادے اور مشیت کا ظاہری سبب ان بچوں کے باپ کا صالح اور نیک ہونا تھا۔

ان کا باپ نہایت نیک انسان تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کی برکت سے اس کے بیٹوں کے رزق اور مال کی حفاظت کا غیب سے یہ سامان مہیا فرمایا کہ دو جلیل القدر پیغمبروں یعنی حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما السلام نے بحکمِ خدا اس دیوار کو کھڑا کر کے مستحکم بنا دیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس قصے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صٰلِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ. کہف آیت ۸۲.

"اور جو دیوار تھی وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ان دو بچوں کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ ایک نیک شخص تھا۔ پس تیرے ربّ نے چاہا کہ وہ دو بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تیرے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے"۔

اس اہم قصے سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کی حسنات اور نیکیاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے متعدّی ہوتی ہیں، یعنی ان کا فائدہ صرف عامل و عابد تک محدود نہیں ہوتا بلکہ دیگر اقارب کو بھی فائدہ پہنچتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

دیکھئے۔ قصہ خضر علیہ السلام میں دنیاوی فائدے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس نیک شخص کے یتیم بچوں کا مال و رزق ضائع ہونے سے بچا لیا۔ یہ دنیاوی فائدہ اور دنیاوی ثمرہ ہے۔ والدین کی نیکیوں کے طفیل اولاد کو یہ دنیوی

فائدہ پہنچا۔

اسی طرح کئی احادیث میں اُخروی فوائد کی بھی تصریح ہے۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَأَحْمَدُ مِنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ.

" حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس آدمی نے قرآن مجید پڑھا اور عملی و اعتقادی طور پر اس کی تعلیمات کو اپنایا، اس کے حلال کردہ امور کو حلال جانا اور حرام کردہ امور کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس افراد کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی "۔

اس حدیث میں اُخروی فائدے کا ذکر ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کے اوامر و احکام کے مطابق زندگی گزارے قیامت کے دن اس کی سفارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کے رشتہ داروں میں سے دس دوزخی افراد جنت میں داخل فرمائیں گے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ مذکورہ صدر آیت میں ان دو لڑکوں کی صلاح و نیکی اور حسنات کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد اگرچہ گنہگار ہو والدین کی نیکیوں کا فائدہ اُسے پہنچتا ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ رحمہ اللہ تعالیٰ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حُفِظَا بِصَلَاحِ أَبِيْهِمَا وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُمَا صَلَاحًا. ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹.

یعنی " سعید بن جبیرؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

کہ ان دو بچوں کی حفاظت کی گئی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے کیونکہ ان دو بچوں کی اپنی نیکی اور مستقبل میں ان کے نیک ہونے کا ذکر نہیں ہے"۔

امام جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ إِنَّهُمَا حُفِظَا بِصَلَاحِ أَبِيهِمَا وَلَمْ يُذْكَرْ مِنْهُمَا صَلَاحٌ. وَكَانَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الَّذِي حُفِظَا بِهٖ سَبْعَةُ آبَاءٍ. وَكَانَ نَسَّاجًا. تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹.

یعنی " ان بچوں (کے مال) کی حفاظت ان کے والد کی نیکی کی وجہ سے کی گئی کیونکہ ان بچوں کے اپنے نیک ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اور بچوں اور ان کے باپ، جس کی وجہ سے ان (کے مال) کی حفاظت کی گئی، کے درمیان سات پشتیں تھیں۔ اور وہ صالح شخص جولاہا تھا، یعنی اس کا پیشہ کپڑا بننا تھا"۔

اس بیان سے ایک مشہور شبہ اور سوال بھی دفع ہوا جو آجکل عوام و خواص میں مشہور رہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ آجکل بہت سے گدی نشین دنیاوی راحتوں اور خوشیوں سے مالا مال زندگی گزار رہے ہیں، قوم میں ان کی بڑی عزت ہوتی ہے، حالانکہ ان کے اعمال نہایت برے ہوتے ہیں۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود لوگ انہیں باپ دادوں کی وجہ سے پیر سمجھتے ہوئے ان کا بیحد اکرام کرتے ہیں۔

تو عوام و خواص کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا اکرام کیوں کیا جاتا ہے؟ اور ان کی یہ عزت کس وجہ سے کی جاتی ہے؟ حالانکہ یہ خود نیک و صالح نہیں ہیں بلکہ نیک و صالح تو صرف ان کے آباء و اجداد تھے۔

بیان سابق سے یہ سوال دفع ہوا۔ حاصلِ دفع یہ ہے کہ ان کے آباء و اجداد کے سلسلۂ نسب میں بعض نیک و صالحین و اولیاء اللہ تھے۔ ان صالحین و

اولیاء اللہ کی نیکیوں کی برکت سے مذکورہ صدر ربّانی و رحمانی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ ان صالحین و اولیاء اللہ کی اولاد کو کئی پشتوں تک معزز اور محترم رکھتے ہیں۔

کئی کتابوں میں مکتوب ہے کہ بعض بزرگ مستقبل میں اپنی اولاد کو معزز، محترم اور مصائب سے محفوظ کرنے کیلئے اپنے اَوراد و اَذکار و عبادات میں اضافہ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان اذکار و عبادات کے طفیل اور ان حسنات کی برکت سے ان کی اولاد کو عزت و اکرام بخشیں اور دنیاوی راحتوں اور فراخ رزق سے نوازیں۔

تقویٰ، ورع، عبادت اور ذکر اللہ اختیار کرنے والے حضرات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اطمینان و عافیت و مسرّت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ صالحین اپنے تقویٰ کی برکت سے مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کے اسی تقویٰ کی برکت سے ان کی اولاد و خاندان کو بھی اللہ تعالیٰ دنیا میں محفوظ رکھتے ہیں۔ نیکی و تقویٰ ایسے اعمال ہیں جو انسان کو ہمیشہ کی زندگی بخشتے ہیں۔ وہ لوگ جو نیک و صالح تھے اگرچہ آج اس دنیا میں موجود نہیں لیکن ان کے نام اب تک دنیا کی زبان پر ہیں۔ لوگ ان کی مدح کرتے ہیں۔ دراصل یہی ابدی زندگی ہے۔

شاہ ہوں یا ہوں گدا محکوم ہوں یا حکمراں
وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جن کی نیکیاں
جاگتا ہے ان کا تا روزِ قیامت نیک نام
گو کہ ہیں وہ بے خبر سوئے لحد کے درمیاں

چُپ ہیں پر ہے بحر و برّ میں پڑ رہی ان کی پکار
گم ہیں لیکن چپّہ چپّہ پر ہیں ثبت ان کے نشاں
یاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجان ومرنج
غیر سمجھے ان کو اپنا اور دشمن مہرباں
اور چلے جس وقت دنیا سے گئے دنیا میں چھوڑ
خوبیوں کی اپنی بس اِک اِک زباں پر داستاں
ان کا جینا کیسی نعمت ہوگی دنیا کے لئے
جن کا مرنا ان کے حق میں ہے حیاتِ جاوداں

محمد بن المنکدر رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور تابعی گزرے ہیں۔ بڑے عابد، متقی، محدّث وصاحب اوراد تھے۔ خوفِ خدا تعالیٰ کی وجہ سے اکثر اوقات روتے رہتے تھے۔ اس موضوع کے بارے میں حلیۃ الاولیاء میں حافظ ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے محمد بن المنکدرؒ کا ایک قول ذکر کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ایمان کامل، حسنات، طاعات اور اذکار کی برکات اس کی اولاد و اولادِ اولاد میں، نیز اس کے خاندان اور گھر میں بلکہ اس کے ہمسایوں میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ خصوصاً اس کی حیات میں اللہ عزّوجلّ انہیں ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھتے ہوئے انہیں عافیت نصیب فرماتے ہیں۔

حافظ ابونعیم کی روایت یہ ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَحْفَظُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ فِيْ وَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ. وَيَحْفَظُهٗ فِيْ دُوَيْرَتِهٖ وَفِيْ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ. فَمَا يَزَالُوْنَ فِيْ حِفْظٍ وَّعَافِيَةٍ مَّا كَانَ بَيْنَ ظَهْرَانِيْهِمْ. حِلْيَة

ج ۳ ص ۱۴۸.

یعنی ”محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیک وصالح وکامل ایمان والے بندے کی نیکیوں اور حسنات کی برکت سے اس کی اولاد و اولادِ اولاد کو ہر قسم کے مصائب و آفات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ نیز اس بندۂ مومن کی برکت سے اس کے پڑوس والے خاندانوں کو بھی اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں۔ اس نیک آدمی کے گھر والے اور پڑوسی اس وقت تک حفاظت وعافیت میں رہتے ہیں جب تک وہ مؤمن کامل ان میں موجود (یعنی زندہ) رہتا ہے“۔

قصۂ خضر علیہ السّلام سننے سے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اور خضر علیہ السّلام کی بنائی ہوئی اور مستحکم کردہ دیوار کے نیچے کس قسم کا خزانہ دفن تھا اور اس کی تفصیل کیا ہے؟ لہٰذا اس خزانے سے متعلق تفصیل یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ متعدد مفسّرین نے اس کی جو تفصیل ذکر کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ دنیاوی خزانہ تھا، یعنی سیم وزر کی قسم سے تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ علم وحکمت کا خزانہ تھا۔ علماء میں ایک تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ دنیاوی خزانہ بھی تھا اور علم وحکمت کا خزانہ بھی تھا۔ یعنی وہاں وعظ ونصیحت اور کچھ خاص مفید واہم حکمتیں سونے کی قیمتی تختی پر مکتوب تھیں۔

أَخْرَجَ الْبَزَّارُ فِيْ مُسْنَدِهٖ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: إِنَّ الْكَنْزَ الَّذِیْ ذَكَرَهُ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ لَوْحٌ مِّنْ ذَهَبٍ مُّصْمَتٍ مَّكْتُوْبٌ فِيْهِ: عَجِبْتُ لِمَنْ أَيْقَنَ بِالْقَدْرِ لِمَ نَصَبَ؟ وَعَجِبْتُ لِمَنْ ذَكَرَ النَّارَ لِمَ ضَحِكَ؟ وَعَجِبْتُ

لِمَنْ ذَكَرَ الْمَوْتَ لِمَ غَفَلَ؟ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

یعنی "حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس خزانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا ہے وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ عبارت مکتوب تھی کہ مجھے تعجب ہے اس آدمی سے جسے تقدیر کا یقین ہے پھر وہ (کسبِ مال وغیرہ کے سلسلے میں) کیوں تکلیف اٹھاتا ہے؟ تعجب ہے مجھے اس شخص کے بارے میں جسے جہنم یاد ہے پھر وہ ہنستا کیوں ہے؟ مجھے تعجب ہے اس انسان کے بارے میں جسے موت یاد ہے پھر وہ غافل کیوں ہے؟ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

تفسیر ابن جریر میں ہے۔

قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ رحمہ اللہ تعالیٰ: هُوَ لَوْحٌ مِّنْ ذَهَبٍ مَّكْتُوْبٌ فِيْهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. عَجِبْتُ لِمَنْ يُّؤْمِنُ بِالْقَدْرِ كَيْفَ يَحْزَنُ؟ وَعَجِبْتُ لِمَنْ يُّؤْمِنُ بِالْمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ؟ وَعَجِبْتُ لِمَنْ يَّعْرِفُ الدُّنْيَا وَتَقَلُّبَهَا بِأَهْلِهَا كَيْفَ يَطْمَئِنُّ إِلَيْهَا؟ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

یعنی "حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ دفینہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ مکتوب تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے تعجب ہے اس آدمی پر جس کا تقدیر پر ایمان ہے پھر وہ کس طرح (رزق و مال اور دیگر امور کے سلسلے میں) غمگین ہے؟ تعجب ہے مجھے اس شخص کے بارے میں جس کا موت پر ایمان ہے پھر وہ کس طرح خوش رہتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس انسان پر جو دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کے انقلابات کو جانتا ہے پھر وہ کس طرح اس دنیا سے مطمئن

ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں "۔

ایک اور روایت میں یوں ہے۔

عَنْ عُمَرَ مَوْلٰی غُفْرَةَ قَالَ: كَانَ لَوْحًا مِّنْ ذَهَبٍ مُّصْمَتٍ مَّكْتُوْبٌ فِيْهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. عَجَبٌ لِّمَنْ عَرَفَ النَّارَ ثُمَّ ضَحِكَ. عَجَبٌ لِّمَنْ أَيْقَنَ بِالْقَدَرِ ثُمَّ نَصَبَ. عَجَبٌ لِّمَنْ أَيْقَنَ بِالْمَوْتِ ثُمَّ أَمِنَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

یعنی " عمر جو مولیٰ ہیں غفرہ کے وہ فرماتے ہیں کہ وہ خزینہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ مکتوب تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تعجب ہے اس آدمی پر جو جہنم کو جانتا ہے پھر اس کے باوجود وہ ہنستا ہے۔

تعجب ہے اس شخص پر جسے تقدیر کا یقین ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو (کسبِ مال کے سلسلے میں) تھکاتا ہے۔

تعجب ہے اس آدمی پر جسے موت کا یقین ہے لیکن وہ اس سے بے خوف ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں "۔

ایک اور روایت ہے۔ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ اس سونے کی تختی پر اڑھائی سطروں میں یہ موعظت و حکمت درج تھی۔

عَجِبْتُ لِلْمُؤْمِنِ بِالرِّزْقِ كَيْفَ يَتْعَبُ؟ وَعَجِبْتُ لِلْمُؤْمِنِ بِالْحِسَابِ كَيْفَ يَغْفُلُ؟ وَعَجِبْتُ لِلْمُؤْمِنِ بِالْمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ؟ ابن كثير ج ۳ ص ۹۹.

یعنی ’’مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کا رزق پر یعنی اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر ایمان ہے پھر وہ کس طرح اپنے آپ کو (حصولِ رزق کے سلسلے میں) تھکاتا ہے۔اور تعجب ہے اس انسان پر جس کا حساب یعنی یومِ حساب پر ایمان ہے پھر وہ کس طرح اس سے غافل ہے۔اور تعجب ہے اس آدمی پر جس کا موت پر ایمان ہے پھر وہ کس طرح خوش وخرم رہتا ہے‘‘۔

موت یاد رکھنااور موت کیلئے تیاری کرنا بڑی سعادت ہے۔موت کے حملے سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ قبرستان آباد ہو رہے ہیں، یعنی اموات کی اور قبروں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور شہر اجڑ رہے ہیں۔ روزانہ شہروں سے جنازے اٹھتے ہیں اور قبرستان کی طرف جاتے ہیں۔ دنیا میں آسمان جیسی بلندی بھی کسی شخص کو اگر نصیب ہو جائے تو ایک دن ایسا بھی آئیگا اورضرور آئیگا کہ وہ شخص زمین میں دفن ہو کر مردوں میں شمار ہو گا۔

خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یارانِ گذشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں، کس طرح ہیں، کیا گزرتی ہے

سرمد کہتا ہے۔

بنگر کہ عزیزاں ہمہ درخاک شدند
درصیدگہِ فنا بفتراک شدند
آخر ہمہ را خاک نشیں باید شد
گیرم کہ برفعت ہمہ افلاک شدند

ذرا اپنے احباب واقارب اور شناسا لوگوں کا تصوّر کیجئے، ان پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہو جائیگا کہ بے شمار احباب و اعزّہ اور جاننے والے دنیا سے رخصت ہو کر قبرستان میں پہنچ گئے ہیں۔ اسی طرح باری باری سب نے دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ رباعیٔ مذکور کا منظوم اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

تھے جتنے عزیز آخرش خاک ہوئے
صیّادِ اجل کے زیب فتراک ہوئے
ہونا ہی پڑا خاک انہیں آخر کار
مانا کہ وہ رفعت میں سب افلاک ہوئے

دنیا کا عیش وطرب صرف دو چار دن کیلئے ہے۔ زندگی کا حاصل موت ہے۔ بہار کا منتہیٰ خزاں ہے۔ ہر خوشی کے بعد غم کا دور آتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں ایک شاعر کے چند رقّت انگیز، رُلانے والے اشعار پیش خدمت ہیں۔

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کے لئے یہ عیش وطرب کچھ بھی نہیں
وجہ کیا تم سے کہوں اس کی طبیعت ہی تو ہے
دل کو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں
زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا سامان
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثرِ جلسۂ شب کچھ بھی نہیں
کوئی اکبرسا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پہروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

حدیث شریف ہے۔ مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ.

یعنی ’’جس شخص نے تمام غموں اور تفکرات کو صرف ایک آخرت کا غم بنالیا (یعنی باقی تمام تفکرات اور غموں کو چھوڑ کر صرف ایک آخرت کی فکر اختیار کرلی) تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام تفکرات اور ضروریات کے کفیل ہو جاتے ہیں‘‘۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سب سے اہم چیز آخرت کی فکر ہے۔ پس جس کے دل میں آخرت کی فکر جتنی زیادہ ہوگی وہ اتنا ہی بڑا عابد ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مقرّبین میں سے ہوگا۔

بزرگوں کی زندگی اس حدیث کا مصداق ہوتی ہے۔ وہ اس حدیث کے مقتضیٰ کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں اور ان کے دل صرف آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کو اللہ عزّوجلّ غیبی نصرتوں اور کرامتوں سے نوازتے ہیں۔

آگے ہم بزرگوں کے چند ایمان افروز واقعات ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

علی بن موفق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ایک قافلہ کے ساتھ حج پر جارہا تھا۔ میں ایک سواری پر سوار تھا۔ قافلہ میں کچھ لوگ پیدل چل

رہے تھے۔

میں بھی سواری سے اتر گیا تاکہ پیدل چلنے والوں کی رفاقت اختیار کروں اور پیدل چلنے کا ثواب مل جائے۔ میں نے پیدل چلنے والوں میں سے ایک شخص کو اپنی سواری پر سوار کیا۔ چلتے چلتے ہم ایک مقام پر راستہ سے ہٹ کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور سو گئے۔

میں نے خواب میں کچھ حسین لڑکیوں کو دیکھا (یہ جنتی حوریں تھیں) جن کے ہاتھ میں چاندی کے لوٹے اور سونے کے طشت تھے۔

ان لڑکیوں نے یعنی جنّتی حوروں نے پیدل چلنے والوں کے قدموں کو دھونا شروع کیا اور تمام اشخاص کے قدموں کو دھویا، ایک میں رہ گیا۔ ان میں سے ایک لڑکی نے دوسری لڑکیوں سے کہا۔

أَلَيْسَ هٰذَا مِنْهُمْ؟ قُلْنَ: لَا. هٰذَا لَهُ مَحْمِلٌ. فَقَالَتْ: بَلٰى. هُوَ مِنْهُمْ لِأَنَّهُ أَحَبَّ الْمَشْيَ مَعَهُمْ. فَغَسَلْنَ رِجْلَيَّ. فَذَهَبَ عَنِّيْ كُلُّ تَعَبٍ كُنْتُ أَجِدُهُ. رَوضُ الرَّيَاحِين ص ٦٥.

یعنی "کیا یہ شخص ان پیدل چلنے والوں میں سے نہیں ہے؟ دوسری لڑکیوں نے کہا۔ نہیں، کیونکہ اس کا تو محمل (کجاوہ، یعنی سواری) ہے۔ اس لڑکی نے کہا (نہیں) بلکہ یہ بھی انہی میں سے ہے کیونکہ اس نے بھی ان کے ساتھ (سواری سے اتر کر) پیدل چلنا پسند کیا ہے۔ پھر انہوں نے میرے پاؤں کو بھی دھویا جس سے میری ساری تھکان ختم ہو گئی"۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل اللہ اور نیکو کاروں کی نصرت کے طریقے مختلف و متنوّع ہیں۔ مختلف طریقوں سے اور غیبی

ومخفی راستوں سے اللہ تعالیٰ ان کی امداد فرماتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے غیبی طریقوں سے اہل اللہ کو رزق پہنچاتے ہیں جن کی طرف انسان کا وہم وگمان بھی نہیں جاتا۔ توکُّل، عملِ صالح، للّٰہیت، تقویٰ اور خلوص وہ اوصاف ہیں جو انسان کو پستیوں سے اٹھا کر گردوں نشین اور اسے دائمی رفعت وعظمت اور دائمی جمال وکمال عطا کرتے ہیں۔

یہ مال و دولت و دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم وگماں، لا الٰہ الاّ اللہ

شیخ ابو یعقوب بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حرم شریف میں ایک مرتبہ دس روز تک بھوکا رہا۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ دل میں خیال آیا کہ باہر میدان اور وادی میں جانا چاہئے شاید کھانے کو کچھ مل جائے۔

جب میں باہر نکلا تو مجھے ایک ردّی بدبودار شلغم ملا۔ میں نے اسے اٹھا تو لیا مگر دل میں نفرت پیدا ہوئی اور یہ خیال دل میں آیا کہ آخر کار میری قسمت میں ایسی ردّی چیز کیوں آئی۔ لہٰذا اسے قبول کرنے میں مجھے تردّد ہوا۔ پھر میں نے اسے پھینک دیا اور واپس آکر مسجد حرام میں اس خیال اور اس نیت سے بیٹھ گیا کہ کھانے کے لئے شاید کوئی اچھی چیز مل جائے۔

اتنے میں ایک شخص میرے سامنے آکر بیٹھا اور ایک تھیلا میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ یہ ہمیانی ہے جس میں پانچ سو دینار ہیں، یہ سب تمہارے ہیں۔

میں نے اسے کہا کہ تم نے میری تخصیص کیوں کی، یعنی یہ دینار تم نے مجھے ہی کیوں دیئے، کسی اور کو کیوں نہ دیئے؟

اس شخص نے کہا کہ ہم دس دن سے سمندر میں تھے۔ کشتی غرق ہونے لگی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک نے سلامتی کی نذر مانی۔ میں نے یہ نذر مانی کہ اگر سلامتی نصیب ہوئی تو مجاورینِ کعبہ میں سے سب سے پہلے جس شخص پر میری نظر پڑیگی اسے پانچ سو دینار دوں گا، اور تم ہی مجھے سب سے پہلے نظر آئے اس لئے یہ پانچ سو دینار تمہیں دیئے ہیں۔

ابو یعقوب بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اسے کھولئے۔ اس نے کھولا۔

فَإِذَا فِيهَا كَعْكُ سَمِيذٍ مِّصْرِيٍّ وَّلَوْزٌ مُّقَشَّرٌ وَّسُكَّرٌ كِعَابٌ.

یعنی "اس میں مصری میدہ کی روٹی، مغز بادام اور شکر تھی"۔

میں نے ایک مٹھی شکر سے اور ایک مٹھی مغز بادام سے اٹھائی اور باقی چیز اس شخص کو واپس دیدی اور کہا کہ یہ میری طرف سے بطورِ ہدیہ اپنے بچوں کیلئے لے جاؤ۔

معلوم ہوتا ہے کہ پانچ سو دینار کے ساتھ وہ شخص کھانے کی چیزیں بھی لے کر آیا تھا۔

ثُمَّ قُلْتُ لِنَفْسِيْ: رِزْقُكِ يَا نَفْسُ! سِيْرَ إِلَيْكِ مُنْذُ عَشَرَةِ أَيَّامٍ وَّأَنْتِ تَطْلُبِيْنَهٗ مِنَ الْوَادِيْ.

یعنی "پھر میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس! تیرا رزق دس دن سے تیری طرف آرہا تھا اور تو اسے باہر وادی (میدان و بیابان) میں تلاش کرتا ہے"۔

یہ تھا ہمارے بزرگوں کا حال۔ آج مسلمان برائے نام مسلمان ہیں۔ ذرا بھوک یا افلاس سے دوچار ہوتے ہیں تو ہر قسم کے حرام کام کے ارتکاب کیلئے تیار

ہو جاتے ہیں۔

کسی شاعر نے اسی افسوسناک امر کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے۔

اَے مسلم خوابیدہ کچھ تجھ کو خبر بھی ہے
کس حال کو تُو پہنچا کچھ اس پہ نظر بھی ہے
حالت پہ کبھی اپنی کچھ غور کیا تُو نے
سونے کے سوا کیا کچھ کام اور کیا تُو نے
تُو موردِ طعنہ ہے، رسوائے زمانہ ہے
اَغیار کے حملوں کا ہر وقت نشانہ ہے
اَعدا نہ کریں تجھ پر کیوں مشقِ جفا اپنی
اپنوں سے جو بھولا ہے تُو خوئے وفا اپنی

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک نوجوان کو مکہ مکرمہ کے راستے میں دیکھا۔ وہ ایسے ناز و نخرے سے جا رہا تھا جیسا کہ اپنے گھر کے صحن میں پھر رہا ہو۔ میں نے اسے کہا۔

مَا هٰذِهِ الْمِشْيَةُ يَا فَتٰى؟ فَقَالَ: مِشْيَةُ الْفِتْيَانِ خُدَّامِ الرَّحْمٰنِ.
یعنی ”یہ کیسی رفتار ہے اے نوجوان؟ اس نے کہا کہ یہ اُن جوانوں کی رفتار ہے جو خدائے رحمٰن کے خدّام ہیں“۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

أَتِيهُ بِكَ افْتِخَارًا غَيْرَ أَنِّيْ ... أَذُوْبُ مِنَ الْمَهَابَةِ عِنْدَ ذِكْرِكَ
وَلَوْ أَنِّيْ قَدَرْتُ لَمُتُّ شَوْقًا ... وَإِجْلَالًا لِأَجْلِ عَظِيْمِ قَدْرِكَ

(۱) یعنی ” میں آپ کی محبت پر ناز کرتا ہوں لیکن پگھلتا ہوں ہیبت سے آپ کے ذکر کے وقت۔

(۲) اور اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں مر چکا ہوتا آپ کے شوق سے اور آپ کی عظمت سے، کیونکہ آپ کی شان بہت بلند ہے “۔

میں نے اس سے کہا۔ أَيْنَ زَادُكَ وَرَاحِلَتُكَ؟ یعنی ” تیرا زادِ راہ اور سواری کہاں ہے؟ “ اس نے میری بات کا برا منایا اور کہا۔

أَرَأَيْتَ عَبْدًا ضَعِيفًا قَاصِدًا مَوْلًى كَرِيْمًا حَمَلَ إِلٰى بَيْتِهٖ طَعَامًا وَّشَرَابًا. لَوْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَأَمَرَ الْخُدَّامَ بِطَرْدِهٖ عَنْ بَابِهٖ. إِنَّ الْمَوْلٰى جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ لَمَّا دَعَانِيْ إِلَى الْقَصْدِ إِلَيْهِ رَزَقَنِيْ حُسْنَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ. ثُمَّ غَابَ فَمَا رَأَيْتُهٗ بَعْدُ. رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

یعنی ” کیا آپ نے کبھی ایسی گھٹیا سوچ والا بندہ بھی دیکھا ہے کہ سخی مولیٰ کے پاس جارہا ہو اور اس کے گھر میں اپنے کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ لے جائے؟ اگر وہ ایسا کرے تو وہ مالک اپنے خدّام کے ذریعہ اسے اپنے در (گھر) سے بھگا دے گا۔ میرے مولیٰ نے مجھے اپنے گھر بلا کر اچھے توکّل سے ہمکنار کیا ہے۔ (یعنی میرے کھانے پینے کا انتظام اسی کے ذمہ ہے۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ) پھر وہ نوجوان بزرگ میری نظروں سے غائب ہو گیا “۔

دوستو! اگر دل میں ایمان کا نور ہو تو یہ سب سے بڑی عزت اور سب سے بڑی دولت ہے۔ عام انسان دنیاوی اسباب اور دنیاوی جاہ و شوکت کو عزت سمجھتے ہیں مگر اہل اللہ و صالحین نورِ ایمان کو، محبتِ خدا و رسول کو، عبادۃُ اللہ و ذکرُ اللہ کو عزت سمجھتے ہیں۔

دولت وہ ہے جو عقل ومحنت سے ملے

لذت وہ ہے کہ جوشِ صحت سے ملے

ایماں کا ہو نُور دل میں وہ راحت ہے

عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک بار ایک فقیر کو بیابان میں دیکھا۔ وہ ایک کنویں کے پاس آیا اور اس میں رسی کے ذریعے لوٹا لٹکایا تاکہ پانی نکالے۔ اتفاق سے رسی ٹوٹ گئی اور لوٹا کنویں میں جا گرا۔

وہ فقیر تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر اس نے کہا۔ وَعِزَّتِكَ لَاأَبْرَحُ إِلَّا بِرِكْوَتِيْ أَوْتَأْذَنَ لِيْ بِالْاِنْصِرَافِ۔

یعنی ” (اے اللہ) آپ کی عزت کی قسم، میں یہیں کھڑا رہونگا تاآنکہ مجھے لوٹا مل جائے یا آپ مجھے واپسی کا حکم دیدیں “۔

اتنے میں ایک ہرن آیا جو پیاسا تھا۔ اس نے کنویں میں دیکھا۔ پانی کنویں کے کنارے تک چڑھ آیا۔ ہرن نے پانی پیا اور چلا گیا۔ پانی کے بلند ہونے سے لوٹا بھی پانی کے ساتھ کنویں کے کنارے تک آ گیا۔

اس فقیر نے لوٹا نکالا اور کہا۔

إِلٰهِيْ مَاكَانَ لِيْ عِنْدَكَ مَحَلُّ ظَبْيَةٍ فَهَتَفَ بِهٖ هَاتِفٌ يَقُوْلُ : يَا مِسْكِيْنُ ! جِئْتَ بِالرِّكْوَةِ وَالْحَبْلِ . وَجَاءَتِ الظَّبْيَةُ ذَاهِبَةً عَنِ الْأَسْبَابِ لِتَوَكُّلِهَا عَلَيْنَا.

یعنی ” اے اللہ ! میری حیثیت آپ کے نزدیک ہرن سے بھی کم ہے۔

توہاتف فرشتے نے آواز دی۔اے مسکین ! تولوٹے اور رسی پر بھروسہ کرکے ان کو ساتھ لایا اور ہرن ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو کر صرف ہم پر ہی بھروسہ کرکے آیا"۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو عاصم بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ جب حجّاج ظالم نے آپ کی گرفتاری کیلئے پولیس آپ کے گھر بھیجی تو آپ نے اس وقت کیا تدبیر اختیار کی اور کیسے بچے؟

ابو عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب پولیس میرے گھر میں داخل ہوئی تو میں اس وقت مکان کے بالاخانے میں تھا۔اچانک غیب سے مجھے ایک دھکا لگا۔پھر میں نے اپنے آپ کو گھر سے ہزاروں میل دور جبل ابو قبیس (مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ ہے) پر پایا۔

عبد الواحد رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ پھر آپ کو کھانا کہاں سے ملتا تھا؟

ابو عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد الواحدؒ کے سوال کا جو جواب دیا وہ نہایت ایمان افروز و حیرت انگیز ہے۔

قَالَ : كَانَتْ تَأْتِيْ إِلَيَّ عَجُوْزٌ وَقْتَ إِفْطَارِيْ بِالرَّغِيْفَيْنِ الَّذَيْنِ كُنْتُ آكُلُهَا بِالْبَصْرَةِ. فَقَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ: تِلْكَ الدُّنْيَا أَمَرَهَا اللّٰهُ أَنْ تَخْدِمَ أَبَا عَاصِمٍ.

" شیخ ابو عاصمؒ نے فرمایا کہ ہر روز ایک بڑھیا میرے پاس بوقت افطار اس قسم کی دو روٹیاں لے آتی تھی جو میں شہر بصرہ میں کھاتا تھا۔شیخ عبد الواحدؒ نے فرمایا۔یہ دنیا تھی جو بوڑھی عورت کی صورت میں بحکمِ خدا آپ کی خدمت کرتی رہی"۔

اللہ تعالیٰ اہل اللہ کی غیبی اسباب کے ذریعہ یوں نصرت فرماتے ہیں۔
بعض بزرگوں کا قول ہے۔

مَنْ خَدَمَ اللّٰہَ خَدَمَتْہُ الدُّنْیَا. وَمَنْ أَطَاعَ اللّٰہَ أَطَاعَہُ الْمَخْلُوْقُ.

یعنی " جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خدمت کو یعنی عبادت کو مقصود بنایا دنیا اس کی خدمتگار ہو جائیگی۔ اور جس آدمی نے اللہ عزّوجلّ کی اطاعت اختیار کی کُل مخلوق اس کی فرمانبردار ہو جائیگی "۔

آجکل اکثر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ مال و دولت و رزق کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔ حلال و حرام کا پورا خیال نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ آفات میں مبتلا ہیں۔ اپنے اعمالِ بد کی سزا بھگت رہے ہیں۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

یعنی " دنیا میں ہر شخص دوسروں کے دیئے ہوئے غموں اور تکالیف پر دکھ میں مبتلا ہے اور نالہ و فریاد کر رہا ہے مگر سعدی (یعنی شاعر) اپنی ذات کو خود اپنے ہاتھوں سے پہنچنے والے نقصانات (یعنی اپنی خطاؤں اور گناہوں) پر فریاد کناں ہے اور آہ و بُکا میں لگا ہوا ہے۔ (یعنی انسان دوسروں کی دی ہوئی تکالیف پر تو شب و روز شکوہ و شکایت کرتا رہتا ہے لیکن اسے احساس نہیں کہ خود اس کے اپنے کئے ہوئے گناہوں کی کثرت اس کیلئے دنیا میں کتنے مصائب و آلام کا باعث بنتی ہے اور ان گناہوں کی بدولت اللہ کی ناراضگی اور آخرت کا عظیم خسارہ

تو الگ ہے۔ لہٰذا انسان کو دوسروں کی دی ہوئی تکالیف پر اظہارِ غم کرنے کی بجائے ہر وقت اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہوئے رونا چاہیئے)"۔

مسلمان کی شان اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی بلند ہے۔ جب مسلمان پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود دنیا کو اس کی خدمت پر مامور کر دیتے ہیں۔

مشہور بزرگ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار جنگل میں گیا۔ وہاں مجھے ایک عیسائی ملا جو وسطِ کمر (کمر کے درمیان) میں زنّار (وہ دھاگہ جو ہر جن کافر وغیرہ پہنتے ہیں) باندھے ہوئے تھا۔

اس نے مجھے کہا کہ اکٹھے سفر کریں گے۔ چنانچہ ہم نے سفر شروع کیا۔ سات دن چلتے رہے اور کھانے کو کوئی چیز نہ ملی۔ ساتویں دن عیسائی راہب نے کہا۔

هَاتِ مَاعِنْدَكَ مِنَ الِانْبِسَاطِ فَقَدْ جُعْنَا.

یعنی "اے مسلمان! جو بزرگی رکھتے ہو وہ آج ظاہر کرو کیونکہ ہم بھوکے ہو گئے ہیں"۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کرنا۔

فَرَأَيْتُ طَبَقًا عَلَيْهِ خُبْزٌ وَّشِوَاءٌ وَّرُطَبٌ وَّ كُوْزُ مَاءٍ فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا.

یعنی "اچانک میں نے ایک بڑی رکابی کو غیب سے نمودار ہوتے ہوئے دیکھا جس میں روٹی، گوشت اور کھجوریں تھیں اور پانی کا برتن بھی ساتھ تھا۔ پس ہم نے کھانا کھایا اور پانی پیا"۔

پھر ہم نے سفر شروع کیا اور سات دن مزید چلے اور کچھ نہ کھایا۔ فرماتے ہیں کہ اس بار میں نے سبقت کرتے ہوئے راہب سے کہا۔

يَا رَاهِبَ النَّصْرَانِيَّةِ! هَاتِ مَا عِنْدَكَ فَقَدِ انْتَهَتِ النَّوْبَةُ إِلَيْكَ.

یعنی "اے راہب! دکھایئے اپنی کرامت کیونکہ اب تمہاری باری ہے"۔ راہب نے عصا (لاٹھی) پر تکیہ لگایا اور دعا کی۔ وَإِذَا بِطَبَقَيْنِ عَلَيْهِمَا أَضْعَافُ مَا كَانَ عَلَى طَبَقِي۔

یعنی "اچانک دو بڑی رکابیاں نمودار ہوئیں جن میں میری رکابی کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ چیزیں تھیں"۔

مجھے حیرت ہوئی اور غیرت بھی آئی۔ میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا مگر میں انکار کرتا رہا۔

پھر اس نے کہا کہ کھایئے۔ میں تمہیں دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔

إِحْدَاهُمَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. وَحَلَّ الزُّنَّارَ.

وَالْأُخْرٰى قُلْتُ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ لِهٰذَا الْعَبْدِ حَظٌّ عِنْدَكَ فَافْتَحْ عَلَيْنَا.

یعنی "ایک خوشخبری یہ ہے کہ میں مسلمان ہو کر کلمہ شہادت پڑھتا ہوں۔ پھر اس نے زُنّار (وہ دھاگہ جو ہر یجن وغیرہ کافر پہنتے ہیں) کو کھول کر پھینک دیا۔

اور دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں نے تمہارے ہی وسیلے سے یوں دعا کی کہ اے اللہ! اگر اس مسلمان کی یعنی ابراہیم خواص کی آپ کے ہاں قدر ہے تو

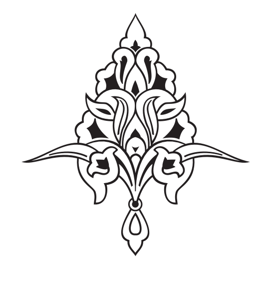
مجھے بھی اس مسلمان کے طفیل ایسی ہی کرامت سے نوازیئے "۔

چنانچہ ہم نے وہ کھانا کھایا اور پانی پیا۔ پھر حج بیت اللہ کیا۔ ایک سال تک ہم اکٹھے رہے۔ پھر اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے بطحاء مکہ مکرمہ میں اسے دفنادیا۔

برادران محترم ! دل میں اگر کامل اخلاص ہو، معرفتِ خدا تعالیٰ سے سینہ منوّر ہو اور ظاہری اعمالِ حسنہ وطاعات اس معرفت و اخلاص کیلئے آئینہ ہوں تو اللہ عزّوجلّ اس طرح کی کرامات واحسانات وانعامات سے نوازتے ہیں جو آپ نے مذکورہ واقعہ میں پڑھے اور سنے۔

افسوس کہ آجکل اکثر مسلمانوں کے دل غلط خیالات وافکار سے لبریز ہیں۔ اسی وجہ سے وہ انوارِ ربّانیّہ سے خالی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاصِ کامل، اعمالِ حسنہ اور طاعات کی توفیق نصیب فرمائیں۔ ظاہری وباطنی، اُخروی ودنیوی انعامات واحسانات سے ہمیں نوازیں اور ہمارے دلوں کو غلط اَفکار وخیالات سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔





فصل (۱۷)

برادران کرام ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ زندگی صرف کھانے پینے اور پہننے کیلئے نہیں دی بلکہ یہ زندگی نہایت قیمتی ہے۔ یہ قیمتی زندگی صرف حصولِ رزق و حصولِ لباس وحصولِ مکان وحصولِ جاہ ومال میں لگا دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس فانی دنیا کی بے فائدہ چمک دمک پر فریفتہ ہونا تباہی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائیں۔

تمہیں جو رشکِ گلستاں دکھائی دیتا ہے
مجھے وہ شہر بھی زنداں دکھائی دیتا ہے

مال و دولت اور رزق کی تحصیل اگرچہ شرعاً جائز ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ہمارے اسلافِ عظام کے طریقے پر چلنا اور اس طریقے کے مطابق زندگی گزارنا ہی سعادت ونعمت اور رحمت ہے اور ان کے اسوۂ حسنہ کا اتباع دنیوی واُخروی کامیابیوں کا ضامن ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اَسلافِ کرام واَولیاءِ فخام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسوۂ حسنہ اور طریقۂ طیبہ کا حاصل یہ ہے کہ رزق اور مال ودولت کے حصول کی طرف زیادہ توجہ نہیں دینی چاہئے۔ بس بقدر ضرورت ہی ان کی طرف متوجہ

ہونا کاملین کا شیوہ ہے۔

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات و تربیت کے پیش نظر کامل مسلمان وہ لوگ ہیں جن کے اوقاتِ زندگی زیادہ تر عبادت میں، ذکر اللہ میں، تحصیلِ علمِ دین میں اور خدمتِ اسلام و مسلمین میں گزریں۔ کیونکہ یہ دنیا اور دنیاوی مال و دولت اور یہ دنیاوی زندگی دائمی چیزیں نہیں ہیں۔ دائمی زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

پس جتنی مختصر یہ دنیاوی زندگی ہے اس کی راحتوں کی تحصیل کیلئے بھی اتنی ہی مختصر اور معمولی کوشش کافی ہے۔ اور آخرت کی زندگی جتنی طویل ہے اس کی راحتوں اور مسرتوں کے حصول کیلئے کوشش اور جدو جہد بھی اتنی ہی طویل اور زیادہ ہونی چاہیے۔

دنیا میں جتنا مال حاصل ہو جائے اسے ضرور ایک دن چھوڑنا ہے۔ قبر میں مال انسان کے ساتھ نہیں جائیگا۔ قبر میں صرف اپنے اعمال ساتھ ہونگے۔

دِلا، غافل نہ ہو یکدم، یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
بغیچے چھوڑ کر خالی زمیں اندر سمانا ہے
ترا نازک بدن بھائی، جو لیٹے سیج پھولوں پر
رہے گا ایک دن مردہ، اسے کیڑوں نے کھانا ہے
جہاں کے شغل میں شاغل، خدا کی یاد سے غافل
کرے دعویٰ کہ یہ دنیا مرا دائم ٹھکانہ ہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو تین قسم کے رفقاء

اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مال، اہل اور اعمال۔ مال کی رفاقت صرف گھر تک ہوتی ہے۔ جب میّت کا جنازہ گھر سے نکلتا ہے تو مال گھر ہی میں رہ جاتا ہے۔

البتہ دوسری قسم کے رفقاء میں سے بعض گھر سے نکلنے کے بعد بھی تھوڑی دیر تک ساتھ ہوتے ہیں یعنی قبر تک۔ قبر میں دفن ہو جانے کے بعد اہل وعیال واحباب میں سے کوئی بھی ساتھ نہیں ہوتا۔

لیکن تیسری قسم کے رفقاء یعنی اعمال قبر میں بھی ساتھ جاتے ہیں، خواہ اچھے اعمال ہوں یا برے۔

لہٰذا انسان کو اس زندگی میں زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ، عبادت اللہ اور حسنات وطاعات میں مشغول رہنا چاہئے تاکہ اس کے نیک اعمال کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا رہے اور اسے قبر کی تنہائی میں اچھے رفیق اور اچھے مددگار اور زیادہ سے زیادہ غمگسار ومددگار اعمال صالحہ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔

اس بات کی تائید کیلئے ایک حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ. يَتْبَعُهٗ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ. فَيَرْجِعُ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِي فی الجامع ج ۲ ص ۷۳. وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میّت کے ساتھ تین چیزوں کا تعلق ہوتا ہے جن میں سے دو چیزیں یہیں دنیا میں رہ جاتی ہیں (اور میّت سے ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے) اور ایک چیز میّت کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں اہل وعیال، مال اور اعمال۔ اہل وعیال اور

مال (سے میّت کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں) دنیا میں ہی رہ جاتی ہیں، اور میّت کے اعمال موت کے بعد بھی میّت کے ساتھ رہتے ہیں "۔

حدیث مذکور کے مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کی محبوب ترین چیزیں تین ہیں۔ اول مال، دوم احباب ورشتہ دار، سوم اعمال۔

ان تین امور میں سے پہلے دو امور کا تعلق اور وابستگی انسان کے ساتھ پائیدار نہیں ہے۔ انسان کے ساتھ ان دو کا تعلق صرف موت تک ہے یا زیادہ سے زیادہ قبر تک۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تعلق ناپائیدار اور بے اعتبار ہے۔ یہ تعلق اعتماد کے قابل نہیں ہے۔

البتہ اعمال کا تعلق پائیدار اور دائمی ہے۔ وہ موت کے بعد قبر میں بھی ساتھ رہیں گے اور برزخی زندگی کے بعد آخرت کی تمام منازل میں بھی ساتھ رہیں گے حتی کہ جنت ودوزخ میں بھی اچھے اور برے اعمال کا تعلق باقی رہے گا۔

لہٰذا عقلمند وہ شخص ہے جو اچھے اعمال اپنائے اور برے اعمال سے بچے۔ نیز عقلمند وہ انسان ہے جو اپنے دل کو مال کی حرص اور اس کی محبت سے خالی اور پاک رکھے۔

مگر افسوس کہ اکثر مسلمان رزق اور مال ودولت کی حرص میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ یہ حرص انسان کیلئے تباہ کن ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: لَوْكَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَالِثًا. وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ. وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ. ترمذی ج ۲ ص ۶۹ .

" حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

اگر ابن آدم کیلئے سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں (دو پہاڑوں کے درمیان میدانی جگہ وادی کہلاتی ہے) ہوں تو بھی وہ اس بات کی خواہش کریگا کہ کاش اس کے پاس سونے کی تیسری وادی بھی ہوتی۔ بس ابن آدم کے حریص منہ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے (ہاں اگر وہ اس حریصانہ سوچ سے باز آجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو) اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں"۔

اس حدیث کے مضمون کو شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں منظوم کیا ہے۔

آں شنیدستی کہ در صحرائے غور　　بارِ سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگِ دنیادار را　　یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور

یعنی "کیا یہ سنا ہے تونے کہ صحرائے غور (ایک صحرا کا نام ہے) میں جب ایک سردار کا سامان سواری سے گر گیا تو اس سردار نے کہا کہ دنیادار کی حریص تنگ نظر کو یا قناعت بھر سکتی ہے یا پھر قبر کی مٹی"۔

ایک فارسی شاعر مال و دولت کی محبت کو رنج و آفت اور وہم و خیال قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

ایں مالِ جہان تمام رنج است و ملال
اندیشہ بکن ، ببیں کہ وہم است و خیال
کارے کہ ز اوّل بودش رنج و ملال
مالست ز محنتش ، وبال است مآل

مقصد یہ ہے کہ رزق و مال و دولت کی فراوانی کو عوام اگرچہ سعادت اور

موجبِ راحت سمجھتے ہیں لیکن غور و فکر کے بعد یہ بات واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ مال و دولت باعثِ رنج و غم ہیں۔ ایک اردو کا شاعر اسی مضمون کو یوں بیان کرتا ہے۔

یہ مالِ جہاں ہے سر بسر رنج و ملال
کر غور ذرا کہ ہے یہ بس وہم و خیال
جس کام کا آغاز ہو رنج و اندوہ
لازم ہے کہ ہو وبالِ جاں اس کا مآل

رزق و مال یا حلال ہو گا یا حرام ہو گا۔ اگر وہ حرام ہو تو پھر تو وہ آفت ہی آفت ہے اور جہنم میں پہنچانے والا ہے۔ اسلام حرام مال کی تحصیل اور حرام رزق کے کھانے سے منع کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف کرام حرام مال کی تحصیل اور حرام رزق کے کھانے سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ لیکن افسوس کہ آجکل مسلمانوں کی حالت دگرگوں ہو چکی ہے۔ وہ حلال و حرام کا خیال نہیں کرتے۔

کبھی وہ دور تھا جب موجبِ عزت تھا سیما ہم
مگر اب موجبِ ذلت ہے سجدے کا نشاں ساقی

اور اگر وہ رزق و مال حلال ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ متعدّد آفات وابستہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ حلال رزق و مال اگر حدّ سے زیادہ ہو جائے تو انسان کے تفکُّرات میں اضافہ ہو جاتا ہے، ذکر اللہ میں کمی آجاتی ہے اور عبادت میں بھی نقصان آجاتا ہے۔ ان آفات کے علاوہ مال اگرچہ حلال ہو لیکن اس کی محبت

نہایت خطرناک ہے، نیز آخرت میں اس کا حساب ہو گا۔

قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَا أَحَبُّ أَنَّ لِيْ حَانُوْتًا عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ وَلَا تُخْطِئُنِيْ فِيْهِ صَلَاةٌ وَّذِكْرٌ. وَأَرْبَحُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسِيْنَ دِيْنَارًا وَأَتَصَدَّقُ بِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. قِيْلَ: وَمَا تَكْرَهُ؟ قَالَ: سُوْءَ الْحِسَابِ.

" حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ مسجد کے دروازے کے سامنے میری دکان ہو اور میری کوئی نماز و ذکرُ اللہ وغیرہ بھی نہ چھوٹے اور مجھے ہر روز پچاس دینار کا نفع ہو اور پھر میں ان پچاس دیناروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا رہوں (یعنی مجھے اس بات کی خواہش نہیں ہے)۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ حلال تجارت اور حلال رزق ناپسند کیوں ہے؟ تو فرمایا کہ بروز قیامت بُرے حساب کی وجہ سے مجھے یہ مال ناپسند ہے "۔

پس رزقِ حلال بھی خطرات اور آفات سے خالی نہیں ہے۔ وہ عبادت وفکر آخرت کے موانع میں سے ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ منہاج (ص ۴) میں لکھتے ہیں کہ عبادت و ذکر اللہ و فکرِ عقبیٰ کے بڑے موانع چار ہیں۔

اوّل معاملۂ رزق۔ نفس کو رزق چاہئے۔ پس نفس انسان سے کہتا ہے کہ میرے لئے رزق ضروری ہے لہٰذا رزق حاصل کر اور عبادت میں زیادہ وقت نہ لگا کیونکہ عبادت میں زیادہ وقت لگانا حصولِ رزق کے لئے مانع ہے۔

دوم مستقبل میں در پیش ہونے والے اچھے اور برے واقعات کی امید اور اندیشہ و خوف اور ان کے برے یا اچھے مآل اور انجام کے پریشان کن افکار و

خیالات۔

سوم وہ مصائب و حوادث جو انسان کو درپیش ہوتے رہتے ہیں۔

چہارم اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر کے فیصلے جن سے انسان وقتاً فوقتاً دوچار ہوتا رہتا ہے اور گاہے گاہے وہ فیصلے روح فرسا اور جان گسل ہوتے ہیں۔

بہر حال جب مسلمان عبادت اور ذکر اللہ میں زیادہ وقت لگانے کا ارادہ کرتا ہے تو ان چار موانع وعوارض کی گھاٹی رکاوٹ بنتی ہے۔

لہٰذا ان چار موانع وعوارض کا ازالہ چار چیزوں سے کرنا چاہئے۔

یعنی معاملۂ رزق کے افکار سے توکُّل علی اللہ کے ذریعے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

پریشان کن خیالات و افکار سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تفویض الی اللہ پر عمل کیا جائے، یعنی سب امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے چاہئیں۔

مصائب وحوادثات درپیش ہونے کی صورت میں صبر اختیار کرنا چاہئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قضا و تقدیر کے شدید فیصلوں کی حالت میں تسلیم و رضا بالقضاء والی خصلت پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم و فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم و رضا خم کر دیا جائے۔

کتبِ اخلاق و تصوّف میں ہے کہ اولیاء اللہ کے نزدیک مقامِ تسلیم و رضا بالقضاء نہایت بلند و مبارک مقامات میں سے ہے۔

دوستو ! سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی محبت اور ذکر اللہ کی محبت سے دل ہم آغوش ہو۔

دل را بہ خیال او ہم آغوش بکن — خود را بفلک زِ اوج ہمدوش بکن
ایں حرف ز متقی فراموش مکن — یادِ دو جہاں ز دل فراموش مکن

ذکر اللہ و عبادۃ اللہ اور فکر آخرت کے سوا تمام امور فانی اور بے اعتبار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ذکر اللہ و فکرِ آخرت کے انوار سے منوّر فرمائیں۔ فارسی کے مذکورہ دو شعروں کا منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے۔

رہ اس کے خیال سے ہم آغوش — ہو اوج میں آسماں کا ہم دوش
مت بھول یہ شیخ کی نصیحت — یادِ دو جہاں کو نہ کر فراموش

ظہوری نے اسی محبتِ ربّانیّہ کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

شد است سینہ ظہوری پُر از محبتِ یار
برائے کینۂ اغیار در دِلم جا نیست

یعنی ’’میرا سینہ اپنے محبوب کی محبت سے بھرا ہوا ہے، اس لئے میرے دل میں اغیار کے کینہ اور حسد کے لئے جگہ نہیں ہے‘‘۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج العابدین (ص ۳۷) میں لکھا ہے کہ حرام اور مشتبہ رزق و مال میں تین بڑی آفات ہیں۔

اول یہ کہ وہ دوزخ میں پہنچانے والا ہے۔

دوم یہ کہ حرام اور مشتبہ رزق و مال کھانے والا اللہ و رسول کے نزدیک مردود ہے اور وہ عبادت کی توفیق سے محروم ہوتا ہے کیونکہ عبادت خدمت اللہ کا

نام ہے اور خدمت اللہ کے قابل صرف وہ انسان ہے جو طاہر و مطہر ہو۔

سوم یہ کہ حرام اور مشتبہ رزق کھانے والا شخص نیک کام کرنے سے اور نیک اعمال اختیار کرنے سے عموماً محروم ہوتا ہے۔ اگر اسے اتفاقاً کسی عملِ خیر کی توفیق مل بھی جائے تو وہ عمل مردود اور غیر مقبول ہوتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ امْرِءٍ فِيْ جَوْفِهٖ حَرَامٌ.

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جس کے پیٹ میں حرام مال ہو "۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ اگر مال و رزق حلال ہو تو بھی اس میں دس آفات ہیں۔

پہلی آفت۔ رزق اور کھانا اگرچہ حلال ہو اس کا زیادہ کھانا دل کی سختی اور نورِ ربانی سے محرومی کا موجب ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یہ ہے۔

إِنَّ فِيْ كَثْرَةِ الْأَكْلِ قَسْوَةَ الْقَلْبِ وَذَهَابَ نُوْرِهٖ.

یعنی " زیادہ کھانے کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے اور نورِ قلبی چلا جاتا ہے "۔

دوسری آفت۔ إِنَّ فِيْ كَثْرَةِ الْأَكْلِ فِتْنَةَ الْأَعْضَاءِ وَهَيْجَهَا وَانْبِعَاثَهَا لِلْفُضُوْلِ وَالْفَسَادِ.

یعنی " زیادہ کھانے سے اعضاء میں فتنہ پیدا ہوتا ہے (یعنی دین سے بے رغبتی اور ناجائز امور کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے) اور ان اعضاء میں فضول و مفسد امور ابھرنے لگتے ہیں "۔

تیسری آفت۔ إِنَّ فِیْ کَثْرَةِ الْأَکْلِ قِلَّةَ الْفَهْمِ وَالْعِلْمِ. فَإِنَّ الْبِطْنَةَ تُذْهِبُ الْفِطْنَةَ.

یعنی ” کثرتِ طعام کی وجہ سے انسان کے فہم وعلم میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ قول مشہور ہے کہ زیادہ پیٹ بھر کر کھانا ذہانت کو ختم کر دیتا ہے “۔

چوتھی آفت۔ إِنَّ فِیْ کَثْرَةِ الْأَکْلِ قِلَّةَ الْعِبَادَةِ.

یعنی ” کثرتِ طعام کی وجہ سے عبادت میں کمی واقع ہو جاتی ہے “۔

کیونکہ زیادہ کھانے سے بدن بھاری ہو جاتا ہے، اعضاء میں فتور اور شکستگی آجاتی ہے اور نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے عربی محاورہ ہے۔ إِذَا کُنْتَ بَطِیْنًا فَعُدَّ نَفْسَكَ زَمِیْنًا. یعنی ” جب تیرا پیٹ بھرا ہوا ہو یا تو بڑے پیٹ والا ہو تو اپنے آپ کو زمین یعنی اپاہج، لنجا اور بے دست وپا پڑا ہوا شمار کر “۔

پانچویں آفت۔ إِنَّ فِیْ کَثْرَةِ الْأَکْلِ فَقْدَ حَلَاوَةِ الْعِبَادَةِ.

یعنی ” کثرتِ طعام کی وجہ سے عبادت کی لذت وحلاوت ختم ہو جاتی ہے “۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک مبارک قول ہے۔ فرماتے ہیں۔ مَا شَبِعْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ لِأَجِدَ حَلَاوَةَ عِبَادَةِ رَبِّیْ. وَمَا رَوِیْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ اشْتِیَاقًا إِلٰی لِقَاءِ رَبِّیْ.

یعنی ” جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ میں اپنے ربّ کی عبادت کی لذت محسوس کرسکوں۔ اور جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے سیر ہو کر پانی نہیں پیا اپنے ربّ سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے “۔

چھٹی آفت۔ إِنَّ فِيهِ خَطَرَ الْوُقُوعِ فِي الشُّبْهَةِ وَالْحَرَامِ لِأَنَّ الْحَلَالَ لَا يَأْتِيكَ إِلَّا قُوتًا.

یعنی ” کثرتِ مال وطعام کی وجہ سے مشتبہ اور حرام امور میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ رزقِ حلال تو صرف بقدرِ کفایت ہی ملتا ہے “۔

ساتویں آفت۔ إِنَّ فِيهِ شُغْلَ الْقَلْبِ وَالْبَدَنِ بِتَحْصِيلِهِ أَوَّلًا، وَبِتَهْيِئَتِهِ ثَانِيًا، ثُمَّ بِأَكْلِهِ ثَالِثًا، ثُمَّ بِالْفَرَاغِ عَنْهُ وَالتَّخَلُّصِ بِالسَّلَامَةِ مِنْهُ رَابِعًا.

یعنی کثرتِ طعام ومال میں ساتویں آفت یہ ہے کہ ” اوّلاً دل اور بدن اس کے حصول میں مشغول رہتے ہیں۔ ثانیاً لوگ اس کی تیاری میں وقت لگاتے ہیں اور مصروف رہتے ہیں۔ ثالثاً کافی وقت صرف کرکے لوگ اس کے کھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ رابعاً یہ کہ کھانے کے بعد بدن کی سلامتی اور حفاظت کی فکر رہتی ہے (کیونکہ زیادہ کھانے سے بدہضمی اور دیگر امراض کا خطرہ ہوتا ہے)“۔

آٹھویں آفت۔ مَا يَنَالُهُ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَشِدَّةِ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.

یعنی کثرتِ مال وطعام کی آٹھویں آفت یہ ہے کہ ” امور آخرت یعنی اُخروی تکالیف ومصائب اور شدتِ سکراتِ موت کا سامنا کرنا پڑیگا “۔

رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّ شِدَّةَ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ عَلَى قَدْرِ لَذَّاتِ الدُّنْيَا. فَمَنْ أَكْثَرَ مِنْ هٰذِهِ أُكْثِرَ لَهُ مِنْ تِلْكَ.

یعنی ” بعض اَخبار میں مروی ہے کہ عموماً حالتِ نزع کی سختی اور شدّت دنیاوی لذات کے مطابق ہوتی ہے۔ پس جس شخص نے دنیا میں زیادہ لذتیں

حاصل کیں اس پر حالتِ نزع کی سختی بھی زیادہ ہوگی "۔

نویں آفت۔ نُقْصَانُ الثَّوَابِ فِي الْعُقْبٰى.

یعنی " کثرتِ مال و کثرتِ طعام اُخروی اجر و ثواب میں نقصان کا باعث بنے گی "۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ.

یعنی " تم اپنی دنیاوی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے سو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ تم زمین میں ناحق غرور و تکبر کیا کرتے تھے اور اس بات کی سزا ہے کہ تم بدکردار تھے "۔

دسویں آفت۔ اَلْحَبْسُ وَالْحِسَابُ وَاللَّوْمُ وَالتَّعْيِيْرُ فِي تَرْكِ الْأَدَبِ فِي أَخْذِ الْفُضُوْلِ وَطَلَبِ الشَّهَوَاتِ. فَإِنَّ الدُّنْيَا حَلَالُهَا حِسَابٌ وَّحَرَامُهَا عِقَابٌ وَّزِيْنَتُهَا إِلٰى تَبَابٍ.

یعنی کثرتِ مال کی دسویں آفت یہ ہے کہ " قیامت کے دن اس شخص کو محبوس رکھا جائیگا اور اس سے حساب لیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملامت ہوگی اور اسے اس بات پر عار اور شرم دلائی جائیگی کہ تو نے طلبِ شہوات اور فضول چیزوں کے حصول میں شرعی آداب کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

بیشک دنیا میں جو امور حلال ہیں ان کا حساب ہوگا اور جو امور حرام ہیں ان کی سزا ہوگی اور دنیا کی زیب و زینت کا انجام تباہی ہے "۔

بہر حال حلال مال کا حصول اگرچہ شرعاً ممنوع نہیں لیکن اس کی کثرت و

فراوانی میں بے شمار خطراتِ دنیوی و اُخروی ہیں۔ سب سے بڑا خطرہ حرصِ مال و محبتِ مال میں گرفتار ہونا ہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ مال کے ساتھ دل لگانا اور وابستہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ مال مستعار چیز کی مانند ہے۔ اگر آج ہے تو کل نہیں ہو گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اَلْمَالُ غَادٍ وَّرَائِحٌ. یعنی " مال صبح کو آنے والی اور شام کو جانے والی چیز ہے "۔

شیخ شقیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بزرگ اور بڑے عالم گزرے ہیں۔ اولیاء کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے عارفانہ اقوال اور حکیمانہ مواعظ بیشمار کتابوں میں محفوظ ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار احادیث میں سے تربیتِ مخلوق و اصلاحِ قلوب کیلئے چار احادیث منتخب کیں۔ یہ چار احادیث تربیت و اصلاح کیلئے اصول اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چاروں احادیث باعتبارِ مضمون و مفہوم نہایت جامع و کامل ہیں۔

ان چار میں سے ایک حدیث مال کی بے ثباتی سے متعلق ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا تَعْقِدْ قَلْبَكَ مَعَ الْمَالِ. فَإِنَّ الْمَالَ عَارِيَةٌ. اَلْيَوْمَ لَكَ وَغَدًا لِّغَيْرِكَ.

یعنی " مال کے ساتھ اپنا دل نہ باندھ (یعنی اس کے ساتھ قلبی وابستگی پیدا نہ کر) کیونکہ مال ایک مستعار چیز ہے (وہ چیز جو کچھ وقت کیلئے کسی سے مانگی جائے اور پھر اسے واپس کر دی جائے)۔ آج اگر تیرے پاس ہے تو کل کسی

اور شخص کے پاس چلا جائیگا"۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَخْرَجْتُ مِنْ أَرْبَعَةِ آلَافِ حَدِيْثٍ أَرْبَعَمِائَةِ حَدِيْثٍ. وَأَخْرَجْتُ مِنْ أَرْبَعِمِائَةِ حَدِيْثٍ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا. وَأَخْرَجْتُ مِنَ الْأَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا أَرْبَعَةَ أَحَادِيْثَ.

یعنی "میں نے چار ہزار احادیثِ نبویہ میں سے چار سو احادیث منتخب کیں۔ پھر اُن چار سو احادیث میں سے چالیس احادیث منتخب کیں۔ پھر اُن چالیس میں سے چار احادیث کا انتخاب کیا"۔

شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ منتخب چار احادیث یہ ہیں جو اصول اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں اور اصلاحِ مخلوق، تربیتِ قلوب اور دعوت الی اللہ کیلئے مدار ہیں۔

أَوَّلُهَا لَا تَعْقِدْ قَلْبَكَ مَعَ الْمَرْأَةِ. فَإِنَّهَا الْيَوْمَ لَكَ وَغَدًا لِغَيْرِكَ. فَإِنْ أَطَعْتَهَا أَدْخَلَتْكَ النَّارَ.

وَالثَّانِيْ لَا تَعْقِدْ قَلْبَكَ مَعَ الْمَالِ. فَإِنَّ الْمَالَ عَارِيَةٌ. اَلْيَوْمَ لَكَ وَغَدًا لِغَيْرِكَ. وَلَا تَتْعَبْ نَفْسَكَ بِمَا لِغَيْرِكَ. فَإِنَّ الْمَهْنَأَ لِغَيْرِكَ وَالْوِزْرَ عَلَيْكَ. وَإِنَّكَ إِذَا عَقَدْتَّ قَلْبَكَ بِالْمَالِ مَنَعْتَهُ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالىٰ. وَدَخَلَ فِيْكَ خَشْيَةُ الْفَقْرِ وَأَطَعْتَ الشَّيْطَانَ.

وَالثَّالِثُ اتْرُكْ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ. فَإِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ بِمَنْزِلَةِ الشَّاهِدِ. يَضْطَرِبُ عِنْدَ الشُّبْهَةِ وَيَهْرُبُ مِنَ الْحَرَامِ وَيَسْكُنُ عِنْدَ الْحَلَالِ.

وَالرَّابِعُ لَا تَعْمَلْ شَيْئًا حَتّٰى تُحْكِمَ الْإِجَابَةَ.

(تنبیہ الغافلین ص ۸۱)

یعنی " پہلی بات یہ ہے کہ تو اپنے دل کو عورت کے ساتھ نہ باندھ، یعنی اس کے ساتھ شدید محبت اور حد سے زیادہ دِلی وابستگی پیدا نہ کر۔ کیونکہ معشوقہ عورت اگر آج تیری ہے تو ممکن ہے کل کسی اور کی ہو جائے۔ اور اگر تو ہر بات میں عورت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے جہنم میں داخل کر دے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ تو اپنے دل کو مال کے ساتھ نہ باندھ یعنی مال کے ساتھ قوی تعلق پیدا نہ کر۔ کیونکہ مال عاریہ یعنی ایک مانگی ہوئی چیز ہے۔ آج اگر تیرے پاس ہے تو کل وہ مال کسی اور کے پاس ہو گا اور ایسی چیز کے حصول کیلئے اپنے آپ کو نہ تھکا جو کسی غیر کیلئے ہو کیونکہ اس صورت میں خوشی ومسرت غیر کیلئے ہو گی اور بوجھ وتھکاوٹ تیرے حصے میں آئے گی۔ جب مال کے ساتھ تیری قلبی وابستگی پیدا ہو جائے گی تو وہ مال تجھے حقوق اللہ کی ادائیگی سے روک دے گا۔ نیز تیرے اندر بھوک کا خوف داخل ہو جائیگا اور تو شیطان کی اطاعت کرنے لگے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز مشتبہ ہونے کی وجہ سے تیرے دل میں کھٹکے اس کو ترک کر دے کیونکہ مؤمن کا دل بمنزلہ گواہ ہے کہ وہ مشتبہ چیز کے استعمال کے وقت پریشان اور مضطرب ہوتا ہے اور حرام کام سے بھاگتا ہے اور حلال کام سے اسے سکون ملتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی کام نہ کر جب تک تو اس کام کا اچھی طرح ماہر نہ ہو جائے اور اس کی مکمل تیاری نہ کر لے "۔

شیخ شقیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام از قبیلِ وعظ واصلاح و دعوت وارشاد ہے۔

لہٰذا ان کی مذکورہ بالا چار احادیث سے وہ چار اہم و اصولی باتیں مراد ہیں جو اصلاحِ عوام وخواص، تربیتِ سالکین و مریدین، تعلیمِ طالبینِ حق اور ارشادِ مشتاقینِ جنت کے سلسلے میں اصول اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بلا ریب شیخ شقیق بلخیؒ کی یہ چار احادیث (باتیں) اصلاح وسلوک الی اللہ و ترغیب و ترہیب کیلئے مدار ہیں۔

ان چاروں باتوں کا مفہوم ومضمون اگرچہ احادیث مرفوعہ یا موقوفہ سے ماخوذ ہے تاہم یہ چار باتیں باعتبارِ الفاظ احادیثِ نبویہؐ میں شمار نہیں ہوسکتیں کیونکہ مجھے ان الفاظ و عبارت والی کوئی حدیث مرفوع یا موقوف کتبِ احادیث میں نہیں ملی۔

شیخ شقیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان چار اصولی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ دنیا اور مال ودولت کی محبت کامل مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ یہ مال و دولت فانی ہے، دنیا بھی فانی ہے، انسان بھی فانی ہے، دنیا کی مسرتیں بھی فانی ہیں۔ پس کامل مؤمن وہ ہے جس کے دل میں خدا ورسول کی محبت ہو۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم
خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی ہے

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

بَلَغَنَا أَنَّ رَجُلًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ جَمَعَ ثَمَانِينَ تَابُوتًا مِّنَ الْعِلْمِ.

فَأَوۡحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى نَبِيٍّ مِّنَ الۡأَنۡبِيَاءِ أَنۡ قُلۡ لِّهٰذَا الۡحَكِيۡمِ: لَوۡ جَمَعۡتَ مِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَا تَنۡتَفِعُ بِهٖ إِلَّا أَنۡ تَعۡمَلَ بِهٰذِهِ الثَّلَاثَةِ الۡأَشۡيَاءِ: أَوَّلُهَا أَنۡ لَّا تُحِبَّ الدُّنۡيَا فَإِنَّهَا لَيۡسَتۡ بِدَارِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ، وَالثَّانِيۡ أَنۡ لَّا تُصَاحِبَ الشَّيۡطَانَ فَإِنَّهٗ لَيۡسَ بِرَفِيۡقِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ، وَالثَّالِثُ أَنۡ لَّا تُؤۡذِيَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فَإِنَّهٗ لَيۡسَ بِحِرۡفَةِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ. تنبیہ الغافلین ص ۱۵۷.

یعنی ’’ ہمیں یہ بات باوثوق ذرائع سے پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے حصولِ علم کی خاطر علمی کتب کے اسی (۸۰) صندوق جمع کئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اس حکیم سے کہہ دیں کہ اگر تو علمی کتب کے اتنے ہی اور صندوق بھی اکٹھے کر لے تب بھی ان سے تجھے نفع نہیں ہو گا جب تک کہ تو ان تین باتوں پر عمل نہ کر لے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تو دنیا سے محبت نہ کر، کیونکہ دنیا مؤمنین کا گھر نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تو شیطان کا ساتھی اور اس کا تابعدار نہ بن، کیونکہ شیطان مؤمنوں کا دوست نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ تو مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچا، کیونکہ یہ مؤمنین کا شیوہ نہیں ‘‘۔

افسوس صد افسوس ...... آج مسلمانوں میں ان تین باتوں پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ اب جو دنیا کا حال ہے وہ بہت برا ہے، ناگفتنی ہے نادیدنی ہے۔ اکثر کا حال یہ ہے کہ لب پر دوستی کا ذکر ہوتا ہے اور دل میں دشمنی ہوتی ہے۔ پوشاک تو صاف و پاک نظر آتی ہے مگر روح گندی ہوتی ہے۔ اس تہذیبِ نو کے بارے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جواَب حالِ دنیا ہے ناگفتنی ہے جواَب رنگِ دنیا ہے نادیدنی ہے
ادھر دین وملت پہ خندہ زنی ہے ادھر ظلمتِ حرص وکبر ومنی ہے

یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

صفائی پوشاک وتن دیدنی ہے مگر روح آلائشوں میں سنی ہے
خمیدہ ہے سر دل میں کبر ومنی ہے شریفانہ صورت ہے سیرت دَنی ہے

یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

بظاہر بنی ہے بباطن ٹھنی ہے بہ لب دوستی ہے بدِل دشمنی ہے
زباں پر ثنا قلب میں بدظنی ہے پسِ پشت غیبت ہے طعنہ زنی ہے

یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ مال کی فراوانی شدّتِ حساب، شغلِ قلب اور تکالیفِ بدنیّہ کا سبب ہے۔

تنبیہ الغافلین میں فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

عَنْ شَقِيْقٍ الزَّاهِدِ رحمہ اللہ تعالیٰ أَنَّهُ قَالَ: اخْتَارَ الْفُقَرَاءُ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ وَالْأَغْنِيَاءُ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ: اِخْتَارَ الْفُقَرَاءُ رَاحَةَ النَّفْسِ، وَفَرَاغَ الْقَلْبِ، وَخِفَّةَ الْحِسَابِ. وَاخْتَارَ الْأَغْنِيَاءُ تَعَبَ النَّفْسِ، وَشُغُلَ الْقَلْبِ، وَشِدَّةَ الْحِسَابِ. تنبیہ ص ۸۵.

”حضرت شقیق زاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقراء نے بھی تین چیزیں پسند کرلیں اور اغنیاء نے بھی تین چیزیں پسند کرلیں۔

فقراء نے نفس کی راحت، دل کی فراغت اور خفّتِ حساب (حساب جلد ہونا) کو پسند کرلیا اور اغنیاء نے نفس کی تھکاوٹ، دل کی مشغولی اور شدتِ حساب کو پسند کرلیا"۔

فقر و غربت کے ساتھ جب صبر اور تقوی ہو تو ایسا فقر و افلاس موجِبِ برکاتِ دنیویّہ و اخرویّہ ہے۔

اللہ عزّوجلّ ہمیں صبر، شکر، تقویٰ، عبادت کی برکات اور عافیتِ دارَین کی سعادت سے نوازیں۔ آمین۔





فصل (۱۸)

حضرات کرام! مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صبر، شکر، تقویٰ، ذکر اللہ، عبادت اور قناعت کی توفیق دی ہو، جن کے دل حبِّ دنیا سے خالی ہوں، خدا تعالیٰ کی راہ میں آنے والے مصائب پر صابر ہوں، تقویٰ و ذکر اللہ و عبادت اللہ کو انہوں نے مقصودِ زندگی بنایا ہو اور حسابِ آخرت سے قبل دنیا میں اپنے نفوس کے حساب و محاسبہ کی طرف متوجہ ہوئے ہوں۔ ایسے لوگوں نے دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر لیں۔

آخرت کی سعادت تو ظاہر ہے اور دنیاوی سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کے علاوہ کُل مسلمانوں کے محبوب بن جاتے ہیں۔ بلکہ جانور، درندے اور پرندے بھی ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اس قسم کے بزرگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے ایمان افروز واقعات بھی بے شمار ہیں۔ وہ واقعات گاہ بگاہ پڑھا کریں، ان کے پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز میخواں قصۂ پارینہ را

ان بزرگوں میں سے ایک بزرگ سفیان ثوریؒ ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے ولی اللہ اور بڑے محدّث تھے۔ ان کے چند ایمان افروز اقوال و واقعات پیش خدمت ہیں۔

عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُنَيْسٍ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ رحمہ اللہ تعالیٰ يَقُوْلُ: كَانَ عَلٰى طَرِيْقِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ كَلْبٌ يَّعْقِرُ النَّاسَ. فَأَرَدْتُّ يَوْمًا الصَّلَاةَ وَالْكَلْبُ عَلَى الطَّرِيْقِ. فَتَنَحَّيْتُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! جُزْ. فَإِنَّمَا سَلَّطَنِيَ اللهُ عَلٰى مَنْ يَّشْتِمُ أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ. حِلية ج ۷ ص ۴۷.

" حضرت مخلد بن خنیس رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسجد کی طرف جانے والے میرے راستے میں ایک کتا تھا جو لوگوں کو کاٹتا تھا۔ میں نے ایک دن نماز کیلئے جانے کا ارادہ کیا تو راستے میں وہی کتا کھڑا تھا۔ میں خوف کی وجہ سے ایک طرف ہٹ گیا۔ کتے نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اے ابو عبد اللہ ! (یہ سفیان ثوریؒ کی کنیت ہے) آپ گزر جائیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے صرف اس شخص پر مسلط کیا ہے جو ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو گالی دیتا ہو "۔

عَنْ قَبِيْصَةَ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: رَأَيْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ رحمہ اللہ تعالیٰ فِي النَّوْمِ فَقُلْتُ: مَا فَعَلَ بِكَ رَبُّكَ؟ فَقَالَ:

نَظَرْتُ إِلٰى رَبِّيْ كِفَاحًا فَقَالَ لِيْ
هَنِيْئًا رِّضَائِيْ عَنْكَ يَا ابْنَ سَعِيْدٖ
فَقَدْ كُنْتَ قَوَّامًا إِذَا أَقْبَلَ الدُّجٰى
بِعَبْرَةٍ مُّشْتَاقٍ وَّقَلْبٍ عَمِيْدٖ

فَدُونَكَ فَاخْتَرْ أَيَّ قَصْرٍ أَرَدْتَّهٗ
وَزُرْنِيْ فَإِنِّيْ عَنْكَ غَيْرَ بَعِيْدٖ

”حضرت قبیصہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو سفیان ثوریؒ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) میں نے اپنے ربّ کو آمنے سامنے بغیر حجاب کے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے میری رضاو خوشنودی مبارک ہو اے ابن سعید۔

(۲) کیونکہ دنیا میں جب رات ہوتی تو تُو میری ملاقات اور جنت کے شوق سے آنسو بہاتے ہوئے غمزدہ دل کے ساتھ میری عبادت کیلئے کھڑا رہتا تھا۔

(۳) پس لیجئے جنت میں جو محل تجھے اچھا لگے اسے پسند کرلے اور میری زیارت کرتارہ، کیونکہ میں تجھ سے دور نہیں ہوں“۔

حلیۃ الاولیاء میں حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے قیمتی اقوال اور مفید مواعظ ذکر کئے ہیں۔

قَالَ سُفْيَانُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: كَانَ يُقَالُ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَمُوْتُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَتَحْيَى الْأَبْدَانُ.

یعنی ”سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے بزرگ یہ کہا کرتے تھے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں ان کے دل مردہ ہو جائیں گے اور جسم خوب صحتمند ہونگے“۔

دلوں کی موت کنایہ ہے دلوں کی غفلت اور ذکر اللہ سے غافل ہونے سے اور حیاتِ ابدان کنایہ ہے عیش پرستی اور بسیار خوری سے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکیمانہ قول ہے۔فرماتے ہیں۔ اَلصَّمْتُ زَيْنُ الْعَالِمِ وَسِتْرُ الْجَاهِلِ۔ یعنی " خاموشی عالم کی زینت ہے اور جاہل کی جہالت کیلئے پردہ ہے "۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکیمانہ قول ہے۔فرماتے ہیں۔ اَلصَّمْتُ مَنَامُ الْعَقْلِ وَالْمَنْطِقُ يَقْظَتُهٗ. وَلَا مَنَامَ إِلَّا بِيَقْظَةٍ وَّلَا يَقْظَةَ إِلَّا بِمَنَامٍ.

یعنی " خاموش رہنا عقل کی نیند ہے اور بولنا عقل کی بیداری ہے۔ اور نیند کیلئے بیداری ضروری ہے اور بیداری کیلئے نیند ضروری ہے "۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے اَلرَّجُلُ إِلَى الْعِلْمِ أَحْوَجُ مِنْهُ إِلَى الْخُبْزِ وَاللَّحْمِ. یعنی " آدمی روٹی اور گوشت کا اتنا محتاج نہیں ہے جتنا کہ وہ علم کا محتاج ہے "۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي الزُّرْقَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ رحمہ اللہ تعالیٰ يَقُوْلُ: خَرَجْتُ حَاجًّا وَّشَيْبَانُ الرَّاعِيْ رحمہ اللہ تعالیٰ مُشَاةً. فَلَمَّا صِرْنَا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ إِذَا نَحْنُ بِأَسَدٍ قَدْ عَارَضَنَا. فَقُلْتُ لِشَيْبَانَ: أَمَا تَرَى هٰذَا الْكَلْبَ قَدْ عَرَضَ لَنَا؟ فَقَالَ لِيْ: لَا تَخَفْ يَا سُفْيَانُ! ثُمَّ صَاحَ بِالْأَسَدِ فَبَصْبَصَ. وَضَرَبَ بِذَنَبِهٖ مِثْلَ الْكَلْبِ. فَأَخَذَ شَيْبَانُ بِأُذُنِهٖ فَعَرَكَهَا. فَقُلْتُ لَهٗ: مَا هٰذِهِ الشُّهْرَةُ؟ فَقَالَ لِيْ: وَأَيُّ شُهْرَةٍ تَرَى يَا ثَوْرِيُّ؟ لَوْلَا كَرَاهِيَةُ الشُّهْرَةِ مَا حَمَلْتُ زَادِيْ إِلٰى مَكَّةَ إِلَّا عَلٰى ظَهْرِهٖ.

یعنی ”یزید بن ابی زرقاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اور شیبان راعی رحمہ اللہ تعالیٰ (یہ بہت بڑے بزرگ تھے) پیدل حج کیلئے نکلے۔ چلتے چلتے راستے میں ایک مقام پر اچانک ہمارے سامنے شیر آ گیا۔ میں نے شیبان سے کہا کہ آپ اس شیر کو دیکھ رہے ہیں جو ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ اب کیا ہوگا؟

شیبانؒ نے فرمایا کہ اے سفیان! آپ ڈریں نہیں۔ پھر شیبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیر کو ڈانٹا۔ شیر مانوس ہو کر کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ شیبانؒ نے اس کا کان پکڑ کر پیار سے کھینچا۔

میں نے کہا کہ اے شیبان! یہ کیا ریا کاری اور شہرت حاصل کرنے کا طریقہ ہے؟ شیبانؒ نے فرمایا کہ اے ثوری! تجھے کونسی شہرت نظر آ رہی ہے؟ (یعنی اس میں کونسی شہرت ہے) اگر مجھے شہرت ناپسند نہ ہوتی تو میں مکہ شریف تک اپنا سامان اس شیر کی پشت پر لاد کر لے جاتا“۔

حضرات کرام! شیر کا تابعدار ہونا حضرت شیبان راعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت تھی۔ شیبان راعی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔

سبحان اللہ! ہمارے اَسلاف میں کتنے بلند پایہ اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ وہ کثرتِ عبادت، کثرتِ ذکرُ اللہ، کثرتِ طاعات وحسنات کی بدولت اور حبِّ دنیا سے اپنے قلوب کو پاک رکھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے دوست بن گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق کی بدولت اللہ عزّ وجلّ کی مخلوق بھی ان بزرگوں کی تابعدار ہوگئی تھی۔

آج مسلمانوں کے اعمال کی حالت نہایت ناگفتنی ونادیدنی ہے۔ وہ خدا

عزّوجلّ سے دور ہیں۔ حُبِّ دنیا ان کے دلوں پر غالب ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے کی بجائے کینہ وحسد کرتے ہیں۔ جنگ وجدال، لعن طعن، سب وشتم اور ظلم وستم میں مشغول ہیں جس کی وجہ سے مختلف آفات ومصائب کا شکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عبادت، ذکر اللہ، شکر، طاعت، فکرِ آخرت اور ایک دوسرے سے محبت کا سوزو گداز نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ایک شاعر نے کس خوبی سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نیک اعمال کی توفیق کی دعا مانگی ہے۔ چونکہ ہر مسلمان تقریباً ان غلطیوں میں مبتلا ہے لہٰذا یہ اشعار ہر مسلمان کے احوال کے ترجمان ہیں۔

بس اب لگ جائیں دونوں مل کے ذکروشکروطاعت میں
کہ دونوں ایک ہی مالک کے تو بندے ہیں احسانی

میں بدخُو اور بدطینت، سراپا حرص اور شہوت
میں بدبیں اور بدنیت، مری تخییل شیطانی

میں بداخلاق، بداحوال، بدکردار، بداعمال
سراپا گند ہوں میں، زندگی میری ہے عصیانی

خدا توفیق دے مجھ کو، خدا توفیق دے تجھ کو
خدا توفیق دے سب کو کہ مانیں حکمِ ربّانی

ابھی اپنے کو کیا سمجھے، کسی کو کیا کہے کوئی
کہ سب ہی خاتمہ پر منحصر انجامِ انسانی

کسی کو کیا خبر ہے کوئی قبل از وقت کیا جانے
کہ ہو کس پر گماں ہو جائے کس پر فضلِ یزدانی

شیبان راعی رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور درویش و اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحبِ کرامات تھے۔ ان کی کرامات کے عجیب و ایمان افروز قصے کتبِ تاریخ میں مذکور ہیں۔

اولیاء اللہ کے واقعات بڑے نادر اور عجیب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اس واقعہ میں پڑھا کہ شیر انسان کا جانی دشمن اور انسان کو ہلاک کرنے والا درندہ ہے لیکن شیبان راعیؒ کی کرامت دیکھئے کہ شیر نے انہیں پہچان لیا اور ان سے اُنس و محبت کا اظہار کرنے لگا۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الْبَصْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِسُفْیَانَ: أَوْصِنِیْ. قَالَ: اعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِقَدْرِ بَقَائِکَ فِیْھَا وَلِلْآخِرَۃِ بِقَدْرِ بَقَائِکَ فِیْھَا. وَالسَّلَامُ.

یعنی ”عبد الرحمن بن عبد اللہ بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی وصیت یعنی نصیحت فرمادیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ وصیت و نصیحت فرمائی کہ تُو دنیا کیلئے اتنی کوشش و محنت کر جتنا تُو نے دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کیلئے اتنی مشقت و کوشش کر جتنا تو نے آخرت میں رہنا ہے“۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہایت قیمتی اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ان کے اس مبارک قول کا حاصل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے مقابلے

میں آخرت کی زندگی طویل تر و لامتناہی ہے۔ لہٰذا دنیوی زندگی کو خوشحال بنانے کیلئے جتنی محنت کی جاتی ہے آخرت کی زندگی کو خوشحال بنانے کیلئے اس سے کئی درجے زیادہ محنت اور مشقت کرنی چاہیئے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ فُضَيْلٍ قَالَ: رَأَيْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ سَاجِدًا حَوْلَ الْبَيْتِ. فَطُفْتُ سَبْعَةَ أَسَابِيعَ قَبْلَ أَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ.

یعنی ”علی بن فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ مسجدِ حرام میں کعبہ شریف کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ میں نے سات طواف کئے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا“۔

سات طواف کیلئے بڑا لمبا وقت چاہیئے۔ ہر طواف سات چکروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو یہ تقریباً انچاس (۴۹) چکر بنتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اَسابیع سے ایک طواف کے سات چکر مراد ہوں لیکن یہ معنی بعید از عقل و بعید از ظاہرِ عبارت ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔

أَخْبَرَنِيْ رَجُلٌ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ قَالَ: رَأَيْتُ فِيْ مَنَامِيْ عَجُوْزًا شَمْطَاءَ عَلَيْهَا مِنْ كُلِّ حِلْيَةٍ. فَقُلْتُ: مَنْ أَنْتِ؟ فَقَالَتْ: أَنَا الدُّنْيَا. فَقُلْتُ: أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّكِ. فَقَالَتْ: إِنْ أَرَدْتَ أَنْ يُّعِيْذَكَ اللهُ مِنْ شَرِّيْ فَابْغَضِ الدِّيْنَارَ وَالدِّرْهَمَ.

”سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صالحین میں سے ایک بزرگ نے مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے سر کے بال کچھ سیاہ اور کچھ سفید تھے۔ وہ ہر قسم کے زیورات سے مزین تھی۔ میں نے اس

بڑھیا سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا کہ تیرے شرّ سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ اگر تو چاہتا ہے کہ میرے شر سے اللہ تعالیٰ تجھے پناہ دیدے تو دینار و درہم کو مبغوض سمجھ (یعنی مال و دولت سے محبت نہ کر)"۔

عَنْ عَارِمٍ أَبِي النُّعْمَانِ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: أَتَيْتُ أَبَامَنْصُوْرٍ رحمہ اللہ تعالیٰ أَعُوْدُهٗ. فَقَالَ لِيْ: بَاتَ سُفْيَانُ رحمہ اللہ تعالیٰ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ وَكَانَ هٰهُنَا بُلْبُلٌ لِابْنِيْ. فَقَالَ: مَا بَالُ هٰذَا الطَّيْرِ مَحْبُوْسٌ لَوْخُلِّيَ عَنْهُ؟ فَقُلْتُ: هُوَلِابْنِيْ وَهُوَيَهِبُهٗ لَكَ. فَقَالَ: لَا. وَلٰكِنِّيْ أُعْطِيْهِ دِيْنَارًا. قَالَ: فَأَخَذَهٗ فَخَلّٰى عَنْهُ. فَكَانَ يَذْهَبُ فَيَرْعٰى فَيَجِيْءُ بِالْعَشِيِّ. فَيَكُوْنُ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ. فَلَمَّا مَاتَ سُفْيَانُ تَبِعَ جَنَازَتَهٗ. فَكَانَ يَضْطَرِبُ عَلٰى قَبْرِهٖ. ثُمَّ اخْتَلَفَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَيَالِيَ إِلٰى قَبْرِهٖ. فَكَانَ رُبَّمَا بَاتَ عَلَيْهِ وَرُبَّمَا رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ. ثُمَّ وَجَدُوْهُ مَيِّتًا عِنْدَ قَبْرِهٖ. فَدُفِنَ مَعَهٗ فِي الْقَبْرِ أَوْ إِلٰى جَنْبِهٖ. حِلْيَۃ ج ۷ ص ۵۸.

یعنی "ابو نعمان عارم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی عیادت کیلئے گیا۔ ابو منصورؒ نے مجھے یہ ایمان افروز بات بتائی کہ اس کمرے میں سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ رہا کرتے تھے اور یہاں ایک بلبل تھی جو میرے بیٹے نے پنجرے میں بند کر کے رکھی ہوئی تھی۔ ایک دن سفیان ثوریؒ نے پوچھا کہ اس پرندے کو کیوں محبوس (قید) کیا گیا ہے؟ اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو بہتر ہو گا۔

ابو منصورؒ نے فرمایا کہ میں نے سفیانؒ سے کہا کہ یہ میرے بیٹے کی ہے

اور وہ آپ کو ہبہ کرتا ہے (یعنی اب آپ اس بلبل کے مالک ہیں)۔سفیانؒ نے خوش ہو کر فرمایا کہ نہیں۔ میں یہ بلبل مفت نہیں لیتا بلکہ بطور قیمت میں اسے ایک دینار دونگا۔

ابو منصورؒ نے کہا کہ سفیانؒ نے وہ بلبل پکڑی اور فوراً اسے آزاد کر دیا۔

(پھر وہ بلبل سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ سے خود بخود مانوس ہو گئی۔ گویا کہ اسے پتہ چل گیا کہ سفیان ثوریؒ بڑے ولی اللہ ہیں)۔

چنانچہ وہ بلبل دن کو اپنے رزق کی تلاش میں اڑ جاتی اور شام کو واپس آ کر سفیان ثوریؒ کے کمرے کے ایک کونے میں رات گزارتی۔

جب سفیان ثوریؒ کا انتقال ہوا تو وہ بلبل ان کے جنازے کے ساتھ گئی اور بڑی مضطرب حالت میں سفیانؒ کی قبر پر پڑی رہی اور تڑپتی رہی۔

پھر اس کے بعد مسلسل کئی راتیں وہ ان کی قبر پر آتی رہی اور کبھی رات وہیں قبر پر گزارتی اور کبھی پھر اسی کمرے میں واپس آ جاتی۔ (بلبل نے اپنے محبوب ولی اللہ سفیانؒ کے قرب میں پرانا آشیاں نہ چھوڑا۔

چمن کا رنگ گو تم نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

ایک ولی اللہ، محدّثِ کبیر، حبیب اللہ سے بلبل کا یہ عشق کتنا مبارک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پرندے اور درندے اولیاء اللہ کو جانتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔

دیکھئے۔ یہ بلبل سفیانؒ کے فراق میں پریشان و گریاں تھی۔ اس کی نظر

میں انتقالِ سفیانؒ کے بعد اب شام وسحر کا پہلا رنگ نہ رہا۔ اس کا دل مفقود ہوا۔ وہ زندہ مانند مردہ ہوگئی۔ عشّاق کا حال بڑا عجیب ہوتا ہے۔ گویا کہ اس بلبل ہزار داستان نے اُس وقت یوں فریاد کی۔

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہمیں تو ہے اس سے بڑھ کے رونا کہ دل نہیں ہے جگر نہیں ہے
کچھ اور ہی اب ہے میری دنیا جو کوئی پیش نظر نہیں ہے
وہ حالِ قلب وجگر نہیں ہے وہ رنگِ شام وسحر نہیں ہے
قرار سے جس پہ جم کے بیٹھوں کوئی بس اب ایسا در نہیں ہے
وہ گلستاں جب سے ہائے چھوٹا کوئی مرا مستقر نہیں ہے

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اہل اللہ وصالحین سے محبت کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

حافظ اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ) پھر کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے اس غمگین بلبل کو سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کے پاس مردہ پاکر اسے سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی قبر میں یا ان کے پہلو میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا"۔

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی ہے موت زندگی نہیں

اللہ عزّ وجلّ جملہ مسلمانوں کو اولیاء اللہ وصالحین کے اتباع اور ان سے صحیح محبت کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ صالحین اور انبیاء علیہم السلام کے

سردار ہمارے نبی علیہ السلام ہیں۔ کتنے مبارک ہیں وہ لوگ جن کے دل نبی علیہ السلام کی صحیح محبت سے معمور رہیں۔ صحیح محبتِ نبوی کی علامت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے اوامرِ نواہی کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کیا جائے۔

وہ زمانہ کتنا مبارک تھا جس میں سفیان ثوریؒ جیسے محدّثین کبار و اولیاء اللہ زمین پر بستے تھے۔ وہ للّٰہیت و برکات کی بہار کا زمانہ تھا۔ اِس زمانے میں خزاں کا دور دورہ ہے۔ آج ایسے بزرگ و مبارک انسان کہاں؟ اور ان بزرگوں کی مبارک مجالس و محافل کہاں؟

ماضی کی مبارک یادوں اور زمانۂ حال کے بُرے احوال کے سلسلے میں اہلِ دل کو رُلانے والے اور اہلِ بصیرت کو تڑپانے والے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بُو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خُو نہ رہی
وہ حبیبوں میں رنگِ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے درِ دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہدِ اَلست رہے
وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لئے غم ملّت و الفتِ دیں نہ رہے

جو تھیں چشم فلک کی بھی نورِ نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اَب ایسی مِٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشاں بھی ان کے کہیں نہ رہے

غم و رنج میں لوگ اگر ہیں گھرے تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

اہل اللہ و ائمہء کرام و اولیاء عظام کے جملہ واقعات و احوال خصوصاً وہ احوال وواقعات جو رزق سے متعلق ہیں نہایت انوکھے، دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ صدر چند دلچسپ اور دلکش احوال کے بعد بعض بزرگوں کے کچھ عجیب وغریب اور ایمان افزا احوال وواقعات بھی پیش خدمت ہیں۔ امید ہے کہ غور وفکر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنے سے اخلاقی، ایمانی اور روحانی فوائد حاصل ہونگے۔

شیخ ابو العباس مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار شہر بصرہ میں ساحلِ دریا پر ایک شکاری کو دیکھا جو مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا۔اس کے ساتھ اس کی ایک چھوٹی بچی بھی تھی۔ وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اپنی بچی کے حوالے کر رہا تھا تاکہ وہ ان مچھلیوں کی نگرانی اور حفاظت کرے۔

کافی دیر کے بعد وہ شکاری اپنی بچی کے پاس آیا۔اس کا خیال تھا کہ میں نے کافی مچھلیاں پکڑ لی ہیں مگر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں ایک مچھلی بھی

موجود نہ تھی۔

اس نے بچی سے پوچھا کہ مچھلیاں کہاں گئیں؟ بچی نے بڑا قیمتی جواب دیا۔ کہنے لگی۔

يَا أَبَتِ! أَلَيْسَ سَمِعْتُكَ تَرْوِيْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ: لَا تَقَعُ سَمَكَةٌ فِيْ شَبَكَةٍ إِلَّا إِذَا غَفَلَتْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى. فَبَكَى الرَّجُلُ وَرَمٰى بِالسَّنَّارَةِ.

یعنی ’’ اے ابا جان ! میں نے آپ سے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنی تھی کہ جال میں وہ مچھلی گرفتار ہوتی ہے جو ذکرِ خدا تعالیٰ سے غافل ہو جائے (لٰہذا یہ مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل مچھلیوں کا گوشت کھائیں چنانچہ میں ان مچھلیوں کو دریا میں واپس پھینکتی رہی)۔ یہ سن کر وہ شخص رونے لگا اور جال اور ڈور کو پھینک دیا (اور ذکرُ اللہ و عبادت کا مشغلہ اختیار کیا) ‘‘۔

حضرات کرام ! اللہ تعالیٰ کے قرب میں جو عزت ہے وہ اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ہر قسم کی عزت و عظمت و ترقی و اسبابِ مسرت و ذرائعِ رزق و مال اللہ عزّوجلّ کے قبضے میں ہیں۔ عربی کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَقَدْ ضَيَّعْتَ حَظَّكَ مِنْ وِّصَالِيْ
وَبِعْتَ بِأَبْخَسِ الْأَثْمَانِ كَنْزًا

فَكَيْفَ رَضِيْتَ يَا هٰذَا بِدُوْنِيْ
وَقُرْبُكَ مِنْ جَنَابِيْ كَانَ عِزًّا

سَتَعْرِفُنِيْ إِذَا جَرَّبْتَ غَيْرِيْ
وَتَعْلَمُ أَنَّنِيْ لَكَ كُنْتُ حِرْزًا

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”اے بندے! افسوس...... تُو نے میرے قرب میں سے اپنا حصہ ضائع کر دیا اور چند ردّی روپے کے بدلے تُو نے بڑا خزانہ بیچ ڈالا۔

(۲) اے محبّ! میرے سوا کسی غیر کے قرب پر تو کیسے راضی ہوا جبکہ میری ذات کا قرب ہی تیرے لئے بڑی عزت کا باعث تھا۔

(۳) اے محبّ! میری قدر تجھے اس وقت معلوم ہوگی جب تو میرے سوا کسی غیر کو آزمالے گا۔ اس وقت تجھے پتہ چل جائیگا کہ میں تیرے لئے سرمایۂ افتخار تھا“۔

خدا و رسول اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر مسلمانوں کو کسی اور چیز سے ترقی و عزت و خوشی نہیں مل سکتی۔

مسلمانو! بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے
تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات گشت کرتے کرتے تھک گئے اور ایک دیوار سے تکیہ لگایا۔

گھر کے اندر سے آپ کو باتوں کی یہ آواز سنائی دی۔ ایک عورت اپنی بیٹی

سے کہہ رہی تھی۔ قُوْمِیْ إِلٰی ذٰلِكَ اللَّبَنِ فَامْذُقِیْهِ بِالْمَاءِ۔ ”اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو“۔

بیٹی نے کہا۔ اے اماں! آج آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں سنا؟ ماں نے کہا امیر المؤمنین کا کیا حکم ہے؟ بیٹی نے کہا۔

إِنَّهٗ أَمَرَ مُنَادِیَهٗ فَنَادٰی: أَلَا لَا یُشَابُ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ. فَقَالَتْ: أُمْذُقِیْهِ فَإِنَّكِ بِمَوْضِعٍ لَّا یَرَاكِ عُمَرُ وَلَا مُنَادِیْ عُمَرَ. فَقَالَتِ الصَّبِیَّةُ: مَا كُنْتُ لِأُطِیْعَهٗ فِی الْمَلَإِ وَأَعْصِیَهٗ فِی الْخَلَاءِ.

یعنی ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے منادی نے یہ ندا دی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر نہ بیچو۔ ماں نے کہا بیٹی! دودھ میں پانی ملا دے۔ اس جگہ تجھے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں اور نہ ان کا منادِی۔ لڑکی نے کہا۔ اے اماں! میں ایسی نہیں ہوں کہ ظاہر میں ان کی اطاعت کروں اور خلوت میں ان کی مخالفت کروں“۔

کتبِ آثار و تاریخ میں علماء اس حکایت کے بعد لکھتے ہیں کہ اس لڑکی کی دیانتداری و تقویٰ والی اس بات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور اپنی اولاد میں سے ایک لڑکے سے اس کا نکاح کر دیا۔ اسی لڑکی کی نسل سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے جو بڑے عادل خلیفہ تھے۔

حکایت ہے کہ ایک دولتمند و امیر آدمی مشہور صوفی و زاہد حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر گزرا۔ اس نے پینے کیلئے پانی مانگا۔ گھر والوں نے پانی دیا۔ پانی پینے کے بعد اس امیر آدمی نے ان کے گھر والوں کو کچھ مال دیا۔ اسے دیکھ کر اس کے دیگر رفقاء نے بھی حسب وُسعت کچھ تحائف و عطایا دیئے۔ گھر والے

بہت خوش ہوئے۔

صرف ایک بچی جو حضرت حاتم اصمؒ کی بیٹی تھی رونے لگی۔ اس سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جو جواب دیا وہ نہایت عارفانہ وحکیمانہ ہے اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

فَقَالَتْ: مَخْلُوْقٌ نَّظَرَ إِلَيْنَا نَظْرَةً فَاسْتَغْنَيْنَا. فَكَيْفَ لَوْ نَظَرَ إِلَيْنَا الْخَالِقُ سُبْحَانَهٗ.

یعنی ”اس بچی نے کہا کہ مخلوق کی ادنیٰ سخاوت ومعمولی نگاہِ شفقت سے ہم غنی ہوگئے تو خالقِ جہاں کی نگاہِ شفقت وسخاوت کا کتنا بڑا اثر ہوگا“۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی فکر اور جنت کا شوق ومحبت ڈال دیں۔ ذکر اللہ وعبادت وذکرِ موت کی طرف ہمارے قلوب کو متوجہ فرمادیں۔ یہ دنیا عیش وعشرت کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں کی سب چیزیں فانی ہیں۔ یہاں کی فانی رونقیں جی لگانے کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہ ہے عیش وعشرت کا کوئی محل بھی ... جہاں تاک میں ہر گھڑی ہو اجل بھی
بس اب اپنے اس جہل سے تُو نکل بھی ... یہ طرزِ معیشت اب اپنا بدل بھی

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اکثر ... اور اٹھتے چلے جارہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر ... یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہ دنیائے فانی ہے مرغوب تجھ کو ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو سمجھ لینا اب چاہئے خوب تجھ کو

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

فاسق و فاجر عموماً خلوت ہی میں گناہ کی جرأت کرتا ہے اور جہاں عام لوگ دیکھتے ہوں وہاں وہ گناہ کی جرأت کم کرتا ہے۔ افسوس صد افسوس...... ان فُسّاق وفجار کو یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ہروقت حاضروناظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح جلوت میں دیکھتے ہیں اسی طرح وہ خلوت میں بھی سب کچھ دیکھتے ہیں۔

عربی کا ایک شاعر اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً
وَلَا أَنَّ مَا تُخْفِيْهِ عَنْهُ يَغِيْبُ

(۱)یعنی ”بوقت خلوت (علیحدگی) یہ نہ سمجھنا کہ تو خلوت میں ہے بلکہ یقین رکھ کہ تجھ پر ایک نگران ہے۔

(۲) یہ خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت غافل ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کر کہ تیری مخفی باتیں اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں“۔

شیخ ابو الربیع مالقی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جنگلوں میں ذکر اللہ کر کے زندگی گزارتا تھا۔ فَقَيَّضَ اللّٰهُ لِي طَيْرًا. إِذَا كَانَ اللَّيْلُ يَنْزِلُ قَرِيبًا مِّنِّي يَبِيتُ يُسَامِرُنِي. فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ فِي اللَّيْلِ يَنْطِقُ : يَا قُدُّوسُ! يَا قُدُّوسُ! فَإِذَا أَصْبَحَ صَفَقَ بِجَنَاحَيْهِ وَقَالَ : سُبْحَانَ الرَّازِقِ.

یعنی ابو الربیعؒ فرماتے ہیں کہ ” اللہ تعالیٰ نے میری رفاقت کیلئے ایک پرندہ مقرر کر دیا۔ وہ رات کو میرے پاس ٹھہرتا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ رات کو وہ پرندہ یہ ذکر کرتا تھا یا قدّوس ، یا قدّوس۔ جب صبح ہو جاتی تو وہ پروں کو آپس میں مارتے اور ہلاتے ہوئے کہتا سبحان الرازق (پاک ہے وہ ذات جو رازق ہے)“۔

دوستو ! غور فرمائیں کہ پرندوں کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ پرندوں کے اس قسم کے حیرت انگیز احوال دکھا کر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رازقیتِ کاملہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ رزق و دیگر تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس لئے ہر حاجت کے لئے اللہ عزّوجلّ سے دعا مانگنی چاہئے۔ حاجت روا اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

جس نے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے
تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مصر سے بعض دیہات کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ سو گیا۔

جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ ایک اندھا پرندہ جسے عربی میں قُنبرہ کہتے ہیں (چنڈول چڑیا جسے فارسی میں چکاوک کہتے ہیں) درخت سے نیچے گرا۔

فَانْشَقَّتِ الْأَرْضُ فَخَرَجَ مِنْهَا سُكُرُّجَتَانِ: إِحْدَاهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَّالْأُخْرٰى مِنْ فِضَّةٍ. فِيْ إِحْدَاهُمَا سِمْسِمٌ وَّفِي الْأُخْرٰى مَاءُ وَرْدٍ. فَأَكَلْتُ مِنْ هٰذِهٖ وَشَرِبْتُ مِنْ هٰذِهٖ. فَقُلْتُ: حَسْبِيْ. وَلَزِمْتُ الْبَابَ إِلٰى أَنْ قَبِلَنِيْ.

یعنی " (اس پرندے کے نیچے گرتے ہی) زمین پھٹ گئی، اس سے دو طشتریاں نمودار ہوئیں۔ ایک طشتری سونے کی تھی اور دوسری چاندی کی۔ ایک میں کنجد (تل) تھے اور دوسری میں گلاب کا پانی تھا۔

پرندے نے اُس (تل والی طشتری) سے کھایا اور اِس (پانی والی طشتری) سے پیا۔ میں نے دل میں کہا۔ بس بس، عبرت کا یہ واقعہ میرے لئے کافی ہے۔ پھر میں (اللہ تعالیٰ کے) دروازۂ رحمت سے وابستہ رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قبول فرمایا"۔

اللہ عزّوجلّ ہمیں ان اعمال و اخلاق کی توفیق بخشے جن کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اعلیٰ و صفاتِ اَجلیٰ سے وابستہ و پیوستہ رہیں۔ آمین۔

بعض کتابوں میں یہ حکایت مذکور ہے کہ شہر بصرہ کے ذاکرین و عابدین میں سے ایک عابد لکڑی خریدنے بازار گیا۔ جاتے ہوئے راستے میں ایک مسجد میں نماز کیلئے اقامت ہوئی۔ اس نے بازار جانے کا ارادہ ترک کیا اور مسجد کی طرف

مڑا۔مڑتے ہی اس نے ایک ہمیانی دیکھی جس پر لکھا تھا۔

هٰذِهِ الصُّرَّةُ فِيهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ۔ یعنی ”اس ہمیانی میں سو دینار ہیں“۔

عابد نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور مسجد میں جاکر نماز میں شریک ہوگیا۔

نماز سے فارغ ہوکر بازار گیا اور لکڑی خرید کر گھر لے آیا۔ جب گھر میں لکڑیوں کا گٹھا کھولا تو اس میں وہی صرّہ (ہمیانی) رکھی تھی جس میں سو دینار تھے۔

عابد نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔

أَللّٰهُمَّ ! كَمَا لَمْ تَنْسَ عَبْدَكَ مِنْ رِزْقِكَ فَاجْعَلْهُ لَا يَنْسَاكَ فِيْ أَوْقَاتِ طَاعَتِكَ وَخِدْمَتِكَ. وَجَعَلَ يَقُوْلُ : لَوْ أَقْبَلْتَ عَلٰى خِدْمَتِهٖ وَنَهَيْتَ نَفْسَكَ عَنْ مَّعْصِيَتِهٖ رَأَيْتَ لَطَائِفَ إِحْسَانِهٖ وَنِعْمَتِهٖ.

یعنی ” اے اللہ ! جس طرح آپ نے اپنے اس بندہ کو یعنی مجھے رزق کے معاملے میں فراموش نہیں فرمایا (اسی طرح) اس بندہ کو (یعنی مجھے ہمیشہ کیلئے) یہ توفیق عطا فرمادیں کہ وہ بھی آپ کو اوقاتِ طاعت وعبادت میں یاد رکھے۔ پھر (عابد نے) اپنے نفس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روکے گا تو (یوں) اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرے گا“۔

عارف باللہ حضرت نخشبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

نخشبی دل مبند در دنیا
طرفہ مرغے کہ دل بہ گُل بندد

”اے نخشبی ! اپنے دل کو دنیا کے ساتھ نہ باندھ ، یعنی دنیا کی محبت سے اپنے دل کو بچا۔ تعجب ہے اس پرندے پر جو اپنے دل کو فانی گلوں اور گلوں کی زوال پذیر رنگینی کے عشق میں گرفتار کرلے “۔

افسوس ...... کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تو عام ہیں بلکہ دریا کی مانند جاری ہیں مگر ہم مسلمان خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں، ان رحمتوں کے حصول کی کوشش نہیں کرتے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں ایک بار یگانۂ دوراں شیخ ابوالخیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کیلئے گیا۔ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد جب واپس آنے لگا تو انہوں نے مجھے دو سیب دیئے۔

میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ یہ شیخ کا تبرک ہے، میں انہیں کھاؤں گا نہیں۔ میں نے ان سیبوں کو اپنی جیب میں ڈالا اور سخت تنگی (بھوک) کے وقت بھی انہیں نہ کھایا۔

بالآخر ایک موقعہ پر بھوک کی وجہ سے بالکل نڈھال ہوگیا تو مجبورًا

ایک سیب کھالیا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈالا تو اسی طرح دو سیب موجود تھے۔ یہ شیخ کی کرامت تھی۔

وہ درویش فرماتے ہیں کہ میں شہر موصل تک ان سیبوں میں سے کھاتا رہا۔ یہ کئی دنوں کا طویل سفر تھا۔

وہاں ایک خراب و ویران جگہ پر میرا گزر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی بیمار پڑا ہے۔ وَيُنَادِيْ مِنَ الْخَرَابَةِ أَشْتَهِيْ تُفَّاحَةً، وَلَمْ يَكُنْ وَقْتَ التُّفَّاحِ.

یعنی "وہ بیمار یہ آواز دے رہا تھا کہ مجھے ایک سیب چاہیئے، حالانکہ وہ سیب کا موسم نہ تھا"۔

وہ درویش فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں سیب نکال کر اسے دیدیئے۔ اس نے کھائے اور فوراً اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

فَعَلِمْتُ أَنَّ الشَّيْخَ إِنَّمَا أَعْطَانِيْهِمَا مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ الْعَلِيْلِ.

یعنی "میں سمجھ گیا کہ شیخ ابو الخیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سیب اس بیمار کیلئے دیئے تھے"۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس مسجد میں خراسان کا ایک جوان رہا کرتا تھا۔ سات دن تک اس نے کوئی چیز نہ کھائی۔ میں اسے کھانے کیلئے کوئی چیز پیش کرتا تو وہ انکار کر دیتا۔

ایک روز ایک آدمی نے آ کر سوال کیا۔ خراسانی جوان نے اسے کہا کہ اگر تو مخلوق کی بجائے خالق سے مانگتا تو وہ تجھے غنی کر دیتا اور تیری حاجت پوری ہو جاتی۔

سوالی نے کہا کہ میرا اتنا بلند مقام نہیں ہے۔

خراسانی جوان نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس سائل نے کہا۔ فَاسُدَّ فَاقَتِیْ وَسَتَرَ عَوْرَتِیْ.

یعنی " اتنا رزق جس سے میرا فاقہ دور ہو جائے اور اتنا کپڑا جس سے میری ستر پوشی ہو (یہ دو چیزیں مطلوب ہیں) "۔

خراسانی جوان مسجد کے محراب کی طرف اٹھا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

ثُمَّ أَتٰی بِثَوْبٍ جَدِیْدٍ وَّطَبَقٍ فِیْہِ فَاکِھَۃٌ فَأَعْطَاہُ السَّائِلَ.

یعنی " (نماز کے بعد) وہ نئے کپڑے اور ایک رکابی جس میں پھل تھا، لے آیا اور سائل کو دیا "۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خراسانی جوان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا یہ مقامِ عظیم ہے اور آپ سات دن سے بھوکے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

وہ جوان دوزانو ہو کر بیٹھا اور کہا۔ یَا أَبَا الْفَیْضِ ! کَیْفَ تَنْبَسِطُ الْأَلْسُنُ بِالْمَسْأَلَۃِ وَالْقُلُوْبُ مُمْتَلِئَۃٌ بِأَنْوَارِ الرِّضَا عَنْہُ.

یعنی " اے ابو الفیض ! (یہ حضرت ذوالنون مصریؒ کی کنیت ہے) زبانیں کس طرح سوال کیلئے حرکت کر سکتی ہیں جبکہ بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی رضا کے انوار سے پُر ہیں "۔

میں نے کہا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں کیا وہ خدا تعالیٰ سے کوئی سوال نہیں کرتے؟

اس نے کہا۔ مِنْھُمْ مَّنْ یَّسْأَلُ مِنْ بَابِ الْإِدْلَالِ ، وَمِنْھُمْ

مَّنۡ يَّسۡأَلُهٗ عِنَايَةً، وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡأَلُ عَطۡفًا عَلٰى غَيۡرِهٖ.

یعنی " (ایسے لوگ خاص طریقے سے سوال کرتے ہیں۔) ان میں سے بعض ناز کے طور پر سوال کرتے ہیں اور بعض عنایت و مہربانی کا سوال کرتے ہیں اور بعض دیگر لوگوں پر شفقت کیلئے سوال کرتے ہیں"۔

برادران کرام! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ پھر نماز کیلئے اقامت ہوئی۔ خراسانی جوان نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اس نے اپنا لوٹا اٹھایا اور مسجد سے نکلا۔ میں نے سمجھا کہ شاید طہارت کا ارادہ ہے مگر وہ واپس نہ آیا اور آج تک پھر میں نے اسے نہیں دیکھا۔

برادران اسلام! اولیاء اللہ کے معاملات بہت انوکھے ہوتے ہیں۔ ان کے احوالِ عالیہ و مقاماتِ سامیہ سے متعلق واقعات نہایت ایمان افروز و عبرت انگیز ہوتے ہیں۔

ان اولیاء اللہ اور اہل اللہ کی برکت ہی سے یہ دنیا قائم ہے۔ اللہ عزّوجلّ ان کی برکات سے ہمیں زیادہ سے زیادہ استفادہ کے مواقع نصیب فرماتے ہوئے ان کے اتباع کی توفیق بخشیں۔ آمین۔





فصل (۱۹)

حضرات کرام ! مال و دولت اور کھانے پینے کی حرص و لالچ تقویٰ و احتیاط کے خلاف امور ہیں۔ تقویٰ و احتیاط انسانی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ و مطلبِ ارفع ہے۔ تقویٰ عظیم سعادت اور عظیم نعمت ہے۔ کسی مسلمان کی کامل نجات و کامیابی تقویٰ پر موقوف ہے۔

تقویٰ و احتیاط دونوں تقریباً ایک ہی چیز ہیں۔ گویا کہ احتیاط تقویٰ کا دوسرا نام ہے۔

تقویٰ و احتیاط کے دو درجے ہیں۔ ایک مطلق تقویٰ ہے اور ایک شدتِ تقویٰ۔

مطلق تقویٰ ادنیٰ درجہ ہے۔ مطلق تقویٰ کا مطلب ہے حرام سے بچنا۔ یہ قسم تقویٰ کا ادنیٰ درجہ اس لئے ہے کہ یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ ہر مسلمان کے لئے حرام سے بچنا ضروری اور فرض ہے۔ تقویٰ بایں معنی اسلام کے لوازمِ شرعیّہ میں سے ہے۔ جو مسلمان حرام سے نہ بچے وہ پورا مسلمان اور کامل مؤمن نہیں ہے۔

باقی شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط یعنی شدید تقویٰ و شدید احتیاط اعلیٰ مقام ہے۔ شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط کا مطلب ہے حرام امور کے علاوہ مشتبہات اور ادنیٰ مکروہات سے بھی اپنے آپ کو بچانا۔

یہی تقویٰ حقیقی ہے اور اسی کا ذکر ہے اس آیت میں یَآأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ۔ ”اے ایمان والو ! تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے (یعنی کامل تقویٰ اختیار کرو)“۔

تقویٰ و احتیاط کی یہ قسم ثانی نہایت مشکل ہے اور اس پر صحیح طور پر صرف اولیاءِ کاملین اور بعض ائمۂ عظام ہی عمل کر سکتے ہیں۔

یہی قسم میزان ہے مراتبِ ائمۂ کرام و منازلِ اولیاء عظام کیلئے۔ شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط کُلّی مشکک ہے۔ اس میں بے شمار درجات و مراتب ہیں۔

تمام ائمۂ کرام و جملہ اولیاء عظام حسبِ استطاعت شدّتِ احتیاط و شدتِ تقویٰ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں لیکن بعض ائمہ و اولیاء اس سلسلے میں حیران کن حد تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ شدتِ تقویٰ کے دائرۂ عمل میں ہر ولی و امام کا مقام و مرتبہ الگ الگ ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں بعض سلف صالحین سے منقول واقعات نہایت ایمان افروز و تعجب خیز ہیں۔ ائمۂ کرام میں سے خصوصاً امام ابوحنیفہ و امام احمد و سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی شدتِ احتیاط و تقویٰ کے واقعات نہایت حیران کن اور عجیب و غریب ہیں۔ بلکہ ان کے بعض واقعات ہمارے تصوّر سے بھی بالا و بلند تر ہیں۔

یہ شدتِ تقویٰ و احتیاط ان کے کمالِ ایمان ، کمالِ انقطاع اِلَی اللہ اور کمالِ خوفِ حسابِ آخرت کی واضح علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو بلند درجات نصیب فرمائیں اور ہمیں آخرت میں ان کی رفاقت نصیب ہو۔ آمین۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کے کھانے سے اجتناب فرماتے تھے جس کے حلال ہونے میں ادنیٰ سا شبہ ہوتا تھا اور اس سلسلے میں ان کا تقویٰ اور ان کی احتیاط حیرت انگیز حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

اس سلسلے سے متعلق ان کے چند حیرت انگیز اور ایمان افروز واقعات پیش خدمت ہیں۔

مشہور محدث عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ لُوٹ کی کچھ بکریاں بعض مفسد لوگوں کے ذریعے کوفہ میں لائی گئیں۔ وہ بکریاں اہل کوفہ کی بکریوں سے ایسی مخلوط ہوگئیں کہ امتیاز باقی نہ رہا۔

اس سے یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ کبھی کوئی قصاب لوٹ والی بکری کو خرید کر اس کا گوشت فروخت کردے۔ اس طرح لوگوں کیلئے حرام گوشت کھانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو حرام گوشت کے کھانے سے بچنے کی فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں نادانستہ طور پر لوٹ کی بکریوں کا حرام گوشت ان کے گھر تک نہ پہنچے۔

فَسَأَلَ أَبُوحَنِيفَةَ: كَمْ تَعِيشُ الْغَنَمُ؟ قَالُوْا: سَبْعَ سِنِيْنَ. فَتَرَكَ أَكْلَ لَحْمِ الْغَنَمِ سَبْعَ سِنِيْنَ. ثُمَّ إِنَّهُ رَاٰى فِيْ تِلْكَ الْأَيَّامِ بَعْضَ الْجُنْدِ أَكَلَ لَحْمًا أَيْ لَحْمَ الْغَنَمِ وَرَمٰى فُضْلَتَهُ فِيْ نَهْرِ الْكُوْفَةِ. فَسَأَلَ عَنْ عُمْرِ السَّمَكِ فَقِيْلَ لَهُ: كَذَا وَكَذَا. فَامْتَنَعَ مِنْ أَكْلِ السَّمَكِ تِلْكَ الْمُدَّةَ. عقود الجمان ص ۲۴۴.

یعنی ”ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سات سال۔ تو امام ابو حنیفہؒ نے سات سال تک بکری کا

گوشت نہیں کھایا۔

پھر انہی دنوں ابو حنیفہؒ نے دیکھا کہ بعض فوجیوں اور سرکاری ملازمین نے بکری کا گوشت کھا کر اس کے بچے ہوئے ٹکڑے اور انتڑیاں وغیرہ کوفہ کے دریا میں پھینک دیں تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے پوچھا کہ مچھلی کتنے عرصے تک زندہ رہ سکتی ہے؟ لوگوں نے آپ کو اس کی عمر کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ آپ اتنا عرصہ مچھلی کھانے سے رُکے رہے "۔

عزیزو ! غور کریں کہ ہمارے اسلاف حلال رزق کے بارے میں کتنے محتاط تھے اور زمانۂ حال کے مسلمان کتنے غیر محتاط ہیں۔

کل تک محبتوں کے چمن تھے کِھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گِل
افسوس ہے انہیں کہ ہزاروں گلے ہوئے

مشہور صوفی ابو قاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ قشیریّہ میں یہ ایمان افروز واقعہ ذکر کرتے ہیں۔

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يَجْلِسُ فِيْ ظِلِّ شَجَرَةِ غَرِيمِهٖ وَيَقُوْلُ : كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا.

یعنی " ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے مقروض کے درخت کے سائے کے نیچے نہیں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے (کہ حدیث شریف میں ہے) ہر وہ قرض جو نفع کو کھینچے (یعنی قرض سے زائد کسی قسم کا نفع

حاصل کیا جائے) تو وہ سود ہے"۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو پرہیزگار نہیں دیکھا۔

رَأَيْتُهُ يَوْمًا جَالِسًا فِي الشَّمْسِ عِنْدَ بَابِ إِنْسَانٍ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا حَنِيْفَةَ! لَوْ تَحَوَّلْتَ إِلَى الظِّلِّ. فَقَالَ: لِيْ عَلٰى صَاحِبِ هٰذِهِ الدَّارِ دَرَاهِمُ. وَلَا أُحِبُّ أَنْ أَجْلِسَ فِيْ ظِلِّ بِنَاءِ دَارِهٖ.

یعنی "میں نے ایک دن ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کے دروازے کے پاس دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابوحنیفہ! اگر آپ سائے میں بیٹھ جاتے تو بہتر ہوتا (خواہ مخواہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے ہیں) تو ابوحنیفہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اس گھر والے آدمی کے ذمہ میرے کچھ دراہم (بطور قرض) ہیں۔ اور مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اس کے مکان کے سائے میں بیٹھوں (کیونکہ یہ قرض سے زائد نفع کا حصول ہے جسے حدیث شریف میں سود کہا گیا ہے)"۔

یحییٰ بن ابی زائد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر گزرا۔ وہ ایک گھر کے قریب دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابوحنیفہ! آپ اس گھر کے سائے میں کیوں نہیں بیٹھتے۔ خدا کیلئے آپ بتلا دیجئے کہ آپ اس گھر کے سایہ سے کیوں اجتناب فرما رہے ہیں۔

فَقَالَ: لِيْ عَلٰى صَاحِبِ هٰذِهِ الدَّارِ شَيْءٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أَسْتَظِلَّ بِظِلِّ حَائِطِهٖ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ جَرَّ مَنْفَعَتِهٖ.

یعنی "ابوحنیفہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اس گھر کے مالک کے ذمہ میرا کچھ

قرض ہے۔ اس لئے مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں اس کے مکان کی دیوار کے سائے میں بیٹھ کر آرام حاصل کروں کیونکہ یہ قرض سے زائد نفع کا حصول ہے (اور قرض سے زائد نفع حاصل کرنے کو حدیث شریف میں سود کہا گیا ہے)"۔

پھر ابو حنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا وَمَا أَرَاهُ عَلَى النَّاسِ وَاجِبًا. وَلٰكِنَّ الْعَالِمَ يَحْتَاجُ أَنْ يَأْخُذَ لِنَفْسِهٖ مِنْ عِلْمِهٖ بِأَكْثَرَ مِمَّا يَدْعُو الْخَلْقَ إِلَيْهِ. عقود الجمان ص ۲۴۴.

یعنی "میں اس بات کو لوگوں کیلئے واجب اور ضروری قرار نہیں دیتا (کہ وہ بھی میری طرح مقروض کے گھر کے سایہ وغیرہ میں نہ بیٹھیں) لیکن عالم (کیلئے ایسی احتیاط ضروری ہے کیونکہ وہ) محتاج ہے اس بات کا کہ وہ لوگوں کے مقابلے میں اپنی ذات کیلئے (شدّتِ احتیاط کے مقتضیٰ کے مطابق) اپنے علم میں سے کئی زائد امور اختیار کرے"۔

یعنی عالم کو عزیمت و شدتِ احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ جبکہ عام لوگوں کیلئے شدید احتیاط پر عمل ضروری نہیں بلکہ ان کیلئے رخصت پر عمل کرنا کافی ہے۔ علماء کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہے اور نازک تر۔

دوستو! آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے تقویٰ و شدتِ احتیاط کا یہ واقعہ پڑھا۔ سبحان اللہ! ہمارے بزرگوں کے تقویٰ و احتیاط اور ورع کا مقام کتنا بلند تھا۔ دنیا میں ایسے علماء کرام اور اولیاء اللہ بھی گزرے ہیں جن کے ورع اور تقویٰ کے ایمان افروز واقعات پڑھ کر ہم اپنا ایمان بڑھاتے ہیں۔ آج ایسے بزرگ اور ایسے متقی کہاں ہیں۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی اور اپنا فسانہ بھول گئے
اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشہ بن بھی گئے
دنیا کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انورؔ
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

ایک اور شاعر اسی حالتِ دنیا کے بارے میں کہتا ہے۔

اڑا جاتا ہے رنگِ عاشقی گلزارِ دنیا سے
عجب کیا بلبلِ تصویر بھی اک روز عنقا ہو

امام ابوحنیفہؒ کی قناعت، شدت تقویٰ اور غایت احتیاط کے حیرت انگیز واقعات کا ذکر تذکرہ وسوانح کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ خلفاء اور گورنروں کی طرف سے آپ کی خدمت میں تحائف، ہدایا اور نذرانے پیش کئے جاتے تھے لیکن امام ابوحنیفہؒ بڑی بے نیازی سے انہیں ٹھکرا دیتے تھے۔

خلفاء اور گورنر امام صاحب سے گاہے گاہے دربار میں آنے اور ملاقات کا موقع بخشنے کی درخواست کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سے ملاقات کے وقت ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ان خلفاء وگورنروں کی طرف سے بڑے تحائف اور نذرانے پیش ہونے کا یقین تھا۔

لیکن ابوحنیفہؒ ان کی مجالس اور درباروں سے حتی الوسع اجتناب کرتے

تھے۔ یہ ابو حنیفہؒ کی قناعت، توکّل علی اللہ، استغناء اور حبِّ دنیا سے ان کے دل کے خالی ہونے کی قوی دلیل ہے۔

چنانچہ والئ کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ سے ایک مرتبہ ان کی ملاقات ہوئی تو ابو حنیفہؒ نے اپنی کامل قناعت اور استغناء کا اظہار کرتے ہوئے والئ کوفہ کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے یہ دو عبرت انگیز و سبق آموز اشعار پڑھے۔

كِسْرَةُ خُبْزٍ وَّقَعْبُ مَاءٍ   وَفَرْوُ ثَوْبٍ مَّعَ السَّلَامَةْ

لَاخَيْرَ مِنَ الْعَيْشِ فِيْ نَعِيْمٍ   يَكُوْنُ مِنْ بَعْدِهِ النَّدَامَةْ

(۱) ”اگر کھانے کیلئے روٹی کا ایک ٹکڑا اور پینے کیلئے پانی کا پیالہ اور تن ڈھانپنے کیلئے موٹا کپڑا مل جائے ایمان کی سلامتی اور عافیت کے ساتھ۔

(۲) تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ عیش وعشرت میں زندگی گزاری جائے اور اس کے بعد اس کا انجام ملامت وندامت ہو“۔

بعض شعراء نے فارسی میں ان اشعار کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

کوزۂ آب پارۂ نانے   جامۂ چند با تن و جانے

ہست بہتر ہزار بار زعیش   کہ آورد عاقبت پشیمانے

اس سلسلے میں ابو حنیفہؒ کا ایک اور قیمتی قول سن لیں۔ فرماتے ہیں۔

لَاتَجْمَعِ الذُّنُوْبَ لِحَبِيْبِكَ وَالْأَمْوَالَ لِبَغِيْضِكَ. فَالْحَبِيْبُ النَّفْسُ وَالْبَغِيْضُ الْوَارِثُ.

یعنی ”اپنے دوست کیلئے گناہ اور اپنے دشمن و مخالف کیلئے مال جمع نہ کر۔

تیرا دوست تیرا نفس ہے اور تیرا دشمن و مخالف تیرا وارث ہے‘‘۔

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور و جلیل القدر تابعی ہیں۔ آپ اولیاء کبار میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوابوں کی تعبیر کا خاص ملکہ و فہم عطا فرمایا تھا۔ تیل وغیرہ اشیاء کے بہت بڑے تاجر ہونے کی وجہ سے بڑے مالدار تھے۔ وہ بڑے متقی تھے، ہر قسم کے مشتبہ مال و رزق سے بچتے تھے۔

ایک دفعہ شدّتِ احتیاط کی وجہ سے تنگدست ہو کر مقروض ہو گئے اور قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مدّت تک جیل میں رہے۔

ان کے مقروض ہونے کا واقعہ بڑا ایمان افروز ہے۔ یہ واقعہ آپ کے ورع، تقویٰ اور رزقِ حلال کے بارے میں شدّتِ احتیاط کا نتیجہ تھا۔

مؤرّخین نے آپ کے اسیر و محبوس ہونے کا سبب یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے بغرضِ تجارت چالیس ہزار درہم کا تیل خریدا۔ تیل مشکیزوں میں تھا۔ اتفاق سے ایک مشکیزے میں مرا ہوا چوہا ملا۔

ایسی صورت میں شرعی فتوے کے مطابق صرف اس مشکیزے کا تیل نجس شمار ہوتا تھا جس میں مرا ہوا چوہا ملا تھا، لہٰذا صرف اسی مشکیزے کا تیل ضائع کرنا کافی تھا۔ مگر ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ پر شدّتِ تقویٰ و شدّتِ احتیاط کا غلبہ تھا، شدّتِ احتیاط کے پیشِ نظر آپ کو خیال آیا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ چوہا تیل کے مرکزی ذخیرہ میں مرا ہو یا تیل بنانے اور صاف کرنے والی مشین میں گرا ہو اور پھر وہاں سے اس مشکیزے میں آیا ہو۔ اس امکانی صورت کے پیشِ نظر ابن سیرینؒ نے سارے مشکیزوں کا تیل نجس قرار دیا۔

یہ ایک بعید بلکہ اَبعد عقلی احتمال تھا۔ ثبوت کے بغیر اس پر شرعاً عمل

ضروری نہیں تھا۔ لیکن ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ پر شدّتِ احتیاط کا غلبہ تھا۔ چنانچہ شدّتِ احتیاط پر عمل کرتے ہوئے آپ نے تمام مشکیزوں کے تیل کو نجس شمار کرتے ہوئے ضائع کردیا اور تیل کی قیمت ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے مقروض ہوگئے اور مدّت تک جیل میں اسیر رہے۔

برادران کرام ! کامل تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال و رزق سے اجتناب کے ساتھ ساتھ مشتبہ امور سے بھی احتراز کیا جائے۔

أَخْرَجَ الْخَطِيْبُ فِيْ تَارِيْخِهٖ ج ۹ ص ۷۰ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ. وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُّشْتَبِهَةٌ. مَنْ تَرَكَهَا كَانَ أَوْقٰى لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ. وَمَنْ قَارَبَهَا كَانَ كَالْمُرْتِعِ إِلٰى جَانِبِ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَّقَعَ فِيْهِ.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السّلام کا یہ ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں کہ حلال چیزیں بھی واضح ہیں اور حرام چیزیں بھی واضح ہیں (یعنی جو چیزیں محض حلال ہیں وہ بھی واضح ہیں اور جو چیزیں محض حرام ہیں وہ بھی واضح ہیں)۔ البتہ ان دونوں کے درمیان بعض امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں (یعنی جن کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں شبہ ہے)۔

پس جو آدمی ان مشتبہ امور کو ترک کردے تو یہ اجتناب اس کے دین اور اس کی عزت کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے (یعنی جو چیزیں محض حرام ہیں ان سے بچنا بھی بڑی بات ہے لیکن اصل کمال یہ ہے کہ آدمی مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرے۔ اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کرنے سے ہی وہ آدمی اپنے دین اور اپنی عزت کو صحیح طور پر محفوظ کرسکتا ہے)۔

اور جو آدمی ان مشتبہ امور کے قریب چلا جائے (یعنی ان سے بچنے کی کوشش نہ کرے) تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک چراگاہ ہو جو ایک محفوظ باغ کی جانب میں واقع ہو تو قریب ہے کہ اس چراگاہ میں چرنے والے چوپائے اس باغ میں جا گھسیں (یعنی مشتبہ امور سے اجتناب نہ کرنے کی صورت میں خطرہ ہے کہ آدمی صریح وواضح حرام امور کا ارتکاب کر بیٹھے)"۔

ہمارے اسلاف کرام کا زمانہ کتنا مبارک اور پاکیزہ تھا۔ وہ تقویٰ، ورع، طاعات اور فکرِ آخرت کا زمانہ تھا۔ آج اکثر مسلمان غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تقویٰ اور رزقِ حلال کی فکر کرنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بُو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خُو نہ رہی
وہ حبیبوں میں رنگِ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

کھانے پینے اور رزق کے معاملے میں آج کل لوگ بڑی بے احتیاطی برتتے ہیں۔ بس جو کچھ ملے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مشتبہ کھانے پینے سے اور شبہ والے رزق سے خود بچنے اور گھر والوں کو بچانے کی کوشش تو دور کی بات ہے حرام مال سے بھی آجکل لوگ دریغ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور فکرِ حسابِ عقبیٰ کی کمی ہے۔

ہمارے اسلاف کرام رزق کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔ اس

سلسلے میں بعض اسلاف کرام و علمائے عظام کی احتیاط حیرت انگیز حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ادنیٰ شبہ والے رزق اور ادنیٰ اشتباہ والی چیز سے شدید اجتناب کرتے تھے۔ ان کا ایمان آخرت کے حساب کے بارے میں پختہ تھا۔

انہیں یقین تھا کہ دنیا اور اس کی رونقیں چند روزہ اور فانی ہیں۔ دنیا کی وُسعتیں اور تنگیاں سب آنی جانی ہیں۔ اصل چیز تقویٰ اور فکرِ آخرت ہے۔ جنہیں یہ دولت مل گئی وہی دائمی اور جاودانی مسرتوں سے ہمکنار ہوں گے۔

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جس کے ساتھ ہے
لیکن خبر نہیں کہ خدا کس کے ساتھ ہے
البتہ پیشِ چشم ہے قانونِ عافیت
جو نیک اور شریف ہے وہ اس کے ساتھ ہے

کتبِ تاریخ میں منقول ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ و احتیاط اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ جس چیز کی حلّت میں ادنیٰ شبہ ہوتا وہ اس کے استعمال سے اور نفع اٹھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اگرچہ وہ نفع اور وہ رزق عام قوانینِ فتویٰ و ضوابطِ شرع کے لحاظ سے بالکل جائز اور حلال ہوتا اور فقہی اعتبار سے اس میں کوئی کراہت نہ ہوتی۔

سرکاری بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ کسی شخص کو اگر بیت المال سے سرکاری طور پر کوئی وظیفہ ملے یا کوئی اور منفعت حاصل ہو تو شرعاً وعرفاً اسے قبول کرنے میں کوئی قباحت و کراہت نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ لینے والا محتاج اور ضرورتمند ہو۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ

الْمَحْظُوْرَاتِ۔ یعنی ”ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیز بھی حلال ومباح ہوجاتی ہے“۔

لیکن بہت سے بزرگ بیت المال کے وظائف اور جائز تحائف وہدایا سے معمولی شبہات کی وجہ سے احتراز کرتے تھے۔

ان بزرگوں میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان نرالی تھی۔ امام احمدؒ کی شدتِ احتیاط اور ادنیٰ شبہ والے رزق سے اجتناب و پرہیز کے چند ایمان افروز واقعات پیشِ خدمت ہیں۔

کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹوں اور چچا کو خلیفہ کے ہدایا وتحائف قبول کرنے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ شرعاً اس مال کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن عام قوانینِ فتویٰ اور ضوابطِ شرعیّہ کا مقام اور ہے اور شدتِ احتیاط کا مقام اور ہے۔

طبقاتِ حنابلہ (ج ۱ ص ۱۰) میں ہے۔ وَنَهٰى أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رحمہ اللہ تعالیٰ وَلَدَيْهِ وَعَمَّهُ إِسْحَاقَ عَنْ أَخْذِ الْعَطَاءِ مِنْ مَّالِ الْخَلِيْفَةِ فَاعْتَذَرُوْا بِالْحَاجَةِ فَهَجَرَهُمْ شَهْرًا لِأَخْذِ الْعَطَايَا.

یعنی ”امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں بیٹوں اور چچا اسحاق کو خلیفہ کی طرف سے مالی تحائف وہدایا لینے سے منع کیا۔ انہوں نے اپنی ضرورت و حاجت کا عذر پیش کیا (کہ ہم بأمرِ مجبوری ضرورت کی وجہ سے وظائف وتحائف لیتے ہیں) تو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے وظائف لینے کی وجہ سے ایک ماہ تک ان کا بائیکاٹ کیا“۔

امام احمدؒ کے دونوں بیٹے عبد اللہ وصالح اور چچا اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کبار

علماء میں سے تھے اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے لیکن امام احمدؒ کے تقویٰ اور ورع کا مقام بہت بلند تھا۔ اس مقام تک بڑے بڑے متقی بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دونوں بیٹے عبد اللہ وصالح رحمہا اللہ تعالی اپنے والد کے بڑے فرمانبردار، اطاعت گزار اور خدمت گار تھے۔ ساری رات اور سارا دن ان کی خدمت میں لگے رہتے اور ہر قسم کے مشتبہ رزق و مال سے مکمل اجتناب کرتے تھے لیکن امام احمدؒ ان کے گھر کی کسی چیز کو اپنی ذات کیلئے استعمال نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے بیٹے گاہ بگاہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہیں۔

کتبِ تاریخ میں منقول ہے کہ امام احمدؒ کی زوجہ اُمّ عبد اللہ کا بغداد میں گھر تھا۔ اُمّ عبد اللہ کی وفات کے بعد وہ گھر کرایہ پر دیا گیا۔ امام احمدؒ اس کے کرائے میں سے بطور وراثت اپنا حصہ جو کہ صرف ایک درہم تھا وصول کیا کرتے تھے اور اسی ایک درہم کو وہ اپنے کھانے پینے میں مہینہ بھر خرچ کرتے تھے۔

اس گھر میں کسی وقت تھوڑی سی مرمت اور اصلاح کی ضرورت پڑی۔ ان کے فرزند عبد اللہ نے اپنے مال سے اس کی مرمت اور اصلاح کی تو امام احمدؒ نے اس کے کرائے سے اپنے حصے کا درہم وصول کرنا چھوڑ دیا کیونکہ بیٹے کے مال کے اختلاط سے امام احمدؒ کی بلند احتیاط کے پیش نظر اس مکان کا کرایہ مشتبہ ہوگیا تھا۔ امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹے نے غلطی کی اور اس درہم کو جو عالمِ اسباب میں میرے رزق کا ذریعہ تھا فاسد کر دیا۔

ابو عبد اللہ سمسار رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت ہے۔

كَانَتْ لِأُمِّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ دَارٌ مَّعَنَا فِي الدَّرْبِ يَأْخُذُ مِنْهَا أَحْمَدُ دِرْهَمًا بِحَقِّ مِيْرَاثٍ فَاحْتَاجَتْ إِلٰى نَفَقَةٍ لِّتُصْلِحَهَا . فَأَصْلَحَهَا

ابْنُهٗ عَبْدُاللّٰهِ. فَتَرَكَ أَبُوْعَبْدِاللّٰهِ أَحْمَدُ الدِّرْهَمَ الَّذِیْ كَانَ يَأْخُذُهٗ وَقَالَ: قَدْ أَفْسَدَهٗ عَلَیَّ عَبْدُاللّٰهِ.

یعنی "عبد اللہ کی والدہ کا ایک مکان تھا جو درب (بغداد میں ایک جگہ کا نام ہے) میں ہمارے پڑوس میں تھا۔ (اُمّ عبد اللہ کی وفات کے بعد وہ گھر کرایہ پر دیا گیا۔) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بطورِ میراث اس گھر کے کرایہ میں سے ایک درہم لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اس مکان کی درستگی اور اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو امام احمدؒ کے فرزند عبد اللہ نے اپنے مال میں سے کچھ رقم لگا کر اس مکان کی اصلاح کردی۔ اس کے بعد امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ ایک درہم لینا بھی چھوڑ دیا اور فرمایا کہ میرے بیٹے نے میرا وہ ایک درہم (جو میرے رزق کا ظاہری سبب تھا) فاسد اور خراب کردیا"۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شدید علیل ہوگئے۔ بعض اطباء نے ان کیلئے یہ دوا تجویز کی کہ کدّو کو آگ پر بھونا جائے اور پھر اس کدو کے پانی کو نکال کر اسے استعمال کیا جائے۔

چنانچہ کدو لایا گیا اور ان کے بیٹے صالح کے گھر میں تنور کی آگ سے بھوننے کا ذکر ہوا۔ امام احمدؒ زیادہ مرض کی وجہ سے بول تو نہیں سکتے تھے مگر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ صالح کے گھر کی آگ سے استفادہ نہ کیا جائے کیونکہ بیٹوں کے گھر کی کسی چیز سے وہ ہر قسم کے استفادہ و انتفاع سے شدت سے بچتے تھے۔

کتبِ سوانح میں ہے۔

وَوُصِفَ لَهٗ فِیْ عِلَّتِهٖ قَرْعَةٌ تُشْوٰی وَيُؤْخَذُ مَاؤُهَا. فَلَمَّا جَاءُوْا بِالْقَرْعَةِ قَالَ بَعْضُ مَنْ حَضَرَ: اِجْعَلُوْهَا فِیْ تَنُّوْرِ صَالِحٍ فَإِنَّهُمْ قَدْ خَبَزُوْا.

فَقَالَ أَحْمَدُ بِيَدِهٖ: لَا. وَأَبٰى أَنْ يُّوَجَّهَ بِهَا إِلٰى مَنْزِلِ صَالِحٍ.

یعنی " امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیماری کیلئے حکماء اور اطباء نے یہ تجویز پیش کی کہ کدّو کو بھونا جائے اور اس کا پانی نکال کر استعمال کیا جائے۔ چنانچہ کدو لایا گیا۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ یہ کدّو صالح (امام احمدؒ کے بیٹے) کے گھر میں لگے ہوئے تنور میں بھون لیجئے کیونکہ انہوں نے ابھی ابھی تنور میں روٹی پکائی ہے (لہٰذا ابھی آگ موجود ہوگی) تو امام احمدؒ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ صالح کے گھر یہ کدّو بھوننے کیلئے نہ لیجایا جائے "۔

قَالَ إِسْحَاقُ عَمُّ أَحْمَدَ: لَمَّا وَصَلْنَا الْعَسْكَرَ أَنْزَلَنَا السُّلْطَانُ دَارَ الْإِيْتَاخِ. وَلَمْ يَعْلَمْ أَبُوْعَبْدِاللّٰهِ أَحْمَدُ. فَسَأَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ: لِمَنْ هٰذِهِ الدَّارُ؟ فَقَالُوْا: هٰذِهٖ دَارُ الْإِيْتَاخِ. فَقَالَ أَحْمَدُ: حَوِّلُوْنِيْ وَاكْتَرُوْا لِيْ دَارًا. قَالُوْا: هٰذِهٖ دَارٌ أَنْزَلَكَهَا أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَقَالَ: لَا أَبِيْتُ هٰهُنَا. فَاكْتَرَيْنَا لَهٗ دَارًا غَيْرَهَا.

یعنی " امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے چچا اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم حسبِ طلب امیر المؤمنین مقامِ عسکر پہنچے تو سلطان نے ہمیں ایتاخ کے گھر ٹھہرایا (اِیتاخ ایک شخص کا نام تھا) اور امام احمدؒ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ اِیتاخ کا گھر ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ایتاخ کا گھر ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ (مجھے یہاں نہیں ٹھہرنا) مجھے یہاں سے لے جاؤ اور میرے لئے کوئی اور گھر کرایہ پر لو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس گھر میں امیر المؤمنین نے بطور مہمان آپ کو ٹھہرایا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں نہیں ٹھہروں گا۔ چنانچہ ہم نے ان کیلئے کوئی اور گھر کرایہ پر لیا "۔

اس واقعہ سے امام احمدؒ کی شدتِ ورع و تقویٰ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کھانے پینے کے علاوہ مسکن اور رہائش گاہ کے بارے میں بھی بہت محتاط تھے۔ اِیتاخ ایک ظالم افسر تھا۔ خلیفۂ وقت کا دستِ راست تھا۔ خلیفہ ہر جائز و ناجائز کام اس کے سپرد کرتا تھا۔

کتبِ تاریخ میں ہے کہ اِیتاخ دراصل غلام تھا۔ خلیفہ معتصم نے اسے خریدا اور پھر ترقی دے کر خلیفہ معتصم اور خلیفہ واثق نے امورِ مملکت کے بعض اہم معاملات اِیتاخ کے سپرد کئے تھے۔ خصوصاً عقوبات، قتل و حبس و ضرب کے معاملات خلیفہ کی طرف سے وہ سرانجام دیتا تھا۔ خلیفہ متوکِّل کے عہد حکومت میں وہ قید ہوا اور جیل خانہ ہی میں سنہ ۲۳۵ھ میں مرا۔

امام احمدؒ جیسے ولی اللہ کو جب پتہ چلا کہ مجھے امیر المومنین نے بطورِ مہمان جس گھر میں ٹھہرایا ہے وہ ایک ظالم کا گھر ہے تو انہوں نے اس میں بطورِ مہمان چند روز اقامت بھی پسند نہ کی اور کرایہ پر ایک گھر لے کر اس میں خلیفہ متوکِّل کے مہمان کی حیثیت سے مقیم ہوئے۔

خلیفہ متوکِّل کے بڑے اِصرار کے بعد امام احمدؒ نے اس کی یہ دعوت و درخواست قبول فرمائی تھی۔

آگے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز و ایمان افروز واقعات زمانۂ اقامت میں رونما ہوئے۔

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ امام احمدؒ خلیفۂ وقت کے پُر تکلّف مختلف الانواع کھانوں کی طرف دیکھتے تک نہیں تھے۔ خلیفہ متوکِّل کی طرف سے صبح و شام مختلف الانواع کھانے اور پھل وغیرہ پہنچتے رہے جن پر روزانہ تقریباً ایک

سو بیس درہم خرچ ہوتے تھے۔ یہ اس زمانہ کی بہت بڑی رقم تھی۔

درہم چاندی کا ہوتا ہے۔ ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ بنابریں یہ ۳۲½ تولہ سے کچھ زیادہ چاندی بنتی ہے۔ چنانچہ اگر زمانۂ حال میں چاندی کی قیمت ۱۰۰ روپے فی تولہ ہو تو ایک سو بیس دراہم کی قیمت ۳۲½ سو روپے بنتی ہے۔ خلیفہ کی طرف سے امام احمدؒ اور ان کے دو تین ساتھیوں کے لئے اتنی خطیر رقم کا کھانا آنا بلند درجہ کی مہمان نوازی کا اظہار تھا۔

چونکہ خلیفہ کے کھانوں کی حلّت مشتبہ تھی اس لئے امام احمدؒ نے ان کے کھانے سے اجتناب کیا۔ فَمَا نَظَرَ إِلَيْهَا أَبُوْعَبْدِ اللهِ وَلَا ذَاقَ شَيْئًا۔

یعنی ” امام احمدؒ نے نہ ان کھانوں کو دیکھا اور نہ ان میں سے کسی چیز کو چکھا“۔

ان سے بچنے کا امام احمدؒ نے یہ ایمان افروز طریقہ اختیار فرمایا کہ صومِ وصال کی نیت سے روزہ رکھ لیا۔ صومِ وصال کا مطلب یہ ہے کہ دن کو بھی روزہ ہو اور رات کو بھی۔

احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ گاہ بگاہ صومِ وصال پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی صومِ وصال پر عمل کرتے تھے۔ گاہے وہ تین تین دن مسلسل شب و روز روزہ رکھتے تھے۔ گاہے پانچ دن اور گاہے سات دن تک ان کا صومِ وصال جاری رہتا تھا۔

امام احمدؒ نے زمانۂ اقامت کے دوران آٹھ دن تک صومِ وصال پر عمل فرمایا اور آگے اسے لمبا کرنے پر وہ مصرّ تھے۔ جب ان کی موت واقع ہونے کا

خطرہ پیدا ہوا اور قریب تھا کہ یہ آفتاب عالمتاب غروب ہو جاتا تو آٹھویں دن چچا اسحاقؒ نے شدید اصرار اور درخواست کر کے اور بہت سے حقوقِ قرابت کا واسطہ دیکر انہیں روزہ توڑنے پر اور کچھ کھانے پر راضی کر لیا۔

طبقاتِ حنابلہ میں ہے۔

وَدَامَتِ الْعِلَّةُ بِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ وَضَعُفَ ضُعْفًا شَدِيْدًا. وَكَانَ يُوَاصِلُ. فَمَكَثَ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ مُّوَاصِلاً لَّا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ. فَلَمَّا كَانَ فِي الْيَوْمِ الثَّامِنِ كَادَ أَنْ يَّطْفَأَ. فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ! ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَ يُوَاصِلُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَّهٰذَا لَكَ الْيَوْمَ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ. فَقَالَ: إِنِّي مُطِيْقٌ. قُلْتُ: بِحَقِّي عَلَيْكَ. فَقَالَ: إِنَّكَ حَلَّفْتَنِي بِحَقِّكَ فَإِنِّي أَفْعَلُ. فَأَتَيْتُهُ بِسَوِيْقٍ فَشَرِبَ. طبقات حنابلہ ج۱ ص۱۱.

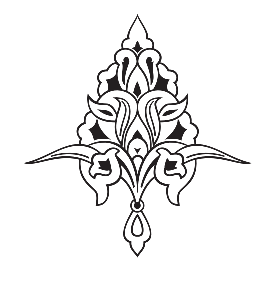
یعنی امام احمدؒ کے چچا اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ”ابو عبد اللہ (یہ امام احمدؒ کی کنیت ہے) کی کمزوری اور بیماری بڑھتی گئی اور شدید ترین ضعف واقع ہو گیا کیونکہ امام احمدؒ نے صومِ وصال شروع کیا ہوا تھا اور آٹھ دن تک مسلسل صومِ وصال میں رہے، نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔

جب آٹھواں دن تھا تو کمزوری اور شدید ضعف کی وجہ سے قریب تھا کہ یہ چراغ علم بجھ جاتا، میں نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ ! عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے زیادہ سے زیادہ سات دن تک صوم وصال رکھا تھا لیکن آپ کا آج آٹھواں دن ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ مجھ میں ابھی صومِ وصال کی قوت و طاقت موجود ہے۔ میں نے کہا کہ میں اپنے حقِ قرابت کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ روزہ ختم کر دیجئے اور کچھ کھا پی لیجئے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ

چونکہ آپ نے مجھے اپنے حقِ قرابت کا واسطہ اور قسم دیدی اس لئے میں روزہ ختم کر دیتا ہوں۔ چنانچہ میں ان کیلئے ستو لایا جسے انہوں نے پیا اور کھایا "۔

برادران کرام ! ان واقعاتِ ایمانیہّ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام کتنے متقی تھے۔ ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف و ائمۂ کرام کے قلوب پر خوفِ آخرت چھایا ہوا تھا۔ انہیں فکرِ حسابِ عقبیٰ دامن گیر تھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلافِ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں اور ہمیں متّقینِ کاملین کے زُمرہ میں داخل فرمائیں تاکہ اسلافِ صالحین کی طرح ہمارے قلوب پر بھی خوفِ آخرت چھایا رہے۔ آمین۔





فصل (۲۰)

برادران کرام ! افسوس ...... کہ آجکل مسلمانوں میں مکارم اخلاق معدوم ہیں یا بہت کم ہیں۔ مرفوع حدیث شریف ہے۔ إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ یعنی "نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا ہے"۔

مکارم اخلاق کا ایک اہم شُعبہ وصفِ حیا ہے۔ آجکل مکارمِ اخلاق کے دیگر شعبوں کی طرح شعبۂ وصفِ حیا بھی مسلمانوں میں بہت کم ہے۔ وصفِ حیا کی کمی کی وجہ سے مسلمان بڑی جرأت و بیباکی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ کسی کا خوف ہے اور نہ کسی سے حیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ یعنی "حیا جزء ہے ایمان کا"۔

ہمارے سابقہ مشائخ فخام پوری طرح وصفِ حیا سے متصف تھے۔ اس لئے وہ ادنیٰ گناہ کے ارتکاب سے بھی بچتے تھے۔ کسی مسلمان میں وصفِ حیا جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے معاصی اور فسق و فجور سے دور رہتا ہوگا۔

ابو حامد خُلقانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام احمدؒ کی خدمت میں

ان کے اشعار کا تذکرہ کیا اور ان کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہا۔ امام احمدؒ نے فرمایا۔ میرے کونسے اشعار کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مثلاً آپ کے اس قسم کے اشعار۔

إِذَا مَا قَالَ لِي رَبِّي أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِينِي
وَتُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ غَيْرِي وَبِالْعِصْيَانِ تَأْتِينِي

یعنی "جس وقت میرا ربّ مجھ سے کہے گا کہ کیا تجھے میری نافرمانی کرتے ہوئے حیا نہیں آئی۔ تُو گناہوں کو لوگوں سے تو چھپاتا ہے اور میرے پاس تُو گناہ لے کر آتا ہے (یعنی تجھے لوگوں سے تو شرم آتی ہے اور مجھ سے شرم نہیں آتی)"۔

امام احمدؒ اپنے ان دلگداز عارفانہ اشعار کے تذکرے اور یاددہانی سے اتنے متأثر ہوئے کہ کمرے کا دروازہ بند کر دیا، خوفِ خدا ان پر طاری ہو گیا، فکرِ عقبیٰ کا غلبہ ہو گیا اور کمرے کے اندر بار بار یہ دو شعر غم و درد سے دہراتے رہے۔

إِذَا مَا قَالَ لِي رَبِّي أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِينِي
وَتُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ غَيْرِي وَبِالْعِصْيَانِ تَأْتِينِي

کتبِ سوانح میں ہے کہ امیر المؤمنین متوکّل علی اللہ نے امام احمدؒ کی اولاد اور ان کے دیگر اہل و عیال کیلئے ماہوار چار ہزار درہم بطور وظیفہ دینے کا حکم دیا۔ امام احمدؒ کو جب پتہ چلا تو امیر المؤمنین کے پاس یہ پیغام بھیجا۔

إِنَّهُمْ فِي كِفَايَةٍ۔ یعنی "میرے اہل و عیال کے پاس گزارے کا مال

موجود ہے (ان کے لئے بیت المال سے اس وظیفے کی تقرری کی ضرورت نہیں ہے)"۔

متوکّل علی اللہ جانتے تھے کہ امام احمدؒ اپنے لئےکسی قسم کا مال لینے پر ہرگز راضی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے متوکل نے امام احمدؒ کے پیغام کا جواب دیتے ہوئے یہ کہلا بھیجا۔ إِنَّمَا هٰذَا لِوَلَدِكَ مَالَكَ وَلِهٰذَا۔ یعنی "یہ مال آپ کی اولاد و اہل و عیال کیلئے ہے۔ اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے لہٰذا آپ بے فکر رہئے"۔

امام احمدؒ جب خلیفہ کی طرف سے وظیفہء مالیہ روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو اپنے چچا اور اہل وعیال کو وظیفہ قبول نہ کرنے کی ترغیب دی۔

مگر ان کے اہل وعیال کیلئے شرعاً اس وظیفہ کے لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ نیز وہ سارے محتاج اور مساکین تھے اور اصحاب اولاد تھے، فاقوں میں ان کی زندگی گزر رہی تھی۔ سب علماءِ کبار نے بھی وظیفہ لینے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اس لئے انہوں نے متوکّل علی اللہ کا وظیفہء مالیہ قبول کیا تھا۔

امام احمدؒ کو جب پتہ چلا تو ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے چچا سے فرمایا۔

يَا عَمِّ! مَا بَقِيَ مِنْ أَعْمَارِنَا؟ كَأَنَّكَ بِالْأَمْرِ قَدْ نَزَلَ. فَاللّٰهَ اَللّٰهَ. فَإِنَّ أَوْلَادَنَا إِنَّمَا يُرِيدُونَ يَتَأَكَّلُونَ بِنَا. وَإِنَّمَا هِيَ أَيَّامٌ قَلَائِلُ. لَوْكُشِفَ لِلْعَبْدِ عَمَّا قَدْ حُجِبَ عَنْهُ لَعَرَفَ مَاهُوَ عَلَيْهِ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ. صَبْرٌ قَلِيْلٌ وَّثَوَابٌ طَوِيْلٌ. إِنَّمَا هٰذِهٖ فِتْنَةٌ.

"اے چچا جان! ہماری عمریں کتنی باقی رہ گئیں ہیں؟ (یعنی بہت تھوڑے دن باقی ہیں) گویا کہ اللہ تعالیٰ کا امرِ موت (پیغامِ موت) آنے ہی والا

ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈریئے۔ ہماری اولاد ہمارے نام کے ذریعے کھانا پینا چاہتی ہے (یعنی ہمارا نام استعمال کر کے رزق حاصل کرنا چاہتی ہے)۔ یہ دنیاوی زندگی بہت تھوڑی ہے۔

اگر وہ امور اور وہ اُخروی حالات جو پوشیدہ ہیں بندے کے سامنے کر دیئے جائیں اور ان سے پردہ ہٹا دیا جائے تو آدمی بخوبی اس بات کو پہچان لے گا کہ وہ خیر کے راستے پر چل رہا ہے یا شر کے راستے پر۔ یہاں فقر اور تکالیف پر صبر کرنا بہت تھوڑا ہے اور آخرت میں جو اجر و ثواب اس پر ملنے والا ہے وہ بہت زیادہ اور طویل ہے۔ یہ دنیاوی عیش و عشرت محض ایک فتنہ ہے"۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے احوال و واقعات سے آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ورع و تقویٰ و خوفِ آخرت میں وہ کتنے بلند مقام پر فائز تھے۔

برادران کرام! یہ دنیا باقی رہنے والی نہیں ہے۔ یہ سرائے فنا ہے۔ یہاں کی نہ خوشی دائمی ہے اور نہ غم۔ اللہ عزّوجلّ سے دنیوی خوشیوں کی بجائے اخروی خوشیوں کی دعا مانگا کریں۔

ہے دو روزہ قیام سرائے فنا، نہ بہت کی خوشی ہے نہ کم کا گِلا
یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا وہ گیا جو ملا وہ ملا

نہ بہار جمی نہ خزاں ہی رہی، کسی اہل نظر نے یہ خوب کہی
یہ کرشمۂ شانِ ظہور ہیں سب، کبھی خاک اڑی کبھی پھول کھلا

نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب، یہی ساقیٔ دہر سے بس ہے طلب
مجھے طاعتِ حق کا چکھا دے مزا، نہ کباب کھلا نہ شراب پلا

ہے فضول یہ قصہ، زید و بکر، ہر اِک اپنے عمل کا چکھے گا ثمر
کہو ذہن سے فرصتِ عُمر ہے کم، جو دِلا تو خدا ہی کی یاد دِلا

کتبِ تاریخ میں منقول ہے کہ امام احمدؒ اپنے چچا اور اپنی اولاد کے غلاموں کو اپنے اوپر پنکھا جھلنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں میرے خاندان والوں نے یہ غلام سرکاری طور پر ملنے والے وظیفے کی رقم سے نہ خریدے ہوں۔

منقول ہے کہ جب امام احمدؒ کا انتقال ہوا تو ابن طاہر جو بہت بڑے افسر یا وزیر تھے نے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کفن کا کپڑا بھیجا لیکن امام احمدؒ کی اولاد اور چچا نے باوجود ضرورت و احتیاج کے وہ کپڑا واپس کر دیا اور یہ عذر پیش کیا کہ یہ سرکاری مال سے خریدا ہوا ہے اور امام احمدؒ نے زندگی میں ایسے مال سے اجتناب کیا تو موت کے بعد انہیں ایسا کفن ہم کس طرح پہنائیں۔

طبقاتِ حنابلہ کی عبارت یہ ہے۔

لَمَّا تُوُفِّيَ أَحْمَدُ وَجَّهَ ابْنُ طَاهِرٍ الْأَكْفَانَ فَرُدَّتْ عَلَيْهِ وَقَالَ عَمُّ أَحْمَدَ لِلرَّسُوْلِ: قُلْ لَهُ: أَحْمَدُ لَمْ يَدَعْ غُلَامِيْ يُرَوِّحُهُ خَشْيَةَ أَنْ أَكُوْنَ اشْتَرَيْتُهُ مِنْ مَالِ السُّلْطَانِ فَكَيْفَ نُكَفِّنُهُ بِمَالِكَ.

یعنی ”جب امام احمدؒ کا انتقال ہوا تو اُن کے کفن کیلئے ابن طاہر نے کپڑا بھیجا لیکن وہ کفن کا کپڑا واپس بھیج دیا گیا اور امام احمدؒ کے چچا نے کپڑا لانے والے ایلچی سے کہا کہ جا کر ابن طاہر سے کہنا کہ احمدؒ نے زندگی میں میرے غلام سے راحت حاصل کرنے کیلئے کبھی پنکھا نہیں جھلوایا محض اس خوف کی وجہ سے کہ

کہیں میں نے وہ غلام بادشاہ کی طرف سے بطور وظیفہ ملنے والی رقم سے نہ خریدا ہو۔ (جب زندگی میں ان کی یہ کیفیت تھی) تو ان کی موت کے بعد ہم کس طرح انہیں آپ کے مال سے خریدے ہوئے کپڑے کا کفن دے سکتے ہیں"۔

ان واقعات سے آپ اندازہ کریں کہ امام احمدؒ کے دل میں کتنا زیادہ خوف تھا خدا تعالیٰ کا اور کتنی زیادہ فکر تھی آخرت کے حساب کی۔

قَالَ الْمِرْوَزِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى : سَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُوْلُ : اَلْخَوْفُ قَدْ مَنَعَنِيْ أَكْلَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَمَا أَشْتَهِيْهِ.

یعنی "امام مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور آخرت کے خوف نے مجھے کھانے پینے سے روک دیا ہے۔ پس مجھے ان چیزوں کی خواہش ہی نہیں رہی"۔

بس خوفِ خدا اور فکرِ آخرت جس کے دل میں ہوں وہ ہر قسم کے حرام بلکہ مشتبہ رزق سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اور مال و رزق ایسے شخص کے پیچھے بھاگتے ہیں اور مختلف انعامات اور غیبی احسانات سے اللہ تعالیٰ اسے نوازتے ہیں۔

محمد بن منصور بن داود معروف بطوسی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ بڑے عابد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ امام احمدؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔

کتبِ تاریخ میں ہے کہ زاہدین وعابدین کے ایک مجمع میں محمد بن منصور طوسیؒ نے اپنا یہ عجیب و ایمان افروز واقعہ سنایا کہ میں نے ایک دفعہ نفلی روزہ رکھا اور یہ عزم کیا کہ میں صرف وہ کھانا کھاؤں گا اور اس رزق سے روزہ کھولوں گا جو خالص حلال ہو اور اس میں حرام ہونے کا معمولی اشتباہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ وہ

دن گزر گیا اور مجھے ایسا حلال کھانا روزہ کھولنے کیلئے نہ مل سکا۔ پھر دوسرے دن بھی ایسا حلال رزق نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ تیسرا اور چوتھا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے صومِ وصال کی نیت کرلی۔ صومِ وصال وہ ہوتا ہے جس میں دن کو بھی روزہ ہوتا ہے اور رات کو بھی۔

طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلسل چار دن صومِ وصال رکھا۔ چوتھے دن بھوک سے نڈھال ہو کر میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ آج رات کو میں اس شخص کے ہاں روزہ کھولونگا جس کے کھانے کا حلال ہونا یقینی ہے اور اس میں معمولی ساشبہ بھی نہیں، یعنی مشہور ولی اللہ صاحبِ کرامات معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ میں معروف کرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی مجلس میں نماز مغرب تک بیٹھا رہا۔ نماز مغرب میں نے ان کے ساتھ مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد سب لوگ مسجد سے چلے گئے۔ صرف میں، معروف کرخی اور ایک تیسرا شخص رہ گئے۔ شاید وہ شخص معروف کرخی کے خاص متعلقین میں سے تھا۔

معروف کرخیؒ بڑے ولی اللہ، صاحبِ کرامات وصاحبِ کشفِ صحیح تھے۔ ممکن ہے کہ معروف کرخیؒ کو طوسیؒ کے فاقے، مسکنت، صومِ وصال اور ان کے اَکلِ حلال کے ساتھ روزہ کھولنے کے عہد کا کشف ہو گیا ہو، یعنی کشف سے معروف کرخیؒ کو ان امور کا حال معلوم ہو گیا ہو۔

اسی وجہ سے جب مسجد خالی ہوئی تو معروف کرخیؒ نے طوسیؒ سے فرمایا۔

يَا طُوسِيُّ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ. فَقَالَ لِيْ: تَحَوَّلْ إِلٰى أَخِيْكَ فَتَعَشَّ مَعَهُ. فَقُلْتُ: فَأَبِيْ مِنْ عَشَاءٍ.

یعنی ”معروف کرخیؒ نے فرمایا۔ اے طوسی! میں نے کہا۔ جی حضرت میں حاضر ہوں۔ فرمایا کہ تم اپنے اس دینی بھائی کے پاس چلے جاؤ اور رات کا کھانا کھالو۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے رات کے کھانے کی ضرورت نہیں“۔

شاید طوسیؒ نے اس اجنبی شخص کے ساتھ جا کر اس کے ہاں روزہ کھولنے اور کھانا کھانے سے اپنے سابقہ عہد کے پیش نظر انکار کیا کیونکہ طوسیؒ کو اجنبی شخص کے طعام کی حلّت کا یقین نہ تھا۔

طوسیؒ فرماتے ہیں۔ فَتَرَكَنِيْ ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ الْقَوْلَ فَقُلْتُ: مَابِيْ مِنْ عَشَاءٍ. ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ الثَّالِثَةَ فَقُلْتُ: مَابِيْ مِنْ عَشَاءٍ. فَسَكَتَ عَنِّيْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: تَقَدَّمْ إِلَيَّ. فَتَحَامَلْتُ وَمَابِيْ مِنْ تَحَامُلٍ مِّنْ شِدَّةِ الضُّعْفِ فَقَعَدْتُّ عَنْ يَّسَارِهٖ. فَأَخَذَ كَفِّيَ الْيُمْنٰى فَأَدْخَلَهَا إِلٰى كُمِّهِ الْأَيْسَرِ. فَأَخَذْتُ مِنْ كُمِّهٖ سَفَرْجَلَةً مَّعْضُوْضَةً. فَأَكَلْتُهَا فَوَجَدْتُّ طَعْمَ كُلِّ طَعَامٍ طَيِّبٍ وَاسْتَغْنَيْتُ بِهَا عَنِ الْمَاءِ.

قَالَ: وَأَزِيْدُكَ أَنِّيْ مَا أَكَلْتُ مُنْذُ ذٰلِكَ حُلْوًا وَّلَا غَيْرَهٗ إِلَّا أَصَبْتُ فِيْهِ طَعْمَ تِلْكَ السَّفَرْجَلَةِ. طبقات حنابلہ ج۱ ص ۳۱۹.

یعنی ” کچھ دیر معروف کرخیؒ نے مجھے اسی حال پر چھوڑا اور خاموش رہے۔ پھر دوبارہ مجھے وہی بات کہی۔ میں نے پھر کہا کہ مجھے کھانے کی ضرورت نہیں۔ تیسری مرتبہ پھر انہوں نے فرمایا کہ اس بھائی کے ساتھ جا کر کھانا کھالو۔ میں نے پھر عرض کیا کہ مجھے کھانے کی خواہش نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ کچھ دیر چپ رہے۔ پھر فرمایا کہ تم میری طرف آؤ۔ (طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں طویل فاقے اور شدید بھوک کی وجہ سے نڈھال تھا۔

اس لئے) میں بڑی مشقت اور تکلیف سے اٹھا کیونکہ شدت ضعف کی وجہ سے اٹھنے کی ہمت نہ تھی۔ میں جا کر ان کی بائیں جانب بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ کر اپنی قمیص کی بائیں آستین میں داخل کیا (اور فرمایا کہ اس میں کھانے کی جو چیز ہے نکال لو)۔ میں نے ان کی آستین میں سے بہی (ایک قسم کا پھل) نکالا جو دانتوں سے معمولی کاٹا ہوا تھا (یعنی کھانے کیلئے جس طرح پھل کو دانتوں سے کاٹا جاتا ہے اسی طرح کاٹا ہوا تھا) اور کھانے لگا۔ (فرماتے ہیں کہ) میں نے اس پھل میں دنیا کے ہر قسم کے لذیذ و پاکیزہ کھانوں کا ذائقہ پایا اور اس پھل کے کھانے کے بعد مجھے پانی پینے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

طوسیؒ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد میں جب بھی کوئی چیز کھاتا ہوں چاہے وہ میٹھی ہو یا اس کا کوئی اور ذائقہ ہو اس میں اس پھل (بہی) کا ذائقہ پاتا ہوں"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معروف کرخیؒ کی عظیم کرامت تھی۔ ان کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک بہی کا پھل ان کی آستین میں ظاہر فرمایا۔ چونکہ وہ دنیاوی پھل (بہی) نہ تھا بلکہ غیبی پھل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ عظیمہ کی برکت سے اس میں تمام لذیذ کھانوں اور پسندیدہ پھلوں کے ذائقے اور لذتیں جمع فرمادی تھیں۔ اور اسی وجہ سے طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ عمر بھر ہر کھانے میں اس مبارک غیبی پھل کا عجیب وغریب و پسندیدہ ذائقہ اور لذت پاتے رہے۔

بزرگوں کے ایسے ایمان افروز واقعات و احوال سن کر زمانۂ حال کے مسلمانوں کی زبوں حالی و بد اعمالی پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ آجکل مسلمانوں نے

جس چیز کو محبوب و مقصود بنایا ہے وہ موت کے بعد ان کیلئے باعثِ عذاب بنے گی۔

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرت دل تو آپ اک دن خراب ہونگے
ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچے گا وہم ہونگے جو کوئی دیکھے گا خواب ہونگے

حلال مال و رزق کے سلسلے میں بزرگوں کی احتیاط اور شدتِ تقویٰ کے لطیف و ایمان افروز واقعات بہت زیادہ ہیں۔

اس سلسلے میں مردوں کے دوش بدوش بہت سی مبارک و بزرگ عورتیں بھی تھیں، جن کے واقعات کتب سوانح میں مذکور ہیں۔ ایسے واقعات کے پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، عبادت و ذکر اللہ کا شوق دل میں ابھرتا ہے اور حسابِ آخرت کی فکرِ شدید پیدا ہوتی ہے۔

میمونہ بنت اقرع رحمہا اللہ تعالیٰ بڑی ولی اللہ اور متقی عورت تھیں۔ وہ بڑی عابدہ تھیں۔ امام احمدؒ کی خدمت میں گاہ بگاہ مسائل پوچھنے کیلئے جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے رزقِ حلال حاصل کرتی تھیں اور معمولی شبہ والے مال سے بھی اجتناب کرتی تھیں۔ غزل یعنی ہاتھ یا تکلے کے ذریعے اون کاتنا ان کا مشغلہ تھا اور اسی کو بیچ کر وہ رزق حاصل کرتی تھیں۔

اس سلسلے میں میمونہ بنت اقرع رحمہا اللہ تعالیٰ کی شدتِ احتیاط اور شدتِ تقویٰ کا ایک قصہ طبقاتِ حنابلہ (ج۱ ص۴۲۶) میں مذکور ہے جو کہ ذیل

میں درج ہے۔

راوی یعنی شیخ مروزیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام احمدؒ کے سامنے حلال رزق کے بارے میں میمونہؒ کے تقویٰ کا یہ قصہ ذکر کیا۔

إِنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَبِيعَ غَزْلَهَا فَقَالَتْ لِلْغَزَّالِ: إِذَا بِعْتَ هٰذَا الْغَزْلَ فَقُلْ لَّهٗ: إِنِّيْ رُبَمَا كُنْتُ صَائِمَةً. فَأَرْخِيْ يَدِيْ فِيْهِ. ثُمَّ ذَهَبَتْ وَ رَجَعَتْ. فَقَالَتْ: رُدَّ عَلَيَّ الْغَزْلَ. أَخَافُ أَنْ لَّا يُبَيِّنَ الْغَزَّالُ هٰذَا. فَتَرَحَّمَ أَبُوْعَبْدِ اللهِ عَلَيْهَا.

یعنی ’’میمونہ رحمہا اللہ نے ایک دن اپنی کاتی ہوئی اون کے تاگوں کے بیچنے کا ارادہ کیا اور اونی دھاگے بیچنے والے دوکاندار کے پاس اونی تاگے رکھتے ہوئے فرمایا کہ میرے تاگے بیچتے وقت گاہک کو یہ بات ضرور بتادینا کہ میں کبھی روزے سے ہوتی تھی، ضعف کی وجہ سے اون کاتتے ہوئے میرا ہاتھ گاہ بگاہ کچھ ڈھیلا ہوجاتا تھا (تو مبادا ان میں کوئی نقص رہ گیا ہو)۔ میمونہ رحمہا اللہ تعالیٰ دکاندار کو یہ کہہ کر چلی گئیں (لیکن اطمینان نہ ہوا) اور دوبارہ واپس آکر دکاندار سے کہا کہ میرے تاگے مجھے واپس دیدو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تاگے مذکورہ عیب بیان کئے بغیر بیچ نہ دیئے جائیں۔ (یہ واقعہ سن کر) امام احمدؒ نے میمونہ رحمہا اللہ تعالیٰ کیلئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں (کتنی محتاط اور متقی خاتون تھیں)‘‘۔

برادران کرام! کتنے مبارک ہیں وہ مسلمان جو طاعات میں، عبادات میں اور ذکر اللہ میں یہ زندگی کاٹیں، اور کتنے بدبخت وبدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیائے رنگ و بُو کو مقصود اصلی بناکر رزق ومال اور مکان کی فکر ومحبت میں زندگی گزار دیں۔ دنیا کی بہاریں بھی فانی ہیں اور اس کی مسرتیں بھی فانی ہیں۔

ایک شاعر نے دنیا کی حسین چیزوں اور دنیا کی مسرّتوں کی فنا کا ذکر کس خوبی سے کیا ہے۔

وہ رشک گُل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہوگئی ہزار افسوس
بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے افسوس
بقا نہیں تجھے اے موسمِ بہار افسوس
بتوں کی یاد میں توبہ بھی بھولے ہم دمِ مرگ
چلے جہان سے آخر گناہگار افسوس
کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ
تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

بشر بن الحارث رحمۃ اللہ تعالیٰ بڑے ولی اللہ اور مقرّبین میں سے تھے۔ ان کی ولایت اور عظمت مسلّم تھی۔ امام احمدؒ کے معاصر تھے۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ان کی تین بہنیں تھیں مُخّہ، مضغہ اور زُبدہ۔ تینوں بڑی عابدہ تھیں۔ تینوں کا تقویٰ، ورع اور زہد مشہور و معروف تھا۔

تینوں گاہ بگاہ بعض مسائل دریافت کرنے کیلئے امام احمدؒ کی خدمت میں آیا کرتی تھیں۔

عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ بشر بن حارثؒ کی ہمشیرہ مُخّہ میرے والد یعنی امام احمدؒ کے پاس آئیں اور یہ مسئلہ دریافت فرمایا کہ میں بذریعہ غزل اپنا نان و نفقہ حاصل کرتی ہوں (غزل اون یا روئی کاتنے کو کہتے

ہیں)۔ ہر جمعہ ایک دانق کمالیتی ہوں۔ میں یہ ایک دانق دوسرے جمعہ تک خرچ کرتی ہوں۔ پورے سات دن یعنی ہفتہ میں میرے گھر کے نان و نفقہ کا خرچ ایک دانق ہے۔

یاد رکھئے۔ ایک درہم چھ دانق کا ہوتا ہے یعنی دانق درہم کے چھٹے حصے کے برابر ایک سکّے کا نام ہے۔

حضرت مُخّہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب و ایمان افروز مسئلہ پوچھا۔

کہ ایک مرتبہ میں رات کی تاریکی میں روئی کاتنے میں اور دھاگے بنانے میں مشغول تھی۔ اچانک ابن طاہر اپنے رفقاء سمیت گلی میں گزرا۔ اس کی مشعل یعنی قندیل کی روشنی میرے گھر میں بھی پہنچی۔ اس کی روشنی کو میں نے غنیمت سمجھتے ہوئے اس سے چند لمحوں تک روئی کاتنے میں استفادہ کیا۔ اب مجھے یہ فکر دامن گیر ہے کہ ابن طاہر تو ایک ظالم شخص تھا، نیز وہ سرکاری قندیل تھی۔ ابن طاہر رات کو شہر کی حفاظت پر حکومت کی طرف سے مامور تھا۔ تو ابن طاہر کی قندیل کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے دھاگوں کی آمدنی کی حلّت مشتبہ نہ ہوئی ہو۔

اے امام احمد ! آپ فرمایئے کہ مجھے اپنے مال کے بارے میں اب کیا کرنا چاہئے؟

امام احمدؒ نے مُخّہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط کے مطابق جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ وہ سارے دھاگے خدا کی راہ میں دیدیں اور ان سے آپ خود تھوڑا سا استفادہ بھی نہ کریں۔

طبقات (ج ۱ ص ۴۲۷) میں یہ قصہ یوں مذکور ہے۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ أَحْمَدَ: جَاءَتْ مُخَّۃُ أُخْتُ بِشْرِ بْنِ الْحَارِثِ إِلٰی أَبِیْ فَقَالَتْ لَہٗ: إِنِّیْ امْرَأَۃٌ رَأْسُ مَالِیْ دَانِقَانِ. أَشْتَرِی الْقُطْنَ فَأَرْدِنُہٗ فَأَبِیْعُہٗ بِنِصْفِ دِرْھَمٍ فَأَتَقَوَّتُ بِدَانِقٍ مِّنَ الْجُمُعَۃِ إِلَی الْجُمُعَۃِ. فَمَرَّ ابْنُ طَاھِرٍ الطَّائِفُ وَمَعَہٗ مَشْعَلٌ. فَوَقَفَ یُکَلِّمُ أَصْحَابَ الْمَصَالِحِ فَاسْتَغْنَمْتُ ضَوْءَ الْمَشْعَلِ. فَغَزَلْتُ طَاقَاتٍ ثُمَّ غَابَ عَنِّی الْمَشْعَلُ. فَعَلِمْتُ أَنَّ لِلّٰہِ فِیَّ مُطَالَبَۃً. فَخَلِّصْنِیْ خَلَّصَكَ اللّٰہُ. فَقَالَ لَھَا: تُخْرِجِیْنَ الدَّانِقَیْنِ وَتَبْقَیْنَ بِلَا رَأْسِ مَالٍ حَتّٰی یُعَوِّضَكِ اللّٰہُ خَیْرًا.

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ: فَقُلْتُ لِأَبِیْ: یَا أَبَتِ! لَوْ قُلْتَ لَھَا لَوْ أَخْرَجْتِ الَّذِیْ أَدْرَكْتِ فِیْہِ الطَّاقَاتِ. فَقَالَ أَحْمَدُ: یَا بُنَیَّ! سُؤَالُھَا لَا یَحْتَمِلُ التَّأْوِیْلَ. ثُمَّ قَالَ: مَنْ ھٰذِہٖ؟ قُلْتُ: مُخَّۃُ أُخْتُ بِشْرِ بْنِ الْحَارِثِ. قَالَ: مِنْ ھٰھُنَا أُتِیْتُ.

یعنی ”امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ بشر بن الحارثؒ کی بہن حضرت مُخّہ رحمہا اللہ میرے والد (امام احمدؒ) کے پاس آئیں اور آ کر عرض کیا کہ میرا کُل سرمایہ (رأسِ مال) دو دانق ہیں جن سے میں روئی خریدتی ہوں اور اسے کات کر نصف درہم (یعنی تین دانق) کے بدلے میں بیچتی ہوں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک (یعنی پورا ہفتہ) اس ایک دانق کو اپنے کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں خرچ کرتی ہوں۔ (کیونکہ تین دانقوں میں سے دو دانق تو رأس المال تھے جن کے ذریعے وہ روئی خریدتی تھیں۔ اس لئے پیچھے ایک دانق بچتا تھا جسے وہ ہفتہ بھر خرچ کرتیں)۔

مُخّہؒ نے کہا کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں رات کو روئی کات رہی تھی تو ابن

طاہر جو بغداد کے محافظین کا نگرانِ اعلیٰ تھا (یعنی سکیورٹی کا نظام اس کے سپرد تھا) اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے گزرا۔ اس کے پاس قندیل تھی۔ وہ کچھ دیر کیلئے وہاں (یعنی میرے گھر کے قریب) کھڑا ہوگیا اور لوگوں سے مصالح و دیگر امور کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔

میں نے قندیل کو غنیمت جان کر اس کی روشنی میں کچھ روئی کات لی۔ پھر وہ لوگ چلے گئے اور قندیل غائب ہوگئی۔ بعد میں مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس روشنی میں روئی کاتنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضرور مجھ سے سوال کریں گے (کیونکہ یہ قندیل سرکاری تھی اور اس کی روشنی صرف سرکاری کاموں کیلئے تھی)۔

لہٰذا اے امام احمد ! آپ مجھے اس فکر اور پریشانی سے نجات دلائیں اور میرے لئے کوئی راستہ نکالیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی دنیوی و اُخروی پریشانیوں سے نجات نصیب فرمائیں۔

امام احمدؒ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تو وہ دو دانق (یعنی اپنا رأس المال) خدا کی راہ میں خرچ کردے۔ اس کے بعد تیرے پاس رأس المال نہیں رہیگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس کا کوئی بہتر معاوضہ دیدیں۔

راوی حضرت عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مُخّہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے جانے کے بعد میں نے اپنے والد (امام احمدؒ) سے عرض کیا کہ اے اباجان ! اگر آپ اس عورت کو صرف اتنی کاتی ہوئی روئی خدا کی راہ میں صدقہ کرنے کا حکم فرماتے جتنی اس نے اس روشنی میں کاتی تھی تو بہتر ہوتا (تاکہ اس کا رأس المال اس کے پاس باقی رہتا)۔

تو امام احمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹے ! اس عورت کا سوال ہی اتنی

شدید احتیاط اور شدید تقویٰ پر مبنی تھا کہ اس احتیاط و تقویٰ کے مناسب یہی جواب تھا جو میں نے دیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔

پھر امام احمدؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ عورت کون تھی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ عارف باللہ بشر بن الحارث کی بہن مُخّہ تھی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جبھی تو اسے یہ مقام ملا ہے کہ اتنی محتاط اور پرہیزگار رہے"۔

اس قسم کے اولیاء اللہ کے دلوں میں، نظر میں، افکار میں اور تصوّر میں صرف اللہ عزّ و جلّ ہی ہوتے ہیں۔ ان کے دل اللہ و رسول کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ ان کا حال وہ ہوتا ہے جو اِن رقّت انگیز اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

اے مرے مولا میری نظر میں تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو
سب ہوں باہر، دل کے اندر تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو
قلبِ تپاں میں دیدۂ تر میں تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو
میرے لئے تو بحر و برّ میں تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو
کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیشِ نگاہ
اِلّا اللہ، اِلّا اللہ، اِلّا اللہ، اِلّا اللہ

سوجھے مجھ کو دونوں جہاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سوجھے مجھ کو کون و مکاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سوجھے مجھ کو قالب و جاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو
سوجھے مجھ کو سود و زیاں میں تُو ہی تُو بس تُو ہی تُو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ

جاں سے بھی جو مجھ کو ہے پیارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو

جس کیلئے سب کچھ ہے گوارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو

دونوں جہاں میں میرا سہارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو

میری ناؤ کا کھیون ہارا تُو ہی تُو ہاں تُو ہی تُو

کچھ نہ سجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ ، اِلاّ اللّٰہ

بشر بن الحارثؒ اولیاء کبار میں سے تھے۔ تقویٰ، ورع، پرہیزگاری اور کثرتِ عبادت میں ان کا خاندان معروف ومشہور تھا۔

بشرؒ کی عظمت اور مقبولیت کا اور عوام وخواص کی ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور محدّث خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حرم شریف میں آبِ زمزم پیتے وقت اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں۔

ان میں سے ایک دعا یہ تھی کہ بشر بن حارثؒ کی قبر کے جوار میں مجھے قبر کیلئے جگہ مل جائے۔

بشرؒ کی مذکورہ صدر ہمشیرہ کے حیرت انگیز تقویٰ کا قصہ تو آپ نے ابھی سن لیا۔

جس طرح بشرؒ کا تقویٰ، عبادت اور فکرِ آخرت میں بلند مقام تھا اسی

طرح ان کی ہمشیرگان بھی نہایت عفیفات اور پرہیزگار تھیں بلکہ وہ اولیاء اللہ میں سے تھیں۔ ورع و تقویٰ کے بلند مرتبے پر فائز تھیں۔

قَالَ الْقَحْطَبِيُّ: كَانَتْ لِبِشْرٍ أُخْتٌ، صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ. وَقَالَ بِشْرٌ رحمہ اللہ تعالیٰ: تَعَلَّمْتُ الْوَرَعَ مِنْ أُخْتِي. فَإِنَّهَا كَانَتْ تَجْتَهِدُ أَنْ لَا تَأْكُلَ مَا لِلْمَخْلُوقِ فِيهِ صُنْعٌ. طبقات حنابلہ ج۱ ص۴۲۸.

یعنی " حضرت قحطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (یوں تو حضرت بشر بن حارثؒ کی تمام بہنیں بڑی عابدہ اور متّقیّہ تھیں لیکن) ان کی ایک بہن (خاص طور پر) ایسی تھیں جو صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں (یعنی ہمیشہ روزہ رکھتیں اور رات بھر عبادت کرتیں)۔ حضرت بشرؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ورع و تقویٰ اپنی بہن سے سیکھا ہے (یعنی وہ نہایت متّقیّہ تھیں)۔ میری بہن کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ کوئی ایسا رزق و طعام نہ کھائے جس میں مخلوق کا کوئی عمل دخل ہو (یعنی وہ مشتبہ مال سے شدت سے اجتناب کرتی تھیں)"۔

عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے والد امام احمدؒ کے پاس گھر میں بیٹھا تھا۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو یہ کون ہے؟ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ میں نے امام احمدؒ سے کسی مسئلے کے بارے میں ملنا ہے۔ میرے والد نے اندر آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ وہ اندر آئی اور پردے میں میرے والد کے پاس بیٹھ گئی۔

فَسَلَّمَتْ عَلَيْهِ وَقَالَتْ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِاللهِ! أَنَا امْرَأَةٌ أَغْزِلُ بِاللَّيْلِ فِي السِّرَاجِ. فَرُبَمَا طَفِئَ السِّرَاجُ فَأَغْزِلُ فِي الْقَمَرِ. فَعَلَيَّ أَنْ أُبَيِّنَ

غَزْلَ الْقَمَرِ مِنْ غَزْلِ السِّرَاجِ؟ فَقَالَ لَهَا أَحْمَدُ: إِنْ كَانَ عِنْدَكِ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ فَعَلَيْكِ أَنْ تُبَيِّنِي ذٰلِكَ.

یعنی " اس عورت نے میرے والد (امام احمدؒ) کی خدمت میں سلام پیش کیا اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے ابوعبداللہ ! (یہ امام احمدؒ کی کنیت ہے) میں رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اون کاتتی ہوں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ چراغ بجھ جاتا ہے اور میں چاند کی روشنی میں اون کات لیتی ہوں۔ (آپ مجھے بتائیں کہ) کیا مجھ پر یہ بات لازم ہے کہ میں دھاگے بیچتے وقت لوگوں کو چاند اور چراغ کی روشنی میں کاتی ہوئی اون کا فرق بتاؤں؟

امام احمدؒ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ چاند کی روشنی میں کاتی ہوئی اون اور چراغ کی روشنی میں کاتی ہوئی اون میں فرق ہوتا ہے تو پھر اس فرق کو بیان کرنا تجھ پر لازم ہے "۔

عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ سن کر وہ عورت چلی گئی۔ اس عورت کے اس ایمان افروز سوال اور شدید تقویٰ پر مبنی اس استفتاء سے میرے والد صاحب بڑے متاثر ہوئے۔ چنانچہ اس عورت کے چلے جانے کے بعد میرے والد (امام احمدؒ) نے فرمایا۔

مَا سَمِعْتُ قَطُّ إِنْسَانًا يَسْأَلُ عَنْ مِثْلِ هٰذَا. اِتَّبِعْ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ فَانْظُرْ أَيْنَ تَدْخُلُ؟ قَالَ: فَاتَّبَعْتُهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ دَخَلَتْ إِلٰى بَيْتِ بِشْرِ بْنِ الْحَارِثِ. وَإِذَا هِيَ أُخْتُهُ. قَالَ: فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ لَهُ. فَقَالَ أَحْمَدُ: مُحَالٌ أَنْ تَكُوْنَ مِثْلُ هٰذِهِ إِلَّا أُخْتَ بِشْرٍ. طبقات حنابلہ ج۱ ص ۴۲۸.

یعنی " امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی انسان کو اس عورت جیسا

شدید احتیاط و تقویٰ پر مبنی سوال کرتے ہوئے نہیں سنا۔ (عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ پھر امام احمدؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ) اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ یہ عورت کس گھر میں داخل ہوتی ہے (تاکہ پتہ چلے کہ اس عورت کا کس گھرانے سے تعلق ہے)۔

چنانچہ میں اس مقصد کے لئے اس عورت کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عورت حضرت بشر بن حارثؒ کے گھر میں داخل ہوئی اور مجھے پتہ چلا کہ یہ عورت بشر بن حارثؒ کی بہن ہے۔ میں نے واپس آ کر اپنے والد امام احمدؒ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ بشر بن حارثؒ کی بہن کے علاوہ کوئی اور عورت ایسی متّقیّہ اور پرہیزگار ہو"۔

اس قسم کا ایک اور ایمان افروز واقعہ خود امام احمدؒ کا بھی سن لیں۔ امام احمدؒ کی ایک باندی تھی جس کا نام حُسن تھا۔ اس سے امام احمدؒ کے کئی بچے پیدا ہوئے تھے۔ یہ حُسن نامی باندی امام احمدؒ کی شدّتِ احتیاط و شدّتِ تقویٰ کا درج ذیل روح پرور واقعہ ذکر کرتی ہے۔

قَالَتْ: خَبَزْتُ يَوْمًا لِمَوْلَايَ وَهُوَ وَجِعٌ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ. فَقَالَ: أَيْنَ خَبَزْتِيهِ؟ قُلْتُ: فِي بَيْتِ عَبْدِ اللهِ. قَالَ: ارْفَعِيهِ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ.

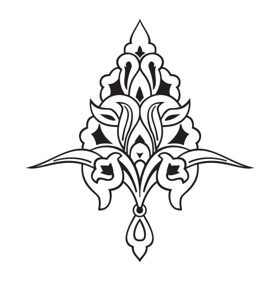
یعنی "امام احمدؒ کی باندی حُسن کہتی ہے کہ امام احمدؒ جن دنوں مرضِ وفات کی تکلیف میں بسترِ علالت پر تھے ان دنوں میں نے اُن کیلئے روٹی پکا کر ان کی خدمت میں پیش کی۔ امام احمدؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ یہ روٹی تم نے کہاں پکائی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ کے بیٹے) عبد اللہ کے گھر آ گ

جل رہی تھی۔ میں نے بھی وہیں جا کر روٹی پکالی۔

امام احمدؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس روٹی کو میرے سامنے سے اٹھالو۔ اور آپ نے وہ روٹی تناول نہ فرمائی (کیونکہ عبد اللہ خلیفہ کی طرف سے وظائف وغیرہ لیتے رہتے تھے۔ اس بنا پر امام احمدؒ نے ان کے گھر کی پکی ہوئی روٹی تناول نہ فرمائی) "۔

امام احمدؒ اس لئے عبد اللہ کے گھر کی ہر چیز سے اپنے آپ کو بچاتے تھے کہ ان کی شدید احتیاط اور شدید تقویٰ کے پیش نظر عبد اللہ کے گھر کی چیزوں کا حلال ہونا مشتبہ تھا۔ اشتباہ کی وجہ یہ تھی کہ وہ سرکاری خزانے سے تنخواہ یا وظائف حسبِ ضرورت قبول کرلیا کرتے تھے۔

دوستو ! ان ایمان افروز و سبق آموز واقعاتِ تقویٰ و احتیاط سے آپ اپنے اسلاف کرام کے اعلیٰ تقویٰ و شدید احتیاط کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ عزّ و جلّ ہمیں ان بزرگوں کے اتّباع کی توفیق دیں اور جنت الفردوس میں ان کی رفاقت نصیب فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۲۱)

دوستو اور بھائیو ! ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہمیشہ وہ اعمال کریں جو تقویٰ و احتیاط کے مقتضیٰ کے مطابق ہوں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں گزارے۔ زندگی حصولِ رضائے خدا تعالیٰ اور حصولِ مسرّاتِ آخرت کیلئے دی گئی ہے۔

مگر افسوس...... کہ ہم مسلمان اپنی زندگی دنیاوی امور میں صرف کر رہے ہیں۔ عبادت اور فکر آخرت سے غافل ہیں۔ یہ زندگی دنیاوی کاموں کیلئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے دی گئی ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی — نے برائے خوردنی است ایں زندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی — زندگی با بندگی تابندگی

(۱) ” انسان کی یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے دی گئی ہے نہ کہ کھانے پینے کیلئے۔

(۲) اللہ عزّوجلّ کی عبادت کے بغیر یہ زندگی باعثِ شرمندگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے یہ زندگی اُخروی روشنی ہے “۔

موت کا ہروقت تصور رہنا چاہئے۔ موت کو ذہن میں ہروقت مستحضر رکھنا

بڑی سعادت ہے۔موت کی یاد عبادت کی ترغیب دیتی ہے اور دنیا سے بیزار کرتی ہے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو نے منصب بھی کوئی پایا تو کیا گنجِ سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصرِ عالی شاں بھی بنوایا تو کیا دبدبہ بھی اپنا دِکھلایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قیصر و اسکندر و جم چل بسے زال اور سہراب و رُستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم چل بسے سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے
فیل تن کیا کیا پچھاڑے موت نے سرو قد قبروں میں گاڑے موت نے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

انسان کو اپنا مقدّر رزق ضرور ملتا ہے۔اس لئے تحصیلِ رزق کے سلسلے میں حرام وسائل سے اور حرام کاموں کے ارتکاب سے بچنا چاہئے۔اس سلسلے میں ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَنْ يَّمُوْتَ حَتّٰى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهٗ فَلَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ فَخُذُوْا مَا أَحَلَّ اللّٰهُ وَذَرُوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ.

یعنی " حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے لوگو ! تم میں سے کسی کی موت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک وہ اپنا رزق پورے کا پورا حاصل نہ کرلے۔ پس رزق کی تاخیر سے دل میں تنگی محسوس نہ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جائز طریقوں سے (رزق) طلب کرو۔ پس حلال چیزوں کو حاصل کرو اور حرام چیزوں کو چھوڑ دو "۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ہر شخص کو اپنا رزق ضرور پہنچتا ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ رزق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے رزق سے ایک ذرّہ بھی زیادہ حاصل نہیں کرسکتا۔

ایک اور حدیث ہے قَالَ ﷺ : لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَّفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ.
یعنی " ہر امت کیلئے کوئی چیز فتنہ ہوتی ہے اور میری امت کیلئے بڑا فتنہ مال ہے "۔

یہ حدیث مبارک ایک عظیم پیشین گوئی پر مشتمل ہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کے احوال پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ دیکھئے۔ اکثر مسلمان مال و دولت کی فکر میں ہیں۔ تحصیلِ مال و دولت کے سلسلے میں کسی دھوکے و گناہ سے دریغ نہیں کرتے۔ فتنۂ مال کے برے نتائج سے معاشرے کا سکون ختم ہو چکا ہے۔ مال کی وجہ سے گھر گھر جھگڑے ہیں۔ مال کی وجہ سے بھائی بھائی

سے، باپ بیٹے سے، ہمسایہ ہمسائے سے اور رشتہ دار ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔

ایک اور حدیث شریف ہے قَالَ علیہ السلام: إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: ابْنَ آدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى، وَأَسُدَّ فَقْرَكَ. وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَاكَ شُغْلًا، وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ.

یعنی "نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے ابن آدم! تو میری عبادت کیلئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ غنا سے بھر دونگا اور تیری غربت ختم کر دونگا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو دنیاوی دھندوں میں مصروف کر کے تیرے افلاس کو ختم نہیں کرونگا"۔

اس مبارک حدیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوئی کہ عبادت کو مقصود اصلی بنانے والے شخص کو خدا تعالیٰ قناعت اور استغناءِ قلبی کا نور عنایت کر کے اس پر فقر کے راستے بند فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ دل کی طرف پہنچنے والے فقر کے راستے یہ ہیں حرص، لالچ، طمع، طولِ اَمل یعنی لمبی امیدیں، حبِّ مال، حبِّ جاہ وغیرہ۔ اور استغناءِ قلبی سے یہ راستے بند ہو جاتے ہیں۔ پس استغناءِ قلبی ہی دراصل غنا ہے اور بڑی سعادت و نعمت ہے۔

تونگری بہ دل است نہ بہ مال

جو بندہ عبادت و تقویٰ کو اپنی زندگی کا مقصود بنالیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب سے رزق ملتا ہے اور غیبی اسباب سے اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرماتے ہیں۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ یعنی "جو انسان خدا کا ہو جاتا ہے

خدا اس کا ہو جاتا ہے ''۔

تُو خدا ہی کے ہوئے پر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

ایک فقیر و درویش کی حکایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں خلوت مع اللہ اور سیاحت کے ارادے سے جنگل کی طرف نکلا۔ تین دن مسلسل سفر کیا۔ چوتھے روز باطن میں یعنی دل میں ایک حرکت سی محسوس ہوئی اور ظاہری حرکت میں بھی زیادتی ہوئی۔

فرماتے ہیں کہ میں اسی کیفیت میں تھا کہ دو خوبصورت اور حسین چہرے والے بوڑھے درویش میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے السلام علیکم کہا۔ میں نے جواب دیا۔ پھر انہوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا میرا نام عبد اللہ ہے۔ انہوں نے کہا ہم سب عَبِید اللہ (خدا کے بندے) ہیں، اللہ تعالیٰ کے طالب ہیں۔

پھر ہم اکٹھے سفر پر روانہ ہوئے۔ جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو ایک درویش نے مجھے کہا کہ نماز پڑھایئے۔ میں نے انکار کیا اور کہا یہ بوجھ آپ اٹھائیں۔ انہوں نے نماز پڑھائی۔ فرض نماز اور نفلوں سے فارغ ہوئے۔

فَقَدَّمَ إِلَيْنَا طَبَقًا عَلَيْهِ قِطْفُ عِنَبٍ وَّتِيْنٌ لَّمْ أَرَ أَحْسَنَ مِنْهُ وَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ. فَأَكَلْنَا حَاجَتَنَا وَمَشَيْنَا.

یعنی ''انہوں نے ہمارے سامنے ایک رکابی رکھی جس میں انگور کے خوشے اور انجیر تھے۔ میں نے کھانے کی ان چیزوں سے زیادہ خوبصورت اور

اچھی چیزیں نہیں کھائی تھیں اور نہ دیکھی تھیں۔ انہوں نے فرمایا بسم اللہ پڑھیے اور کھائیے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت کھایا اور پھر وہاں سے چلے"۔

دوسرے دن پھر بوقت ظہر انہوں نے مجھے کہا کہ نماز پڑھائیے۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے خود نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد پھر اسی طرح کھانے کی اشیاء سامنے آگئیں اور ہم نے حسبِ ضرورت کھائیں۔

تیسرے دن میرے دل میں خیال آیا کہ ان کی بات مان کر نماز پڑھانی چاہئے۔ نماز پڑھانے سے کچھ قبل میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے درج ذیل دعا مانگی۔

فَرَفَعْتُ طَرَفِيْ إِلَى السَّمَاءِ وَقُلْتُ: اللّٰهُمَّ إِنَّكَ وَلِيُّ النِّعَمِ مِنْ غَيْرِ اسْتِحْقَاقٍ. وَأَنَا عَبْدُكَ ضَعِيْفٌ غَيْرُ مُسْتَحِقٍّ لِلنِّعَمِ. وَقَدْ رَجَعْتُ إِلَيْكَ فِيْمَا أَقْصِدُهُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

یعنی " میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔ اے اللہ ! آپ نعمتوں کے مالک ہیں۔ بغیر استحقاق کے بھی دیتے ہیں۔ میں آپ کا ضعیف بندہ ہوں اور نعمتوں کا مستحق نہیں ہوں۔ میں اپنے اس مقصد (حصولِ نعمت) میں آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں"۔

چنانچہ بوقتِ ظہر انہوں نے حسبِ سابق مجھے فرمایا۔ تُصَلِّيْ بِنَا؟ قُلْتُ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

یعنی " کیا تم نماز پڑھاؤ گے؟ میں نے کہا ان شاء اللہ پڑھاؤنگا"۔

میں نے نماز پڑھائی۔ بقیہ نماز سے فارغ ہو کر جب دائیں طرف دیکھا۔ فَرَأَيْتُ الطَّبَقَ بِعَيْنِهٖ وَعَلَيْهِ قِطْفُ عِنَبٍ وَّتِيْنٌ وَّرُمَّانٌ۔

یعنی " میں نے حسبِ سابق اسی طرح رکابی دیکھی جس میں انگور کے خوشے، انجیر اور انار تھے "۔

ہم نے وہ چیزیں کھائیں۔ میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ہم چالیس دن اکٹھے رہے۔ ہر روز باری باری ایک آدمی نماز پڑھانے کیلئے آگے ہوتا اور نماز کے بعد اسی طرح غیب سے کھانا آجاتا۔

چالیس دن کے بعد ان درویشوں نے کہا۔

اَلْخَلِيْفَةُ عَلَيْكَ اللهُ. فَقُلْتُ: وَعَلَيْكُمَا. وَانْصَرَفَ كُلٌّ مِّنَّا عَنْ صَاحِبِهٖ وَلَمْ يَسْأَلْ أَحَدٌ مِّنَّا صَاحِبَهٗ عَنْ شَيْءٍ. ثُمَّ بَقِيْتُ عَلٰى ذٰلِكَ الْحَالِ تَتَجَدَّدُ نِعْمَةُ اللهِ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا. وَكُلُّ وَقْتٍ أَشْكُرُ اللهَ فِيْهِ تَزِيْدُ نِعْمَهٗ عَلَيَّ وَإِحْسَانُهٗ.

یعنی " انہوں نے مجھے کہا کہ بس تم اللہ تعالیٰ کے سپرد اور میں نے بھی کہا کہ آپ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد۔ پھر ہم جدا ہو گئے لیکن کسی نے ایک دوسرے کے حال و مقصد کے متعلق سوال نہ کیا۔ میں تنہا جنگل میں اسی حالت پر رہا۔ ہر روز اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتیں نمودار ہوتی رہیں (اور میں بقدرِ ضرورت استعمال کرتا رہا) اور جس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا اس وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات مزید نازل ہوتے "۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تُو خدا ہی کے ہوئے پر تو چمن تیرا ہے
یہ چمن چیز ہے کیا سارا وطن تیرا ہے

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں انہیں اسی طرح غیب سے کھانے پینے کی چیزیں ملتی ہیں۔ پوشیدہ ذرائع سے اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرماتے ہیں۔ آجکل مسلمان برے اعمال میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال نہیں کرتے۔ عبادت اللہ، ذکر اللہ اور فکرِ آخرت کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمان آج اللہ عزّ وجلّ کی خصوصی نصرتوں سے محروم ہیں۔

جو درس وسبق شاہِ بطحاء نے دیا تھا آج وہ سبق ہم بھول گئے ہیں۔ افسوس صد افسوس...... اخوّت والفت باقی نہیں رہی۔ ہمدردی وغم خواری عنقاء پرندے کی طرح معدوم ہوگئی۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وہ رازِ ظفرمندی تعلیم اخوّت کی
تاکید مسلمان سے بھائی سے محبت کی
وہ طرزِ وفاداری وہ شیوۂ ہمدردی
وہ شانِ مسلمانی وہ آنِ جواں مردی
ہاں تُو نے بُھلا دی وہ تعلیم بھلا دی ہے
حق ہے جو تجھے تیرے مالک نے سزا دی ہے
اس قعرِ مذلّت سے گر تجھ کو نکلنا ہے
گر تجھ کو سنورنا ہے گر تجھ کو سنبھلنا ہے
خواہش ہے اگر تیری پھر پہلی سی عزت ہو
وہ جاہ وہ حشمت ہو وہ رعب وہ سطوت ہو

پہلے کی طرح نصرت آ آ کے قدم چومے
ہر ایک زمیں والا تیرا ہی علم چومے
اس درسِ اخوت کا آ اور اعادہ کر
ہاں جوشِ محبت کو پہلے سے زیادہ کر

مشہور عارفِ زمانہ شیخ ابو عبد اللہ دینوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے پاس ایک خستہ حال درویش آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے دل میں ارادہ کیا کہ اپنے جوتے کسی کے پاس رہن (گروی) رکھ دوں تا کہ کھانے کی کوئی چیز لے کر اس درویش کو کھلاؤں یا اسے خیرات دوں۔ مگر نفس نے ایسا کرنے سے روکا اور کہا۔

كَيْفَ تَتِمُّ لَكَ طَهَارَةٌ مَّعَ الْحَفَاءِ. فَقُلْتُ: أَرْهِنُ رِكْوَتِيْ فَمَنَعَتْنِيْ أَيْضًا وَّقَالَتْ: فَبِأَيِّ شَيْءٍ تَتَوَضَّأُ.

یعنی "ننگے پاؤں رہ کر پاؤں کی صفائی کس طرح برقرار رکھ سکو گے۔ پھر خیال آیا کہ یہ لوٹا (کسی کے پاس) گروی رکھ دوں۔ پس نفس نے اس سے بھی روکا اور کہا کہ پھر وضو کس چیز کے ساتھ کرو گے"۔

پھر ارادہ ہوا کہ یہ دست مال (مندیل یا چادر) گروی رکھ دوں۔ نفس نے اس سے بھی روکا اور کہا۔

تَبْقٰى مَكْشُوْفَ الرَّأْسِ. فَقُلْتُ: وَمَا فِيْ ذٰلِكَ؟ فَجَعَلَتْ أُرَاجِعُهَا فِيْ ذٰلِكَ.

یعنی "(اگر تم نے مندیل اور کپڑا رہن رکھ دیا تو) پھر ننگے سر رہ جاؤ

گے۔ میں نے دل میں کہا کہ ننگے سر رہ جانے میں کیا حرج ہے۔ میں نفس کے اس تردّد اور کشمکش میں متفکر تھا"۔

اتنے میں وہ درویش اٹھا، کمر باندھی اور عصا اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ اے خسیس ہمت والے ! اپنا دست مال (مندیل اور کپڑا) اپنے پاس رکھ۔ میں جا رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ درویش ولی اللہ اور صاحبِ کشف و الہام تھے۔ انہیں شیخ دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلبی ارادوں اور تردّد کا کشف ہوگیا۔

قَالَ: فَعَقَدْتُّ مَعَ اللّٰہِ أَنْ لَّآ آکُلَ الْخُبْزَ حَتّٰی أَلْقَاہُ. فَقِیْلَ: إِنَّہٗ أَقَامَ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَلَاثِیْنَ سَنَةً لَّمْ یَأْکُلِ الْخُبْزَ. رَوْضُ الرَّیَاحِیْن للشیخ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۱۵.

یعنی " دینوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بطورِ افسوس یہ قسم اٹھالی کہ اس وقت تک روٹی نہیں کھاؤ نگا جب تک اس درویش بزرگ کی (دوبارہ) ملاقات نصیب نہ ہو جائے (مگر وہ درویش پھر کہاں مل سکتے تھے)۔ چنانچہ دینوریؒ نے (اس درویش سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے) تیس سال تک روٹی نہ کھائی (ترکاریوں اور درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے رہے)"۔

ایسے بزرگ بھی دنیا میں گزرے ہیں جن کی باطنی خوراک اور روحانی غذا صرف ذکر اللہ ہوتی تھی۔ ذکر اللہ ہی ان کی قوت و طاقت کا مدار ہوتا تھا۔ آج ہم ذکر اللہ سے کتنے غافل ہیں۔ ہم ظاہر میں کچھ اور ہیں اور باطن میں کچھ اور۔

دو رَنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

مشہور بزرگ ابوتراب نخشبیؒ فرماتے ہیں۔

نخشبی بندگی نکو چیز است ۔۔۔ نافہ را خوں شمر چو بُو نبود
ہرکہ در بندگی نکو باشد ۔۔۔ جز نکوئی نصیب او نبود

(۱) "اے نخشبی ! اللہ تعالیٰ کی بندگی ہی اچھی چیز ہے۔خوشبو کے بغیر نافۂ مشک خون ہی ہے۔

(۲) جو شخص بندگی میں اچھے طریقے پر گامزن ہو۔بس نیکی وفلاحِ دارین ہی اس کے حصے میں آئیگی "۔

عبادت ،تقویٰ اور ذکراللہ سے غفلت ہی دنیاوی واخروی مصائب کا سبب اور تنگیٔ رزق کی موجب ہے۔

افسوس کہ مسلمان ذکر اللہ وعبادت اللہ سے تو غافل ہیں ہی اپنی حقیقت اور اپنی بلند شان سے بھی غافل ہیں۔مغربی تہذیب واقدار پر ان کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔بے دینی اور الحاد کا رنگ ان کے کردار ،اعمال اور عقائد پر غالب ہے۔ نہ عاقبت کا ڈر ہے اور نہ عزتِ ایمان پر نظر ہے۔

ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

تقویٰ اور شدتِ احتیاط کے مطابق زندگی گزارنا بڑی سعادت ہے۔اللہ

عزّوجلّ ایسے صالحین کی غیبی ذرائع و اسباب سے نصرت فرماتے ہیں اور غیبی اسباب سے انہیں رزق پہنچاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بزرگوں کے چند ایمان افروز واقعات پیش خدمت ہیں۔

بعض صالحین سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ساحلِ سمندر پر ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جارہے تھے۔ چلتے چلتے ہم ایک جنگل میں پہنچے جہاں کافی خشک لکڑیاں تھیں۔

ہم نے ابراہیم بن ادہمؒ سے کہا کہ آج رات یہیں ٹھہریں گے کیونکہ سردی ہے، یہ لکڑیاں جلائیں گے۔ ابراہیمؒ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ ہم نے وہاں پڑاؤ کیا۔ ہمارے پاس روٹیاں تھیں۔ وہ ہم نے کھائیں اور لکڑیاں جلائیں۔

ہم میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی اچھی تیز آگ اور اچھے دہکتے کوئلے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہمارے پاس گوشت ہوتا اور اسے اس آگ پر پکاتے۔ ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گوشت کھلانے پر قادر ہیں۔

فَبَيْنَمَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذَا بِأَسَدٍ يَّطْرِدُ إِيَّلًا. فَلَمَّا قَرُبَ مِنَّا وَقَعَ فَانْدَقَّ عُنُقُهٗ. فَقَامَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ أَدْهَمَ وَقَالَ: اِذْبَحُوْهُ فَقَدْ أَطْعَمَكُمُ اللّٰهُ. فَشَوَيْنَا اللَّحْمَ. وَالْأَسَدُ وَاقِفٌ يَّنْظُرُ إِلَيْنَا.

یعنی ”اتنے میں ہم نے ایک شیر کو بارہ سنگھا بھگاتے ہوئے دیکھا۔ بارہ سنگھا ہمارے قریب آکر گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ ابراہیمؒ اٹھے اور فرمایا۔ اسے ذبح کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گوشت کھلا دیا ہے۔ ہم نے اس گوشت کو بھونا (اور کھایا) اور شیر کھڑا ہمیں دیکھتا رہا“۔

حضرت ابراہیم خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے

ہیں کہ ایک روز مجھے وضوء کی ضرورت پیش آئی۔

فَإِذَا أَنَا بِكُوْزٍ مِّنْ جَوْهَرٍ وَّسِوَاكٍ مِّنْ فِضَّةٍ أَلْيَنُ مِنَ الْخَزِّ فَاسْتَكْتُ وَتَوَضَّأْتُ وَتَرَكْتُهُمَا وَانْصَرَفْتُ.

یعنی " اچانک مجھے موتیوں کا ایک لوٹا ملا اور اس کے پاس چاندی کی ایک مسواک بھی ملی۔ وہ مسواک ریشم سے زیادہ نرم و ملایم تھی۔ میں نے مسواک استعمال کی اور وضوء کیا۔ پھر میں ان دونوں چیزوں کو وہیں چھوڑ کر چل دیا "۔

اللہ تعالیٰ صالحین و اہل اللہ کی غیب سے نصرت فرماتے ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ عزّ و جلّ کی نصرت کے معاملات نہایت عجیب و ایمان افروز ہوتے ہیں۔ اس حکایت میں آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے غیبی اسباب سے جنگل میں ابراہیم خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو پانی بھی مہیا فرمایا اور مسواک بھی۔

غیبی رزق اور غیبی مال و دولت کے بارے میں ابراہیم خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ایمان افروز واقعہ سن لیں۔ ابراہیم خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ میں جنگل میں رہ رہا تھا۔ مدت مدید تک میں نے نہ کسی انسان کو دیکھا نہ کسی پرندے کو اور نہ کسی اور ذی روح چیز کو۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگل میں پانی نہ تھا یا کم تھا، اسی وجہ سے اس میں کوئی ذی روح یعنی پرندہ وغیرہ موجود نہ تھا۔

ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر اچانک ایک شخص کسی نامعلوم جگہ سے نمودار ہوا اور اس نے کہا۔

قُلْ لِّهٰذِهِ الشَّجَرَةِ: تَحْمِلُ دَنَانِيْرَ. فَقُلْتُ: اِحْمِلِيْ دَنَانِيْرَ. فَلَمْ تَحْمِلْ. ثُمَّ قَالَ لَهَا: اِحْمِلِيْ. وَإِذَا بِشَمَارِيْخِ الشَّجَرَةِ دَنَانِيْرُ مُعَلَّقَةٌ.

فَاشْتَغَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا ثُمَّ الْتَفَتُّ فَلَمْ أَرَ الشَّخْصَ. وَذَهَبَتِ الدَّنَانِيْرُ مِنَ الشَّجَرَةِ.

یعنی ”اس شخص نے مجھے کہا کہ اس درخت سے کہئے کہ (بجائے پھل کے) اشرفیوں کو ظاہر کرے (یعنی اشرفیوں والے خوشے ظاہر کرے)۔ میں نے درخت کو یہ حکم دیا مگر اشرفیاں ظاہر نہ ہوئیں۔

پھر اس شخص نے خود ہی درخت سے کہا کہ اشرفیاں ظاہر کر۔ تو اچانک درخت سے اشرفیوں کے خوشے لٹکنے لگے۔ میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ پھر میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو وہ شخص غائب ہو چکا تھا اور (پھر درخت کی طرف دیکھا تو) درخت سے اشرفیاں بھی ختم ہو گئیں“۔

حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور بزرگ و صاحبِ کرامات ولی اللہ گزرے ہیں۔ ان کی بیوی بڑی سخت طبیعت والی تھی اور ان سے بڑی بد کلامی سے پیش آیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے حبیبؒ سے کہا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے، لہٰذا تم جاؤ اور کوئی مزدوری کرو۔

حبیب عجمیؒ گھر سے نکل کر قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور عشاء تک وہاں نوافل و ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ رات کو پریشان ہو کر واپس گھر آئے کیونکہ بیوی کی بیہودہ گوئی کا خطرہ تھا۔ بیوی نے پوچھا کہ مزدوری کی کتنی اجرت لے کر آئے ہو، مجھے دو۔

حبیبؒ نے فرمایا إِنَّ الَّذِي اسْتَأْجَرَنِي كَرِيْمٌ اسْتَحْيَيْتُ مِنَ اسْتِعْجَالِهِ.

یعنی ”جس نے مجھ سے اجرت پر کام کروایا ہے وہ بڑا کریم ہے۔ مجھے

اس سے جلدی اجرت مانگنے سے حیا آئی "۔

کئی دن تک یہی سلسلہ رہا۔ حبیبؒ گھر سے نکل کر عشاء تک قبرستان میں عبادت کرتے اور پھر رات کو واپس گھر آجاتے اور بیوی اور ان کے درمیان وہی سابقہ گفتگو ہوتی۔

ایک روز بیوی نے کہا کہ جس کی مزدوری کرتے ہو اس سے اجرت لو اور پھر اسے چھوڑ کر کسی اور کی مزدوری کرو۔ حبیب عجمیؒ نے وعدہ فرمایا کہ آج ضرور اجرت کا مطالبہ کرونگا۔

شام کو پھر خوفزدہ ہو کر لوٹے۔ جب گھر آئے تو دیکھا کہ چولہا جل رہا ہے اور کھانا پکایا جارہا ہے۔ بیوی بہت خوش تھی۔ حبیب عجمیؒ کے گھر پہنچتے ہی بیوی نے کہا۔

قَدْ بَعَثَ لَنَا الَّذِی اسْتَأْجَرَكَ مَا يَبْعَثُ الْكِرَامُ وَقَالَ رَسُوْلُهٗ لِیْ: قُوْلِیْ لِحَبِيْبٍ: يَجِدُّ فِی الْعَمَلِ. وَلْيَعْلَمْ إِنَّا لَمْ نُؤَخِّرْ أُجْرَتَهٗ بُخْلًا وَّلَا عَدَمًا. فَيَقِرُّ عَيْنًا وَّيَطِيْبُ نَفْسًا.

یعنی " جس کا تم کام کر رہے ہو اس نے کریموں (سخیوں) کی طرح آج بہت زیادہ مال بھیجا ہے۔ اور اس کے قاصد نے یہ پیغام دیا کہ حبیب سے کہنا کہ ہمارا کام اسی طرح کوشش سے کیا کرے۔ اور ہم نے اجرت دینے میں تاخیر بخل یا مفلسی کی وجہ سے نہیں کی (بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے دیر ہوئی)۔ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل خوش ہو۔ (یہ قاصد کوئی فرشتہ ہوگا جو خدائے کریم کی طرف سے آیا تھا)"۔

ثُمَّ أَرَتْهُ أَكْيَاسًا مَّمْلُوَّةً دَنَانِيْرُ.

یعنی " پھر بیوی نے وہ تھیلے دکھائے جو اشرفیوں سے بھرے ہوئے بھیجے گئے تھے "۔

حبیبؒ زاروقطار رونے لگے اور بیوی سے فرمایا۔

هٰذِهِ الْأُجْرَةُ مِنْ كَرِيْمٍ بِيَدِهٖ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ. فَلَمَّا سَمِعَتْ ذٰلِكَ تَابَتْ إِلَى اللّٰهِ. وَأَقْسَمَتْ أَنَّهَا لَا تَعُوْدُ إِلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ.

یعنی " یہ اجرت اس کریم (خدا تعالیٰ) کی طرف سے بھیجی گئی ہے جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں (اور پھر سارا قصہ بیوی کو بتادیا)۔ بیوی نے جب یہ سنا تو اس نے (اپنی بدخلقی سے) توبہ کی اور قسم اٹھائی کہ آئندہ ایسی بدخلقی نہیں کرونگی "۔

سعید بن یحییٰ بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مشہور ولی اللہ وزاہد حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسعتِ رزق کی دعا فرمادیں تو امید ہے کہ رزق فراخ ہوجائیگا۔ انہوں نے فرمایا۔

رَبِّيْ أَعْلَمُ بِمَصَالِحِ عِبَادِهٖ. ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً مِّنَ الْأَرْضِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْعَلَهَا ذَهَبًا فَعَلْتَ. فَإِذَا هِيَ وَاللّٰهِ فِيْ يَدِهٖ ذَهَبٌ. فَأَلْقَاهَا إِلَيَّ وَقَالَ: انْفِقْهَا أَنْتَ. فَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا إِلَّا لِلْآخِرَةِ.

یعنی " میرا رب اپنے بندوں کے مصالح ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ پھر زمین سے کنکریاں اٹھا کر کہا۔ اے اللہ ! آپ چاہیں تو ان کنکریوں کو سونا بنا سکتے ہیں۔ (سعید بن یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ) خدا کی قسم۔ بس یہ کہنا ہی تھا کہ فوراً وہ کنکریاں ان کے ہاتھ میں سونا بن گئیں۔ پھر انہوں نے وہ کنکریاں میری طرف

پھینک دیں اور فرمایا انہیں خرچ کرو (مگر بات یہ ہے کہ) دنیا میں کوئی خیر نہیں مگر وہ جس سے آخرت کا فائدہ ہو"۔

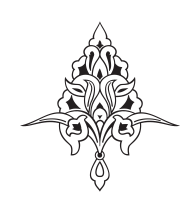
ابوزید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس میرے استاد ابوعلی سندی رحمۃ اللہ تعالیٰ تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں تھیلا تھا۔

فَصَبَّهٗ فَإِذَا هُوَ جَوَاهِرُ. فَقُلْتُ لَهٗ: مِنْ أَيْنَ لَكَ هٰذَا؟ قَالَ: أَتَيْتُ وَادِيًا هُنَاكَ فَإِذَا هُوَ يُضِيْءُ كَالسِّرَاجِ. فَحَمَلْتُ هٰذَا مِنْهُ.

یعنی "انہوں نے وہ تھیلا کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے دیکھا تو اس میں موتی تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ آپ کو کہاں سے ملے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک وادی میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک (اس کی ساری زمین ہیرے جواہرات میں تبدیل ہوگئی اور) وہ وادی چراغ کی طرح چمکنے لگی۔ میں نے ان میں سے یہ تھوڑے سے (موتی اور جواہرات) اٹھالئے"۔

برادران کرام! یہ ابوعلی سندیؒ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس وادی کے سارے پتھر ان کیلئے گوہر (موتی) بنادیئے۔ کرامت ہمیشہ نہیں ہوتی اور نہ ہی ولی کے اختیار میں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حرص، لالچ اور حبِّ دنیا کی تباہ کاریوں سے بچائیں اور اخلاص، حبّ اللہ، حبِّ رسول، حبِّ آخرت، شدید احتیاط، شدید تقویٰ اور دیگر خصال حمیدہ وصفات سعیدہ سے ہمیں ہمکنار فرمائیں۔ آمین۔





فصل (۲۲)

برادران اسلام ! ہمارے بزرگوں اور کبار علماء کی زندگیاں نہایت بلند و پاکیزہ ہوتی تھیں۔ ان کی زندگیاں عبادت کیلئے، ذکر اللہ کیلئے اور فکر آخرت کیلئے وقف ہوتی تھیں۔ مال و دولت اور دنیاوی رزق کی بجائے ان کی توجہ اُخروی رزق اور اُخروی راحتوں کی طرف ہوتی تھی۔

وہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کے مصائب، تکالیف، فاقے اور غربت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ تاکہ ان فاقوں اور تکالیف کے بدلے میں انہیں اُخروی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہو جائیں۔

اس لئے وہ شدتِ تقویٰ اور شدتِ احتیاط کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے ہر نشست و برخاست میں، جملہ حرکات و سکنات میں اور تمام افعال و اقوال میں شدید تقویٰ کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

ہمارے اسلاف کرام شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط کی وجہ سے معمولی طور پر اشتباہ والے رزق سے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھتے تھے۔ بلکہ مشتبہ مال کے علاوہ ہر اس مال و رزق سے بھی بچتے تھے جو مروّت و ہمدردی کے تقاضے کے خلاف ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کی پناہ ان کو مطلوب تھی۔ اسی میں انہیں سکون و

اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

غیر از درِ رحمتش نداریم پناہ بیچارہ و عاجزیم باحال تباہ
نَے طاقتِ زہد است نہ یارائے گناہ لا حولَ و لا قوۃ اِلاّ باللہ

ان دو شعروں کا اردو منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے۔

کب ہے درِ رحمت کے سوا جائے پناہ
بیچارہ و عاجز ہوں مَیں، حالت ہے تباہ
تقویٰ پہ ہے قابو نہ گناہ کی طاقت
لا حولَ و لا قوۃ اِلاّ باللہ

قاضی محمد بن عبد الباقی بن محمد بصری بزاز رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم، مشہور محدث اور صاحبِ مکارمِ اخلاق تھے، جامعِ فضائلِ علمیہ وعملیّہ تھے۔ سنہ ۴۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی عمر کا آخری زمانہ بڑا آسودہ تھا۔ ان کے پاس مال و دولت کی بڑی فراوانی تھی۔ حالانکہ ابتداء میں وہ بڑے غریب اور فقیر تھے۔

دولت کی فراوانی اور بہتات کا سبب ان کا شدید احتیاط اور شدید تقویٰ پر متفرّع ایک عجیب واقعہ تھا۔ وہ خود اس ایمان افروز قصے کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں مکہ مکرمہ میں مجاور و مقیم تھا۔ ایک مرتبہ میں شدید فاقے اور بھوک میں مبتلا ہوا، کئی روز بھوکا رہا۔ میرا ضعف حد سے بڑھ گیا۔ کھانے کیلئے کچھ نہیں

مل رہا تھا اور نہ میرے پاس کوئی رقم تھی کہ اس سے کھانے کی کوئی چیز خرید سکوں۔

اسی اثناء میں مجھے ایک ریشمی تھیلا ملا جو ترکی ٹوپی کے پُھندنے جیسے ریشمی دھاگوں سے باندھا ہوا تھا۔ میں نے گھر میں اسے کھولا تو اس میں سے ایک قیمتی ہار ملا۔ وہ اتنا حسین اور قیمتی تھا کہ میں نے زندگی بھر موتیوں کا اتنا حسین و اعلیٰ ہار نہیں دیکھا تھا۔

میں گھر سے نکلا تو دیکھا کہ ایک پریشان حال شیخ کپڑے میں پانچ سو دینار (یہ اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی) باندھے ہوئے یہ منادی کر رہا تھا کہ یہ پانچ سو دینار میں اس شخص کو انعام وشکریے کے طور پر دوں گا جو مجھے موتیوں کا گمشدہ تھیلا واپس کر دے۔

میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ میں محتاج ہوں اور شدید فاقے کی وجہ سے نڈھال ہوں۔ وہ تھیلا شاید اس شخص کا ہے۔ میں اس شخص سے یہ حلال پانچ سو دینار لے کر ان سے اپنی ضرورت پوری کر سکوں گا۔ لہٰذا موتیوں کا وہ تھیلا اسے واپس کر دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ تھیلا میں نے اپنے پاس مالک کو واپس کرنے کیلئے بطور امانت محفوظ رکھا تھا۔

شیخ ابو بکر بزازؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پریشان حال شیخ سے کہا۔ میرے ساتھ آیئے۔ میں اسے اپنے گھر لے آیا اور اس تھیلے کی اور اس کے اندر موتیوں کے ہار کی علامات تفصیلاً پوچھیں۔ اس نے سب علامتیں ٹھیک ٹھیک بیان کر دیں۔ مجھے تسلی ہوئی کہ وہ تھیلا اس شیخ کا ہی ہے۔

چنانچہ میں نے وہ تھیلا اس کے سپرد کر دیا۔ وہ بڑا خوش ہوا اور حسبِ اعلان اس نے مجھے پانچ سو دینار دینا چاہے۔ میرے لئے وہ پانچ صد دینار از

روئے شرع بالکل حلال تھے لیکن میرے خیال میں ان کا لینا مروّت، دیانت، شدتِ تقویٰ اور کامل احتیاط کے خلاف تھا۔

اس لئے میں نے اس شیخ سے کچھ لینے سے انکار کر دیا، حالانکہ میں کئی دنوں سے بھوک اور فاقوں میں مبتلا تھا۔ اس شیخ نے بڑا اصرار کیا کہ میں اس کے یہ پانچ سو دینار قبول کر لوں مگر میں نے قبول کرنے سے شدید انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ شیخ چلا گیا اور یہ قصہ ختم ہوا۔

شیخ قاضی ابوبکر بزاز انصاریؒ فرماتے ہیں کہ لِلّٰہ و لِرضاءِ اللہ اور اخلاصِ کامل سے ایک مسلمان کی دلجوئی اور اسے اپنی قیمتی گمشدہ چیز صحیح و سالم واپس کرنے اور شدتِ تقویٰ و شدتِ احتیاط و مروّتِ ایمانی کے جذبے کے مطابق عمل کرنے کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیبی اسباب کے ذریعے مجھے اس بے بہا قیمتی ہار کا مالک بنا دیا۔

تقویٰ و احتیاطِ شدید کے ثمرات و نتائج نہایت بلند ہوتے ہیں۔ قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ شدتِ تقویٰ کے مقتضیٰ کے مطابق میں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر پانچ سو دینار قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ عزّ و جلّ نے اس کا صلہ اخروی ثواب کے علاوہ دنیا میں یہ دیا کہ ایک لاکھ دینار والا وہ ہار اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی ذرائع سے میری ملکیت میں پہنچا دیا۔

وہ غیبی اسباب و ذرائع کس طرح رونما ہوئے اس کا بیان خود قاضی ابوبکر بزازؒ کی زبانی سنئے۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں سابقہ واقعہ کے کچھ مدت بعد مکہ مکرمہ سے بحری جہاز کے ذریعے ایک سفر پر روانہ ہوا۔ اتفاق سے طوفان آیا اور جہاز ٹوٹ گیا۔

لوگ غرق ہو گئے۔ ان کے اموال تباہ ہو گئے۔

میں جہاز کے ٹوٹے ہوئے ایک تختے پر سوار ہوا۔ وہ تختہ سمندر کی موجوں کے ذریعے ایک جزیرے کے ساحل پر پہنچا۔ میں پریشان حال اور نہایت غمگین تھا۔ جزیرے کی ایک مسجد میں بیٹھ گیا۔

میں نے بطور شکرانہ ذکر اللہ اور قرآن کی تلاوت شروع کی۔ جزیرے والوں کو جب پتہ چلا کہ میں اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہوں تو ان لوگوں نے مجھ سے قرآن پڑھانے اور سکھانے کی درخواست کی۔ میں نے ان کی درخواست غنیمت سمجھتے ہوئے قبول کی اور انہیں قرآن سکھانا اور پڑھانا شروع کر دیا۔ جزیرے والوں کی طرف سے بطور ہمدردی مجھے بڑا مال حاصل ہوا۔

پھر انہیں پتہ چلا کہ میں خط لکھنا بھی جانتا ہوں تو انہوں نے اپنے چھوٹے بچوں اور جوانوں کو خط سیکھنے کیلئے میرے پاس بھیجا۔ میں نے انہیں خط اور لکھائی سکھانی شروع کی۔ اس سے مجھے مزید مالی منفعت حاصل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جزیرے کے باشندے جو کہ مسلمان تھے ان پڑھ تھے۔

قاضی ابوبکر بزازؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح اہل جزیرہ کی مجھ سے عقیدت اور محبت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے ایک یتیم لڑکی سے شادی کرنے کی درخواست کی۔

فَقَالُوْا لِیْ بَعْدَ ذٰلِكَ: عِنْدَنَا صَبِیَّةٌ یَّتِیْمَةٌ وَّلَهَا شَیْءٌ مِّنَ الدُّنْیَا. نُرِیْدُ أَنْ تَتَزَوَّجَ بِهَا. فَامْتَنَعْتُ. فَقَالُوْا: لَابُدَّ. وَأَلْزَمُوْنِیْ. فَأَجَبْتُهُمْ إِلٰی ذٰلِكَ.

یعنی ” جزیرے والوں نے کچھ دنوں کے بعد مجھے کہا کہ ہمارے ہاں

ایک یتیم لڑکی ہے جس کے پاس دنیاوی مال ومتاع بھی ہے (جو اسے ورثے میں ملا ہے)۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرلیں۔ میں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جزیرے والوں نے کہا کہ ہر صورت میں آپ کو اس لڑکی سے نکاح کرنا ہوگا اور شدید اصرار کرنے لگے۔ چنانچہ میں نے ان کی بات مان لی اور اس یتیم لڑکی کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگیا"۔

قاضی ابو بکر بزازؒ فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا زَفُّوهَا إِلَيَّ مَدَدْتُ عَيْنِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهَا فَوَجَدْتُّ ذٰلِكَ الْعِقْدَ بِعَيْنِهٖ مُعَلَّقًا فِيْ عُنُقِهَا. فَمَا كَانَ لِيْ حِيْنَئِذٍ شُغْلٌ إِلَّا النَّظَرَ إِلَيْهِ.

یعنی "جب ان لوگوں نے اس لڑکی کو رخصت کیا اور دلہن بنا کر میرے پاس بھیجا تو مقامِ خلوت میں نگاہ اٹھا کر میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا کیونکہ میں نے وہی ہار (جو اس شیخ کو میں نے مکہ مکرمہ میں واپس لوٹایا تھا) اس کے گلے میں لٹکا ہوا پایا (یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ فرماتے ہیں کہ) میں ساری رات (قدرت کی نیرنگیوں میں سوچتے ہوئے حیرت سے) اس ہار کی طرف دیکھتا رہا (اور لڑکی کو ہاتھ تک نہ لگایا)"۔

جب صبح ہوئی اور لوگوں کو لڑکی یعنی میری بیوی کے ذریعے پتہ چلا کہ میں ساری رات حیران وششدر اور تعجب سے اس کے گلے کے ہار ہی کی طرف دیکھتا رہا تو لوگ بھی حیران ہوئے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ نہ بیوی کو ہاتھ لگایا اور نہ اسے دیکھا۔ بس اس ہار ہی کو دیکھتا رہا اور اسی میں غور وفکر کرتا رہا۔

چنانچہ وہ لوگ میرے پاس آئے اور یہ شکایت کی کہ یہ آپ نے کیا کیا

اور کیوں ایسا کیا اور ہار کے بارے میں آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی، اس کا سبب کیا ہے؟

فَقَالُوْا: یَا شَیْخُ! کَسَرْتَ قَلْبَ هٰذِهِ الْیَتِیْمَةِ مِنْ نَظَرِكَ إِلٰی هٰذَا الْعِقْدِ وَلَمْ تَنْظُرْ إِلَیْهَا. فَقَصَصْتُ عَلَیْهِمْ قِصَّةَ الْعِقْدِ. فَصَاحُوْا وَصَرَخُوْا بِالتَّهْلِیْلِ وَالتَّكْبِیْرِ حَتّٰی بَلَغَ إِلٰی جَمِیْعِ أَهْلِ الْجَزِیْرَةِ.

فَقُلْتُ: مَا بِكُمْ؟ فَقَالُوْا: ذٰلِكَ الشَّیْخُ الَّذِیْ أَخَذَ مِنْكَ الْعِقْدَ أَبُوْ هٰذِهِ الصَّبِیَّةِ وَكَانَ یَقُوْلُ: مَا وَجَدْتُّ فِی الدُّنْیَا مُسْلِمًا إِلَّا هٰذَا الَّذِیْ رَدَّ عَلَیَّ هٰذَا الْعِقْدَ. وَكَانَ یَدْعُوْ وَیَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ حَتّٰی أُزَوِّجَهٗ بِابْنَتِیْ.

وَالْآنَ قَدْ حَصَلَتْ. فَبَقِیْتُ مَعَهَا مُدَّةً. وَرُزِقْتُ مِنْهَا بِوَلَدَیْنِ. ثُمَّ إِنَّهَا مَاتَتْ. فَوَرِثْتُ الْعِقْدَ أَنَا وَوَلَدَایَ. ثُمَّ مَاتَ الْوَلَدَانِ. فَحَصَلَ الْعِقْدُ لِیْ. فَبِعْتُهٗ بِمِائَةِ أَلْفِ دِیْنَارٍ. وَهٰذَا الْمَالُ الَّذِیْ تَرَوْنَ مَعِیْ مِنْ بَقَایَا ذٰلِكَ الْمَالِ. ذیل علی طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۹۶.

" اہلِ جزیرہ نے کہا کہ اے شیخ! (آپ نے اچھا نہیں کیا) آپ نے اس یتیم بچی کا دل توڑا ہے۔ آپ ساری رات اس کے گلے کے ہار کی طرف ہی دیکھتے رہے اور اس لڑکی کو دیکھا تک نہیں۔

قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کے سامنے وہ ہار والا سارا قصہ (جو میرے ساتھ مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا اور میں نے وہ ہار ایک شیخ کو لوٹا دیا تھا) بیان کیا۔ لوگ یہ قصہ سن کر (فرطِ جذبات اور حیرت سے) زور زور سے تکبیر و تہلیل (یعنی لا الٰہ الا اللہ) کہنے لگے (یعنی انہوں نے بلند آواز سے نعرۂ

تکبیر لگانا شروع کر دیا) یہاں تک کہ اس قصہ کی خبر پورے اہل جزیرہ تک پہنچ گئی (اور سب اہل جزیرہ تعجب اور خوشی سے زور زور سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے)۔

میں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے (کونسی ایسی عجیب بات تم نے سن لی جس کی وجہ سے تم اس قدر حیران اور خوش ہو)؟ کہنے لگے کہ وہ شیخ جس کو آپ نے ہار لوٹایا تھا وہ اس لڑکی کا باپ تھا۔

اور (جب سے وہ مکہ مکرمہ سے لوٹا تھا) وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں نے دنیا میں کوئی کامل مسلمان نہیں پایا مگر ایک شخص کو جس نے مجھے میرا گمشدہ ہار لوٹا دیا۔

وہ شیخ ہمیشہ دعا کرتے ہوئے یہ کہا کرتا تھا کہ اے اللہ ! (ایک دفعہ پھر) مجھے اور اس آدمی کو (جس نے مجھے ہار واپس کیا تھا) اکٹھا کر دے تاکہ میں اپنی بچی کا نکاح اس سے کر دوں (کیونکہ وہ انتہائی امانتدار تھا)۔

اہل جزیرہ کہنے لگے کہ اب اس شخص کی یہ نیک آرزو پوری ہوئی (یعنی ہم نے اس کی بچی کا نکاح آپ سے کر دیا ہے۔ اس لئے ہم تعجب سے خوش ہو رہے ہیں)۔

قاضی ابو بکر بزازؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس بیوی کے ساتھ زندگی کا ایک عرصہ گزارا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بطن سے دو بچے عطا فرمائے۔

پھر میری بیوی فوت ہوگئی اور میں اور میرے دونوں بچے اس ہار کے وارث ہوئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میرے وہ دونوں بچے بھی دنیا سے رخصت ہو گئے اور وہ ہار بطورِ وراثت میرے پاس رہا۔

میں نے وہ ہار ایک لاکھ دینار کے بدلے میں بیچ دیا۔ چنانچہ آج یہ مال

جو تم دیکھ رہے ہو (حاضرین مجلس سے کہا) یہ اسی ہار سے حاصل ہونے والے مال کا بقیہ ہے"۔

افسوس صد افسوس ...... کہ آجکل اکثر مسلمان غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بے جانہ ہوگا کہ حیوانوں کی طرح وہ رزق کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں۔ رزق کو، اَکل وشُرب کو اور لہو ولعب کو انہوں نے زندگی کا اصل مقصد ٹھہرالیا ہے۔

اکثر مسلمان دین سے بہت دور جارہے ہیں۔ دین کو انہوں نے مقاصدِ دنیویّہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنارکھا ہے۔ دنیا سنوارنے کیلئے دین کا نام لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ دین کو دنیا کی اصلاح کیلئے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ خسارہ ہی خسارہ اور تباہی ہی تباہی ہے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا ایک قیمتی شعر ہے جو ایسے مسلمانوں پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ حلیۃ الاَولیاء میں ہے کہ ابراہیم بن ادہمؒ عموماً اس شعر کو اپنی اصلاح اور سامعین کے لئے موعظت ونصیحت کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔

نُرَقِّعُ دُنْیَانَا بِتَمْزِیْقِ دِیْنِنَا فَلَا دِیْنُنَا یَبْقٰی وَلَا مَا نُرَقِّعُ

"ہم دنیا کو پیوند لگاتے ہیں اور مزیّن کرتے ہیں دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے (یعنی ہم دین کو صرف اپنے مقاصد دنیویّہ کیلئے استعمال کرتے ہیں) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ ہمارے پاس دین رہتا ہے اور نہ وہ چیز جس کی ہم نے پیوند کاری کی (یعنی دینی اعتبار سے بھی ہم ذلیل ہوجاتے ہیں اور دنیاوی اعتبار

سے بھی ذلیل ہو جاتے ہیں)''۔

عاقل اور کامیاب وہ شخص ہے جو مخلوق کی رفاقت کو چھوڑ کر صرف خدا تعالیٰ کی رفاقت اور نصرت حاصل کرنے کیلئے جدو جہد کرے۔ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ یہ شعر بھی اکثر اوقات پڑھا کرتے تھے۔

اِتَّخِذِ اللّٰہَ صَاحِبًا وَذَرِ النَّاسَ جَانِبًا

''(اے انسان!) تو اللہ تعالیٰ کو اپنا مصاحب و رفیق بنالے اور لوگوں کی رفاقت چھوڑ کر برطرف ہو جا''۔

ابراہیم بن ادہمؒ گاہ بگاہ اپنے نفس کو تنبیہ و وعظ کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

یَا نَفْسُ! إِیَّاكِ وَالْغُرَّةَ بِاللّٰہِ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ.

یعنی ''اے نفس! اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی قسم کے دھوکے سے اپنے آپ کو بچا کیونکہ (قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ دنیا کی زندگی کسی قسم کے دھوکے میں مبتلا نہ کرے اور نہ دھوکہ دینے والا (یعنی شیطان، دنیوی مال و متاع اور دیگر وہ امور جو انسان کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے معاملے میں تمہیں کسی قسم کے دھوکے میں مبتلا کرے''۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ملک شام کے ایک قبرستان میں ایک قبر پر میں نے عبرت اور موعظت کے یہ دو شعر لکھے ہوئے دیکھے۔ رُواۃ کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہمؒ مختلف اوقات میں اپنے نفس و دل کو خدا کی طرف متوجہ

کرنے کیلئے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے جو قبر پر مکتوب تھے۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

مَا أَحَدٌ أَكْرَمُ مِنْ مُّفْرَدٍ　　فِيْ قَبْرِهٖ أَعْمَالُهٗ تُؤْنِسُهٗ

مُنْعَمٌ فِيْ قَبْرِهٖ فِيْ رَوْضَةٍ　　زَيَّنَهَا اللّٰهُ فَهِيَ مَجْلِسُهٗ

(۱) ”اس آدمی سے زیادہ معزز و مکرم کوئی آدمی نہیں جو قبر میں بظاہر اگرچہ اکیلا ہو لیکن اس کے اعمالِ حسنہ اس کے مونسِ جان ہوں۔

(۲) اسے نعمتوں سے نوازا گیا ہو اور اس کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنایا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو ہر قسم کی آرام دہ اور سکون والی چیزوں سے مزّین کیا ہو اور وہ قبر اس آدمی کیلئے سکون سے بیٹھنے کی جگہ (اور آرام کرنے کا مقام) ہو“۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ملک شام کے بعض شہروں میں مَیں نے ایک بڑے پتھر پر یہ دو عبرت انگیز رُلانے والے شعر لکھے ہوئے دیکھے۔

كُلُّ حَيٍّ وَّإِنْ بَقِيْ　　فَمِنَ الْعَيْشِ يَسْتَقِيْ

فَاعْمَلِ الْيَوْمَ وَاجْتَهِدْ　　وَاحْذَرِ الْمَوْتَ يَاشَقِيْ

(۱) ”ہر زندہ انسان اگرچہ کچھ مدت باقی رہتا ہے اور زندگی کی مختلف نعمتوں سے استفادہ کرتا ہے (لیکن اصل کام یہ ہے کہ)

(۲) اے انسان! تو آج ہی یعنی اسی زندگی میں عملِ صالح کر اور حصولِ جنت کی کوشش کر اور موت سے ڈر اے بدبخت“۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں۔ فَبَيْنَمَا أَنَا وَاقِفٌ أَقْرَؤُهٗ وَأَبْكِيْ فَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ أَشْعَثَ أَغْبَرَ عَلَيْهِ مِدْرَعَةٌ مِّنْ شَعْرٍ. فَسَلَّمَ عَلَيَّ. فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ.

فَرَاٰی بُکَائِیْ فَقَالَ: مَا یُبْکِیْکَ؟ فَقُلْتُ: قَرَأْتُ هٰذَا النَّقْشَ فَأَبْکَانِیْ.

یعنی ”میں ابھی وہیں کھڑے ہو کر وہ اشعار پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی جس کے بال پراگندہ تھے، جسم غبار آلودہ تھا اور بالوں سے بنا ہوا کمبل اوڑھے ہوئے تھا، کو میں نے اپنے پاس موجود پایا۔ اس شخص نے مجھے سلام کہا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس نے مجھے روتا ہوا دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ لکھے ہوئے اشعار میں نے پڑھے ہیں، انہوں نے مجھے رُلا دیا ہے“۔

ثُمَّ قَالَ لِیْ ذٰلِکَ الرَّجُلُ: سِرْ مَعِیْ حَتّٰی أُقْرِئَکَ غَیْرَهٗ. فَمَضَیْتُ مَعَهٗ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَإِذَا أَنَا بِصَخْرَةٍ عَظِیْمَةٍ شَبِیْهَةٍ بِالْمِحْرَابِ. قَالَ: إِقْرَأْ وَابْکِ وَلَا تَعْصِ. ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ وَتَرَکَنِیْ. وَإِذَا فِیْ أَعْلَاهُ نَقْشٌ بَیِّنٌ عَرَبِیٌّ.

لَا تَبْغِیَنْ جَاهًا وَّجَاهُکَ سَاقِطٌ
عِنْدَ الْمَلِیْکِ وَکُنْ لِجَاهِکَ مُصْلِحًا

یعنی ”پھر اس شخص نے مجھے کہا کہ آؤ میرے ساتھ چلو میں تمہیں کچھ اور اشعار پڑھنے کیلئے دکھاتا ہوں۔ ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے ساتھ چلا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے مجھے ایک بہت بڑی چٹان جو محراب کی شکل کی تھی کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا کہ اس پر لکھے ہوئے اشعار پڑھ کر رو یئے اور آئندہ معاصی سے بچنے کا عزم کیجئے۔ پھر وہ شخص نماز میں مشغول ہو گیا اور مجھے وہیں چھوڑ دیا۔ میں نے جو دیکھا تو اس چٹان کے اوپر والے حصے پر واضح عربی میں یہ شعر منقش تھا (جس کا ترجمہ یہ ہے)۔

اے انسان ! تو اس دنیا کے فانی جاہ وجلال کو تلاش نہ کر۔ تیرا یہ جاہ وجلال تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساقط ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ تو اپنے ذاتی و اصلی جاہ وجلال کی اصلاح کر (یعنی جو خوبیاں بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان تیرے اندر ودیعت ہیں ان کی اصلاح کر)"۔

اور اس چٹان کی دوسری جانب یہ شعر مکتوب تھا۔

مَنْ لَّمْ یَثِقْ بِالْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ

لَاقٰی ھُمُوْمًا کَثِیْرَۃَ الضَّرَرِ

یعنی "جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قضا کا یقین نہ ہو اور اُس کی تقدیر پر راضی نہ ہو وہ بہت زیادہ نقصان پہنچانے والے غموں اور دکھوں سے دوچار ہوتا ہے"۔

اس چٹان کی ایک اور جانب یہ شعر نوشتہ تھا۔

مَا أَزْیَنَ التُّقٰی وَمَا أَقْبَحَ الْخَنَا

وَکُلٌّ مَّأْخُوْذٌ بِمَا جَنٰی وَعِنْدَ اللّٰہِ الْجَزَا

یعنی "تقویٰ کتنی خوبصورت اور زینت والی چیز ہے اور خیانت (فسق وفجور) کتنی قبیح چیز ہے۔ اور ہر انسان اپنے جرائم اور اعمال کے مطابق پکڑا جائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال (اچھے ہوں یا برے) کی جزاء اور بدلہ ہے"۔

اور اس چٹان کی نیچے والی جانب زمین سے ایک دوگز اوپر یہ شعر کندہ تھا۔

إِنَّمَا الْعِزُّ وَالْغِنٰی فِیْ تُقَی اللّٰہِ وَالْعَمَلِ

یعنی ”عزت اور غناءِ قلبی صرف اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور عمل صالح کرنے میں ہے“۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا تَدَبَّرْتُهُ وَفَهِمْتُهُ الْتَفَتُّ إِلَىٰ صَاحِبِي فَلَمْ أَرَهُ. فَلَا أَدْرِي مَضَىٰ أَوْ حُجِبَ عَنِّي. حلیۃ ج۸ ص ۱۲.

یعنی ”میں نے ان اشعار میں غور وفکر کرنے اور انہیں خوب سمجھنے کے بعد جب پلٹ کر اپنے ساتھی (جو مجھے وہاں لایا تھا) کی طرف دیکھا تو وہ مجھے نظر نہ آیا۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ وہاں سے چلا گیا یا میری نظروں سے پوشیدہ کر دیا گیا (یعنی شاید وہ کوئی ولی اللہ ہوں جو میری نظروں سے غائب ہو گئے ہوں)“۔

بھائیو! حقیقی عزت تقویٰ میں ہے۔ اسی طرح دائمی مسرت و راحت بھی تقویٰ والی زندگی میں ہے۔ مال و دولت اسبابِ عبرت ہیں نہ کہ اسبابِ راحت و مسرّت۔

از مردم دنیا و ز دنیا وحشت
ہر چند بگیری بکف آری راحت
ہنگامِ بہار و ہم خزانش دیدم
در باغ جہاں نیست گلے جز عبرت

یہ رباعی نہایت سبق آموز ہے۔ اس کا اردو منظوم ترجمہ سن لیں۔

رکھ اہلِ جہاں سے اور جہاں سے وحشت
گو ملتی ہو تجھ کو ان کے دم سے راحت

دیکھی ہے بہار بھی خزاں بھی لیکن

اس باغ میں گُل کوئی نہیں جز عبرت

کتبِ تاریخ وسوانح میں ہے کہ عمر بن منہال قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک خط بھیجا۔ اس خط میں ابن منہالؒ نے ابراہیم بن ادہمؒ سے نصیحت وموعظت کی باتیں تحریر کرنے اور بھیجنے کی درخواست کی۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ نصیحت ووعظ جو خط ابن منہالؒ کو بھیجا اس میں باوجود اختصار کے جو نصائح لکھے وہ نہایت اہم ونافع ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان نصائح پر عمل کرتے ہوئے ان کے مقتضیٰ کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ خط یہ ہے۔

أَمَّا بَعْدُ. فَإِنَّ الْحُزْنَ عَلَى الدُّنْيَا طَوِيْلٌ. وَالْمَوْتُ مِنَ الْإِنْسَانِ قَرِيْبٌ. وَلِلنَّفْسِ مِنْهُ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ نَّصِيْبٌ. وَلِلْبِلٰى فِيْ جِسْمِهٖ دَبِيْبٌ. فَبَادِرْ بِالْعَمَلِ قَبْلَ أَنْ تُنَادٰى بِالرَّحِيْلِ. وَاجْتَهِدْ فِي الْعَمَلِ فِيْ دَارِ الْمَمَرِّ قَبْلَ أَنْ تَرْحَلَ إِلٰى دَارِ الْمَقَرِّ.

یعنی ”امابعد۔ دنیا کا حزن اور اس کی فکر بہت طویل ہے (یعنی اس کا حزن اور اس کی فکر بڑھتی ہی رہتی ہے کم نہیں ہوتی) اور موت انسان کے قریب ہے (کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ ایک لمحہ بھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے) اور نفس کیلئے موت سے ہر وقت کچھ نہ کچھ حصہ ہے (یعنی نفس بیماریوں اور دیگر اسبابِ موت سے ہر وقت دوچار رہتا ہے)۔

اورضعف وکمزوری آہستہ آہستہ چیونٹی کے رینگنے کی طرح بدن میں بڑھ رہی ہے۔ لہٰذا موت کی منادی سے قبل عملِ صالح میں جلدی کیجئے اور ہمیشہ رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف منتقل ہونے سے قبل اس عارضی گزرگاہ (دنیا) میں عملِ صالح کی کوشش کیجئے"۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا ایک اور قیمتی قول بھی سن لیجئے۔

عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ بَشَّارٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی قَالَ : سَمِعْتُ إِبْرَاهِيْمَ بْنَ أَدْهَمَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی يَقُوْلُ : أَشَدُّ الْجِهَادِ جِهَادُ الْهَوٰى . مَنْ مَّنَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا فَقَدِ اسْتَرَاحَ مِنَ الدُّنْيَا وَبَلَائِهَا . وَكَانَ مَحْفُوْظًا وَّمُعَافًى مِّنْ أَذَاهَا . حلیۃ ج۸ ص۱۸.

" حضرت ابراہیم بن بشارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادہمؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے سخت اور مشکل جہاد اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کے خلاف جہاد کرنا اور اسے معاصی سے روکنا ہے۔ جس آدمی نے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روک دیا تو اس نے دنیا اور اس کے مصائب و آلام سے استراحت حاصل کرلی اور اسے دنیا کی اذیت و تکلیف سے حفاظت و عافیت مل گئی"۔

نفسِ انسانی حرص وحبِّ دنیا کے دام میں انسان کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ جہادِ نفس کا مطلب یہ ہے کہ ذکرُ اللہ و اتباعِ شریعت کے ذریعے دامِ حرص وحبِّ دنیا سے آزادی حاصل کی جائے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

با دامِ ہوا و حرص تا ہم نفسی	پابندِ خودی شام و سحر در قفسی
آزاد چو سرو باش در گلشن دہر	گر سنبل و نسرینی تو در خار و خسی

اس لطیف رباعی کا اردو میں منظوم لطیف ترجمہ پیش خدمت ہے۔

دامِ ہوا و حرص سے جب تک ہے ہم نفس
پابندئ خودی ہے گرفتارئ قفس
آزاد مثل سرو تو باغِ جہاں میں رہ
سنبل و نسرین ہے اگر تو بہ خار و خس

برادران عظام ! ہمارے اسلافِ کرام و بزرگانِ فخام مذکورہ صدر قسم کے نصائح پر عمل کرنے سے اور اپنے نفس کی خواہشات، حرص، طمع، حبِّ مال اور حبِّ جاہ سے اپنے آپ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی برکت سے ولایت و قربِ خدا والے مقام پر فائز تھے۔

وہ جس طرح حرام رزق سے احتراز اور اجتناب کو ضروری سمجھتے تھے اسی طرح وہ مشتبہات اور معمولی شبہ والے رزق سے بھی مکمل اجتناب کرتے تھے۔ یہی ہے شدتِ احتیاط کا تقاضا۔

بزرگوں کے کئی ایمان افروز واقعات تو آپ نے سن لئے۔شدتِ احتیاط و شدتِ تقویٰ کے سلسلے میں بزرگوں کے چند مزید ایمان افروز اور عجیب وغریب واقعات پیش خدمت ہیں۔

حافظ ابو نُعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے باسند یہ واقعہ لکھا ہے۔

قَالَ: جَاءَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رحمہ اللہ تعالیٰ إِلٰى صَيْرَفِيٍّ بِمَكَّةَ يَشْتَرِي مِنْهُ دَرَاهِمَ بِدِيْنَارٍ. فَأَعْطَاهُ الدِّيْنَارَ. وَكَانَ مَعَهُ دِيْنَارٌ آخَرُ فَسَقَطَ مِنْ سُفْيَانَ. فَطَلَبَهُ فَإِذَا إِلٰى جَانِبِهِ دِيْنَارٌ. فَقَالَ لَهُ الصَّيْرَفِيُّ: خُذْ دِيْنَارًا.

قَالَ: مَا أَعْرِفُهُ. قَالَ: خُذِ النَّاقِصَ. قَالَ: فَلَعَلَّهُ الزَّائِدُ. قَالَ: فَتَرَكَهُ وَمَضٰى.

یعنی ”ایک دفعہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں صرّاف کے پاس ایک دینار (جو سونے کا ہوتا ہے) کے بدلے دراہم (جو چاندی کے ہوتے ہیں) لینے کیلئے تشریف لے گئے۔ سفیانؒ نے وہ دینار صرّاف کو دیا۔ سفیانؒ کے پاس ایک اور دینار بھی تھا جو اسی جگہ ان کے ہاتھ سے گر گیا۔

سفیانؒ اسے تلاش کرنے لگے۔ (وہ دینار تو وہیں پڑا تھا مگر) اتفاق سے اسی جگہ ایک اور دینار بھی کسی کا گرا پڑا تھا (سفیانؒ نے ان دونوں میں سے کوئی دینار نہ اٹھایا)۔

صرّاف نے کہا۔ اے سفیان! آپ ان دونوں میں سے ایک دینار اٹھا لیں۔ سفیانؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے دینار کی پہچان نہیں ہے (لہٰذا میں ان میں سے کوئی دینار بھی نہیں اٹھاتا)۔ صرّاف نے کہا کہ آپ اپنی احتیاط کے پیش نظر ایسا کر لیں کہ جو ناقص اور کم ہے وہ اٹھا لیں۔

سفیانؒ نے فرمایا کہ شاید یہ زائد (جس میں سونا زیادہ ہے) دینار میرا ہو اور ناقص یعنی تھوڑے سونے والا کسی اور کا ہو (لہٰذا میں یہ ناقص دینار بھی نہیں اٹھاتا کیونکہ غیر کا مال چاہے ناقص ہی ہو لینا ناجائز ہے) چنانچہ سفیانؒ وہ دینار چھوڑ کر چلے گئے“۔

سفیان ثوریؒ عظیم محدث اور جلیل القدر فقیہ تھے، اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ان کا یہ واقعہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ انہوں نے معمولی شبہ کی وجہ سے اپنا بہت بڑا مالی نقصان قبول کر لیا مگر مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگایا۔

ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے کا ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا مال تھا۔ سفیانؒ نہایت مفلس اور تنگدست زندگی گزارتے تھے۔ اس دینار کے چھوڑ دینے سے یقیناً وہ مزید تنگدستی میں مبتلا ہوئے ہوں گے مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کیونکہ ایسے بزرگوں پر خوفِ آخرت کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ آخرت کی کٹھن منزلیں اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں۔ آخرت کے خوف کی وجہ سے وہ معمولی مشتبہ مال سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔

سفیان ثوریؒ پر فکر آخرت کا کتنا غلبہ تھا اس سلسلے میں ان کا ایک اور عبرت انگیز واقعہ سن لیں۔

یوسف بن اسباطؒ کہتے ہیں کہ میں اور سفیان ثوریؒ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں اکٹھے رہتے تھے۔ ایک رات سفیان ثوریؒ نے مجھے کہا کہ مجھے پانی کا لوٹا دیدیں تاکہ میں وضو کروں۔ چنانچہ میں نے لوٹا دیا۔ آپ نے دائیں ہاتھ سے لوٹا پکڑا اور کھڑے کھڑے اپنا بایاں ہاتھ رخسار پر رکھا۔ میں سوگیا۔ فجر ہو جانے کے بعد جب میں نماز کیلئے بیدار ہوا تو حیرت ہوئی کہ سفیان ثوریؒ اسی حالت میں کھڑے ہیں جس حالت میں مَیں نے انہیں نیند سے قبل چھوڑا تھا اور وہ نہایت پریشان ہیں اور کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میرے پوچھنے پر سفیان ثوریؒ نے بتلایا کہ میں اس وقت سے لیکر اب تک آخرت کی کٹھن منازل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس واقعے کی عربی عبارت یہ ہے۔

قَالَ لِي سُفْيَانُ: يَا يُوسُفُ! نَاوِلْنِي الْمِطْهَرَةَ أَتَوَضَّأُ. فَنَاوَلْتُهُ. فَأَخَذَهَا بِيَمِينِهِ وَوَضَعَ يَسَارَهُ عَلَى خَدِّهِ. وَنِمْتُ. فَاسْتَيْقَظْتُ وَقَدْ طَلَعَ الْفَجْرُ. فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا الْمِطْهَرَةُ فِي يَدِهِ عَلَى حَالِهَا. فَقُلْتُ: يَا

أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! قَدْ طَلَعَ الْفَجْرُ. قَالَ: لَمْ أَزَلْ مُنْذُ نَاوَلْتَنِي الْمِطْهَرَةَ أَتَفَكَّرُ فِي الْآخِرَةِ إِلٰى هٰذِهِ السَّاعَةِ. حلیۃ ج ۷ ص ۵۳.

یعنی " سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے یوسف ! مجھے پانی کا لوٹا پکڑا دیجیئے تاکہ میں وضوء کرلوں۔ میں نے انہیں پانی کا لوٹا پکڑا یا۔ انہوں نے دائیں ہاتھ سے لوٹا پکڑا اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا۔ میں (لوٹا پکڑا کر) سوگیا۔

جب طلوعِ فجر ہونے پر میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سفیانؒ اسی طرح ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں (اور ان کا بایاں ہاتھ اسی طرح چہرے پر ہے)۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابو عبداللہ (یہ سفیانؒ کی کنیت ہے) ! فجر طلوع ہوچکی ہے۔ (کس پریشانی اور دکھ کی وجہ سے پوری رات آپ نے جاگ کر گزار دی ہے اور سوئے نہیں ہیں؟)۔

سفیانؒ نے فرمایا کہ جب سے تو نے مجھے لوٹا پکڑا یا اس وقت سے لے کر اب تک میں آخرت کی سختیوں اور ہولناکیوں کے بارے میں سوچتا رہا (اس وجہ سے میں سویا نہیں)"۔

عزیزان محترم ! ہمارے اسلافِ کرام کتنے دانا تھے۔ موت کو اور موت کے بعد آنے والی سختیوں کو وہ ہمیشہ مستحضر رکھتے تھے۔ اور ہم کتنے غافل ہیں۔

موت کے خطرے سے غافل کس قدر انسان ہے
کیسا عاقل کیسا دانا اور کیسا نادان ہے

آہ...... آجکل اکثر مسلمانوں کی نگاہیں دنیا کی رنگینی میں الجھی ہوئی

ہیں۔آخرت کی سختیوں سے غافل ہیں۔ یہ دنیا فانی ہے۔ دنیا کی تمام مسرّتیں بھی فانی ہیں۔

بے نشاں ہوجائیگا گلزارِ دنیا ایک دن
خار کا اس میں پتہ ہوگا نہ گُل کا ایک دن

اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں کا ازالہ فرمائیں اور ہمیں نیک اعمال کی توفیق بخشیں۔آمین۔





فصل (۲۳)

عزیزان کرام ! بزرگوں کے احوال وواقعات بے اثرو بے فائدہ نہیں ہوتے بلکہ وہ نہایت ایمان افروز، درد انگیز اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ ان کے اقوال واحوال وواقعات پڑھنے سے فنائے دنیا کا حق الیقین بلکہ مشاہدہ ہو جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے قلوب دنیا کی بجائے آخرت کی طرف متوجّہ ہو کر ان میں مسرّاتِ آخرت کی تحصیل کا اشتیاقِ شدید پیدا ہوتا ہے۔

کہتا ہے کوئی نالۂ بلبل ہے بے اثر
پردے میں گُل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور محدث اور مجتہدِ کبیر گزرے ہیں۔ وہ امام اوزاعیؒ جیسے ائمۂ کبار کے شیخ تھے۔

شدتِ تقویٰ اختیار کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے بارے میں ان کا ایک اہم ونافع قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لَا يُصِيبُ رَجُلٌ حَقِيقَةَ التَّقْوىٰ حَتّٰى يَجْعَلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْحَرَامِ حَاجِزًا مِّنَ الْحَلَالِ وَحَتّٰى يَدَعَ مِنَ الْإِثْمِ وَمَا تَشَابَهَ مِنْهُ. حلیۃ ج ۷ ص ۲۸۸.

یعنی " کوئی آدمی اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک اس میں دو باتیں نہ ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اپنے اور حرام چیز کے درمیان حلال امور کی دیوار کھڑی کر دے (یعنی حلال مال کے ذریعے حرام مال کو روک دے) اور دوسری بات یہ کہ وہ چھوٹے گناہوں کو بھی چھوڑ دے اور جس چیز میں گناہ کا شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دے "۔

پس کامل متقی وہ ہے جو حلال مال پر اکتفا کرے اور حرام مال سے مکمل اجتناب کرے۔ گویا کہ وہ حلال مال اس کے اور حرام کے مابین ایک دیوار ہو۔ اور ہر قسم کے گناہ کے علاوہ ان امور کو بھی ترک کر دے جن میں گناہ کا معمولی شبہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ہر چھوٹے بڑے گناہ کے ارتکاب سے بچائیں۔

گناہوں کا وبال آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا میں گناہ کے وبال اور برے اثرات میں سے ایک برا اثر یہ ہے کہ گناہ کرنے والا اکثر اوقات غمگین رہتا ہے۔

حلیہ میں حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قیمتی قول مذکور ہے۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى إِسْرَائِيْلَ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ: إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الذَّنْبَ فَمَا يَزَالُ بِهٖ كَئِيْبًا.

یعنی " ابو موسیٰ اسرائیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ گناہ کرتا ہے وہ اس گناہ کی وجہ سے ہمیشہ مغموم اور پریشان رہتا ہے "۔

فکرِ آخرت اور خوفِ خدا تعالیٰ کسی شخص کے دل میں جتنا زیادہ ہوگا وہ شخص اتنا ہی زیادہ مشتبہ رزق و مال سے احتراز کرے گا۔ آجکل مسلمانوں کے

دلوں میں خوفِ خدا تعالیٰ بہت کم ہے۔ اس لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اکثر مسلمان مشتبہ مال تو کجا حرام مال کھانے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ مسلمانوں نے آخرت کی فکر کو پس پشت ڈال دیا ہے، موت کے لئے تیاری نہیں کرتے۔ دنیوی رزق و آسائشوں کو انہوں نے مقصود اصلی بنالیا ہے۔ یہ نہایت خسارے کا سودا ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں لکھا ہے۔

عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَۃَ رحمہ اللہ تعالیٰ عَنْ أَبِي خَالِدٍ رحمہ اللہ تعالیٰ قَالَ: تَحْضُرُ الْحِکْمَۃُ بِثَلَاثٍ: اَلْإِنْصَاتُ، وَالِاسْتِمَاعُ، وَالْوَعْیُ. وَتُلْقَحُ الْحِکْمَۃُ بِثَلَاثِ خِصَالٍ: اَلْإِنَابَۃُ إِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ، وَالتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ. حلیۃ ج۷ ص ۲۸۰.

یعنی ”سفیان بن عیینہؒ ابو خالدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آدمی کے اندر حکمتِ ربّانی تین امور سے ثابت اور پختہ ہوتی ہے۔

اوّل اِنصات۔ یعنی وعظ و نصیحت کی مجلس میں خاموشی سے بیٹھنا۔

دوم استماع۔ یعنی وعظ و نصیحت کو غور سے سننا۔

سوم وَعی۔ یعنی اس وعظ و نصیحت کو اچھی طرح یاد کرنا اور محفوظ رکھنا۔

پھر حکمت کی ترقی و آبیاری بھی تین خصلتوں سے ہوتی ہے۔

اول آخرت کی طرف رجوع کرنا اور اس کی فکر کرنا۔

دوم اس دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے ناجائز امور سے اجتناب کرنا اور کنارہ کش ہونا۔

سوم موت کے آنے سے قبل موت کی تیاری کرنا“۔

بڑی حسرت کی بات ہے کہ آج کل مسلمان اخروی کامیابی سے متعلق حکمت کی ان چھ خصلتوں سے غافل ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو قولِ مذکور میں درج حکیمانہ وعارفانہ باتوں پر عمل پیرا ہوں۔

تقویٰ اور شدتِ تقویٰ کے راستے پر ایسے لوگ ہی گامزن ہو سکتے ہیں جن کی تمام تر توجہ دنیائے فانی کی بجائے آخرت کی طرف ہو اور موت کے آنے سے قبل وہ موت کی تیاری میں مصروف ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو آخرت کی طرف متوجہ فرمائیں اور ان میں اپنی محبت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ مشہور و معروف صاحبِ کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ وہ رزق وطعام کے بارے میں اپنی شدتِ تقویٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راہِ زہد و تصوّف اختیار کرتے وقت ابتداءً میں عراق گیا۔ کچھ مدت وہاں رہا۔ جب وہاں حلال رزق کا حصول مشکل نظر آیا تو بعض مشائخ نے یہ مشورہ دیا۔

إِذَا أَرَدْتَ الْحَلَالَ فَعَلَيْكَ بِبِلَادِ الشَّامِ. فَعَمِلْتُ فِيْ بَلْدَةٍ بِهَا أَيَّامًا. فَلَمْ يَصْفُ لِيْ شَيْءٌ مِّنَ الْحَلَالِ. اِنْتَهٰى بِاخْتِصَارٍ.

یعنی ”اگر آپ حصولِ رزقِ حلال کا ارادہ رکھتے ہیں تو ملک شام چلے جائیے (وہاں آپ کو رزقِ حلال ملے گا۔ چنانچہ میں وہاں چلا گیا) اور وہاں ایک شہر میں مَیں نے کچھ دن مزدوری وغیرہ کی لیکن مجھے وہاں بھی صاف اور خالص رزقِ حلال کا حصول دشوار نظر آیا“۔

بعض مشائخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا۔ إِنْ أَرَدْتَ الْحَلَالَ

الصَّافِیِ فَعَلَیْكَ بِطَرْسُوْسٍ فَإِنَّ فِیْهَا الْمُبَاحَاتِ وَالْعَمَلَ الْكَثِیْرَ.

یعنی ” بزرگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر آپ صاف اور خالص حلال رزق کی تلاش میں ہیں تو آپ طرسوس (یہ ایک جگہ کا نام ہے) چلے جائیں۔ وہاں کئی جائز کام اور کثرت سے مزدوری وغیرہ مل جاتی ہے “۔

فرماتے ہیں کہ میں شہرِ طرسوس گیا۔ وہاں پر مجھے ایک دولتمند شخص نے اپنے باغ کا نگران و محافظ مقرر کیا۔ اس باغ میں مختلف الانواع پھل تھے۔ میں مدت تک اس باغ کا نگران رہا اور نگرانی کی حلال اجرت جو ملتی تھی اس سے اپنا گزارہ کرتا تھا۔

کچھ مدت کے بعد باغ کا مالک یا اس کا خاص مختار کار اپنے خاص رفقاء سمیت باغ میں آیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا اور مجھے حکم دیا کہ باغ میں سے انار کے لذیذ اور بڑے دانے توڑ کر لے آؤ۔

اس قصے کے عربی الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ صَاحَ: یَا نَاظُوْرُ! اِذْهَبْ فَأْتِنَا بِأَكْبَرِ رُمَّانٍ تَقْدِرُ عَلَیْهِ وَأَطْیَبِهٖ. فَذَهَبْتُ فَأَتَیْتُهٗ بِأَكْبَرِ رُمَّانٍ. فَأَخَذَ الْخَادِمُ رُمَّانَةً فَكَسَرَهَا فَوَجَدَهَا حَامِضَةً.

فَقَالَ لِیْ: یَا نَاظُوْرُ! أَنْتَ فِیْ بُسْتَانِنَا مُنْذُ كَذَا وَكَذَا. تَأْكُلُ فَاكِهَتَنَا وَتَأْكُلُ رُمَّانَنَا. لَا تَعْرِفُ الْحُلْوَ مِنَ الْحَامِضِ. قَالَ إِبْرَاهِیْمُ: قُلْتُ: وَاللهِ، مَا أَكَلْتُ مِنْ فَاكِهَتِكُمْ شَیْئًا وَّمَا أَعْرِفُ الْحُلْوَ مِنَ الْحَامِضِ.

فَأَشَارَ الْخَادِمُ إِلٰى أَصْحَابِهٖ فَقَالَ: أَمَا تَسْمَعُوْنَ كَلَامَ هٰذَا. ثُمَّ قَالَ: أَتَرَاكَ لَوْ أَنَّكَ إِبْرَاهِیْمُ بْنُ أَدْهَمَ مَا زَادَ عَلٰى هٰذَا فَانْصَرَفَ.

فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ ذَكَرَ صِفَتِي فِي الْمَسْجِدِ فَعَرَفَنِي بَعْضُ النَّاسِ. فَجَاءَ الْخَادِمُ وَمَعَهُ عُنُقٌ مِّنَ النَّاسِ. فَلَمَّا رَأَيْتُهُ قَدْ أَقْبَلَ مَعَ أَصْحَابِهِ اخْتَفَيْتُ خَلْفَ الشَّجَرِ. وَالنَّاسُ دَاخِلُونَ فَاخْتَلَطْتُ مَعَهُمْ وَهُمْ دَاخِلُونَ وَأَنَا هَارِبٌ. حلیۃ ج ۷ ص ۳۶۸.

یعنی " باغ کے مالک نے زور سے آواز دی کہ اے مالی ! ہمارے لئے چند بڑے بڑے میٹھے اور لذیذ انار توڑ کر لے آ۔ ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں باغ میں گیا اور چند بڑے انار کے دانے توڑ کر لے آیا۔ اس دولتمند شخص کے خادم یعنی مختار کار نے مجھ سے انار کے دانے لے کر توڑے تو وہ ترش تھے۔

وہ دولتمند آدمی (باغ کا مالک یا مختار کار) مجھے کہنے لگا کہ اے مالی ! تعجب ہے کہ تو ہمارے باغ میں اتنے عرصے سے رہ رہا ہے، تو ہمارے پھل اور انار کھاتا رہتا ہے، اس کے باوجود تجھے میٹھے اور ترش انار کی پہچان نہیں؟

ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا۔ خدا کی قسم، میں نے کبھی بھی تمہارے پھلوں میں سے کوئی چیز نہیں کھائی اور نہ مجھے میٹھے اور ترش پھل کی پہچان ہے۔

میری یہ بات سن کر اس شخص کے خادم نے (ازراہِ مذاق و تمسخر) اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تم نے اس مالی کی بات سنی؟ (کس طرح جھوٹ بول رہا ہے)۔ پھر اس خادم نے مجھے کہا کہ کیا تو ابراہیم بن ادہم سے بھی زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے (یعنی اتنا متقی تو ابراہیم بن ادہم ہو سکتا ہے)۔

پھر وہ شخص چلا گیا۔ جب صبح ہوئی تو اس شخص نے مسجد میں لوگوں کو میرے بارے میں بتایا (کہ اس قسم کا ایک مالی ہے جو کہتا ہے کہ میں نے باغ

میں سے کبھی بھی کوئی پھل وغیرہ نہیں کھایا)۔ لوگ اس شخص کی بات سن کر مجھے پہچان گئے۔

چنانچہ وہ شخص لوگوں کی ایک کثیر جماعت اپنے ساتھ لے کر میری طرف آیا۔ جب میں نے دور سے اس کو لوگوں سمیت آتے ہوئے دیکھا تو میں درختوں کے پیچھے چھپ گیا (تاکہ لوگ مجھے دیکھ کر پہچان نہ لیں)۔ لوگ مسلسل آرہے تھے۔ میں بھی کسی طریقے سے لوگوں کے اندر گھس گیا اور اختلاط کی وجہ سے وہ لوگ مجھے نہ پہچان سکے۔ لوگ داخل ہوتے رہے۔ اسی اثنا میں مَیں چپکے سے وہاں سے نکل کر غائب ہوگیا"۔

عبد الرحمن بن علی بن محمد معروف بہ ابن الجوزیؒ متوفی سنہ ۵۹۷ھ عالمِ کبیر، حافظ، مفسر، فقیہ، مصنف اور واعظِ بے مثال تھے۔ ایک ہزار کے لگ بھگ ان کی تصانیف کی تعداد ہے۔ محدث اور عالمِ عظیم ہونے کے علاوہ وہ بہت بڑے واعظ و مقرر بھی تھے۔ وعظ و تقریر میں ان کی نظیر نہ تھی۔ ان کے وعظ میں ہزارہا بلکہ لاکھوں لوگ شریک ہوتے تھے۔ ان کے وعظ کے وقت سامعین پر گریہ و فغاں والی حالت طاری ہوتی تھی۔

ان کی مجالسِ وعظ میں بسا اوقات امیر المؤمنین خلیفۂ وقت اور خاندانِ خلیفہ کی مستورات بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔ ان مستورات کیلئے اور خلیفۃ المسلمین کیلئے منبر کے قریب پردے میں بیٹھنے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ وعظ سن کر خلیفہ بھی روتے تھے اور ان کی مستورات بھی روتی رہتی تھیں۔

امام ابن الجوزیؒ اثناءِ وعظ میں کبھی صرف خلیفۃ المسلمین سے بھی خاص خطاب بطورِ نصیحت و اصلاح کرتے رہتے تھے۔

ابن الجوزیؒ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز وعظ میں مَیں نے امیر المؤمنین مستضی باللہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنْ تَكَلَّمْتُ خِفْتُ مِنْكَ. وَإِنْ سَكَتُّ خِفْتُ عَلَيْكَ. وَأَنَا أُقَدِّمُ خَوْفِي عَلَيْكَ عَلَى خَوْفِي مِنْكَ.

یعنی ”اے امیر المؤمنین! اگر میں آپ کی غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ کو کوتاہیوں سے بچنے کی تاکید اور تنبیہ کروں تو مجھے آپ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ اور اگر میں خاموش رہوں اور آپ کی غلطیوں کی نشاندہی نہ کروں تو مجھے آپ کے بھٹکنے کا اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا میں آپ پر شفقت والے معاملے کو ترجیح دیتا ہوں آپ کی ناراضگی والے معاملے پر۔ یعنی آپ کو غلطیوں اور لغزشوں پر متنبہ کرنے کو ترجیح دیتا ہوں آپ کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنے پر“۔

قَالَ ابْنُ الْقُطَيْعِيِّ: سَمِعْتُ مَنْ أَثِقُ بِهٖ قَالَ: لَمَّا سَمِعَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ الْمُسْتَضِيءُ بِاللّٰهِ ابْنَ الْجَوْزِيِّ يُنْشِدُ تَحْتَ دَارِهٖ:

سَتَنْقُلُكَ الْمَنَايَا عَنْ دِيَارِكَ ۔۔۔ وَيُبْدِلُكَ الرَّدٰى دَارًا بِدَارِكَ

وَتَتْرُكُ مَا عَنَيْتَ بِهٖ زَمَانًا ۔۔۔ وَتَنْقُلُ مِنْ غِنَاكَ إِلَى افْتِقَارِكَ

فَدُوْدُ الْقَبْرِ فِيْ عَيْنَيْكَ يَرْعٰى ۔۔۔ وَتَرْعٰى عَيْنُ غَيْرِكَ فِيْ دِيَارِكَ

یعنی ”ابن قطیعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک موثق اور با اعتماد آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ (جب) امیر المؤمنین مستضی باللہ نے ابن الجوزیؒ سے بالاخانے کے نیچے وعظ کرتے وقت یہ اشعار سنے (تو بڑے متاثر ہوئے اور

بہت روئے۔ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے)۔

(۱) عنقریب موت تجھے اپنے گھر سے منتقل کردیگی اور موت تجھے اِس گھر سے بدل کر ایک دوسرے گھر میں لے جائے گی۔

(۲) اور تو چھوڑ دیگا ہر اس چیز کو جسے تو نے عمر بھر مقصود بنایا (یعنی دنیا اور دنیاوی جاہ وجلال) اور تُو منتقل ہو جائیگا اپنے غنا اور مالداری سے فقر (یعنی تکالیف والی اخروی زندگی) کی طرف۔

(۳) پس قبر کے کیڑے تیری آنکھوں میں چریں گے (یعنی تجھے کھائیں گے اور تجھے تکلیف پہنچائیں گے) اور تیرے بعد دوسرے لوگوں کی نظریں تیرے گھر میں گھومیں گی اور نگہبان ہونگی (یعنی تیرے بعد دوسرے لوگ تیرے گھر کے مال ومتاع سے نفع اٹھائیں گے)"۔

راوی کہتا ہے کہ ان اشعار کا امیرالمؤمنین مستضی باللہ پر جو پردے کے اندر بالاخانے میں بہت قریب تھے بڑا اثر ہوا اور روتے ہوئے ان اشعار کو خصوصاً آخری مصرعے کو اپنے محل میں گھومتے ہوئے، روتے اور چیختے ہوئے ساری رات دہراتے رہے۔

راوی کی عربی عبارت یہ ہے۔

فَجَعَلَ الْمُسْتَضِئُ يَمْشِيْ فِيْ قَصْرِهٖ وَيَقُوْلُ: إِيْ وَاللهِ.

* وَتَرْعٰى عَيْنُ غَيْرِكَ فِيْ دِيَارِكَ *

وَيُكَرِّرُهَا وَيَبْكِيْ حَتَّى اللَّيْلِ. ذیل طبقات حنابلہ ج۱ ص ۴۱۰.

یعنی " امیرالمؤمنین مستضی باللہ ساری رات اپنے محل میں گھومتے رہے اور یہ مصرعہ باربار دہرا کر روتے رہے۔

*　وَتَرْعٰی عَیْنُ غَیْرِكَ فِیْ دِیَارِكَ　*

یعنی ” تیرے بعد دوسرے لوگوں کی نظریں تیرے گھر میں گھومیں گی (اور تیرے مال و متاع سے نفع اٹھائیں گی)۔ اور کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! یقیناً بات ایسی ہی ہے “۔

ابن الجوزیؒ کے مواعظ نہایت مؤثر ہوتے تھے۔ کتبِ تاریخ میں ہے۔

وَکَانَ إِذَا وَعَظَ اخْتَلَسَ الْقُلُوْبَ وَتَشَقَّقَتِ النُّفُوْسُ دُوْنَ الْجُیُوْبِ.

یعنی ” ابن الجوزیؒ جب وعظ فرماتے تو لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیتے اور نفوس (یعنی سینے) شدتِ خوف سے گویا پھٹنے لگتے بغیر گریبانوں کے (یعنی اگرچہ گریبان نہیں پھٹتے تھے لیکن لوگوں کے سینے اور نفوس شدتِ خوف کی وجہ سے پھٹنے لگتے) “۔

ابن الجوزیؒ کے چند عارفانہ و واعظانہ اقوال پیش خدمت ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا۔ أَیُّمَا أَفْضَلُ أُسَبِّحُ أَمْ أَسْتَغْفِرُ؟ فَقَالَ: اَلثَّوْبُ الْوَسِخُ أَحْوَجُ إِلَی الصَّابُوْنِ مِنَ الْبَخُوْرِ.

یعنی ” کونسی چیز افضل ہے تسبیح پڑھنا یا استغفار کرنا؟ ابن الجوزیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میلا کپڑا صابن کا زیادہ محتاج ہوتا ہے بمقابلۂ خوشبو کے (یعنی استغفار افضل ہے تسبیح سے۔ استغفار بمنزلۂ صابون ہے اور تسبیح بمنزلۂ خوشبو ہے۔ پس پہلے استغفار سے گناہوں کو دھونا چاہئے بعد میں تسبیح کی خوشبو لگانی چاہئے) “۔

مقصد یہ ہے کہ استغفار افضل ہے تسبیح سے کیونکہ استغفار سے انسان کا دل گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ گناہ سے دل سیاہ اور زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ استغفار سے وہ سیاہی اور زنگ محو ہو جاتا ہے۔ لہٰذا استغفار افضل ہے تسبیح سے۔

کیونکہ تسبیح دل اور نفس کیلئے موجبِ برکت ہے اور یہ قلب و روح کیلئے عطر اور خوشبو کی طرح ہے۔ اور معروف طریقہ یہ ہے کہ کپڑا پہلے صاف کیا جاتا ہے پھر بعد میں خوشبو اور عطر لگایا جاتا ہے۔

ابن الجوزیؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ اَلدُّنیا دَارُ الْإِلٰہِ وَالْمُتَصَرِّفُ فِی الدَّارِ بِغَیْرِ أَمْرِ صَاحِبِہَا لِصٌّ.

یعنی " دنیا اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کی ملکیت ہے اور جو شخص کسی کے گھر میں مالک کی اجازت اور امر کے بغیر کوئی تصرّف کرے وہ چور کہلاتا ہے (مقصد یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے) "۔

مطلب یہ ہے کہ دارِ دنیا کے مالک خدا تعالیٰ ہیں۔ اس گھر میں جو امور ہیں ان کے مالک بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کے مطابق اس گھر میں زندگی گزارنی چاہیئے۔ اور ان احکامات کی مخالفت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے خلاف اقوال و افعال اختیار کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ چور کسی کے گھر میں آ کر چوری کرے۔

ابن الجوزیؒ بہت بڑے محدث تھے۔ کتابوں میں ان کی درج ذیل مبارک اور پیاری دعا منقول ہے۔ یہ دعا نہایت رقّت انگیز ہے۔ عوام و خواص کے افادے کی خاطر ہم اسے یہاں درج کرتے ہیں۔ علماء کرام خصوصاً یہ دعا خشوع و

خضوع سے دہرایا کریں کیونکہ یہ دعا علماء کرام کے احوال سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ابن الجوزیؒ نے خلوت میں اور مجلس مناجات میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی۔

إِلٰهِیْ! لَا تُعَذِّبْ لِسَانًا يُّخْبِرُ عَنْكَ. وَلَا عَيْنًا تَنْظُرُ إِلٰى عُلُوْمٍ تَدُلُّ عَلَيْكَ. وَلَا قَدَمًا تَمْشِیْ إِلٰى خِدْمَتِكَ. وَلَا يَدًا تَكْتُبُ حَدِيْثَ رَسُوْلِكَ. فَبِعِزَّتِكَ لَا تُدْخِلْنِی النَّارَ. فَقَدْ عَلِمَ أَهْلُهَا أَنِّیْ كُنْتُ أَذُبُّ عَنْ دِيْنِكَ.

”اے اللہ! ایسی زبان (یعنی میری زبان) کو عذاب نہ دینا جو تیری ذات اور تیرے احکامات کے بارے میں لوگوں کو تفصیلات بتاتی ہے۔

اور نہ ایسی آنکھ (یعنی میری آنکھ) کو عذاب میں مبتلا کرنا جو ایسے علوم دیکھتی ہے جو تیری ذات کی طرف انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اور نہ ایسے قدم (یعنی میرے قدم) کو عذاب دینا جو تیری خدمت (یعنی تیرے دین کی خدمت) کیلئے چلتا ہے۔

اور نہ ایسے ہاتھ (یعنی میرے ہاتھ) کو عذاب میں مبتلا کرنا جو تیرے پیارے رسول کی احادیث لکھتا ہے۔

اے ربّ! تجھے تیری عزت کی قسم! مجھے جہنم میں داخل نہ کرنا۔ کیونکہ دنیا والے جانتے ہیں کہ میں اسلام سے دشمنانِ اسلام کے شر کو دفع کرتے ہوئے ان کے حملوں سے تیرے دین کی حفاظت کرتا رہتا ہوں“۔

دوستو! یہ دنیا دارِ مصائب و دارِ غموم و ہموم ہے۔ یہ دارِ مسرّات و راحات نہیں ہے۔ یہاں کے مصائب بھی فانی ہیں اور مسرّات بھی فانی ہیں۔

یہ دنیادار العمل ہے۔مبارک ہے وہ انسان جو اس دنیامیں وہ اعمال کرے جن سے اس کی آخرت آباد ہو اور جن کے ذریعے اسے آخرت کی مسرات حاصل ہوسکیں۔

ابراہیم بن المظفر واعظ،محدث بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی سنہ ۶۲۲ھ دنیا کی بے ثباتی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں (ذیل طبقات حنابلہ ج ۲ ص ۱۵۰)۔

مَا هٰذِهِ الدُّنْيَا بِدَارِ مَسَرَّةٍ
فَتَخَوَّفْ مَكْرًا لَّهَا وَخِدَاعًا

بَيْنَا الْفَتٰى فِيْهَا يُسَرُّ بِنَفْسِهٖ
وَبِمَالِهٖ يَسْتَمْتِعُ اسْتِمْتَاعًا

حَتّٰى سَقَتْهُ مِنَ الْمَنِيَّةِ شَرْبَةً
لَا يَسْتَطِيْعُ لِمَا عَرَاهُ دِفَاعًا

لَوْ كَانَ يَنْطِقُ قَالَ مِنْ تَحْتِ الثَّرٰى
فَلْيُحْسِنِ الْعَمَلَ الْفَتٰى مَا اسْطَاعَا

(۱) ”یہ دنیا خوشی اور مسرّت کی جگہ نہیں ہے۔اے انسان ! دنیا کے مکر اور دھوکے سے خوب ڈر۔

(۲) بسا اوقات انسان اس دنیامیں اپنے آپ اور اپنے مال پر بڑا خوش ہوتاہے اور خوب نفع حاصل کررہاہوتاہے۔

(۳) یہاں تک کہ دنیااس کو موت کا پیالہ پلادیتی ہے۔اس وقت انسان درپیش ہونے والے حالات ومصائب کادفاع بھی نہیں کرسکتا۔

(۴) اگر مردہ گفتگو کرتا تو قبر کے نیچے سے آواز دے کر یہ کہتا کہ ہر انسان کو حسبِ استطاعت نیک اعمال کرنے چاہئیں"۔

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی اور موت کا ذکر کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے۔

بزمِ ہستی ہے طلسمِ بے مثالِ زندگی
خاک ہے پروانۂ شمع جمالِ زندگی

جسم بن کر جان سے لپٹی ہوئی آخر فنا
خاک تھی پروانۂ شمع جمالِ زندگی

ہے یہی دستور لیکن کس قدر افسوسناک
زندگی ہی کو سمجھ لینا مآلِ زندگی

عشقِ حسنِ آخرت میں چاہئے مستیٔ روح
موت سے آساں نہیں اے دل وصالِ زندگی

ہے دلیلِ نورِ باطن حبِّ دنیا کا زوال
موت کا مشتاق ہوتا ہے کمالِ زندگی

خوبیٔ معنی کا ہے فطرت میں اے دل اعتبار
حسنِ صورت میں نہیں جاہ و جلالِ زندگی

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قیمتی اور حکیمانہ قول ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ بستان العارفین (ص ۴۱) میں لکھتے ہیں۔

بَلَغَنَا عَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى قَالَ: خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فِيْ خَمْسٍ

خِصَالٍ: غِنَى النَّفْسِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَكَسْبُ الْحَلَالِ، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى، وَالثِّقَةُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.

یعنی ”ہمیں باوثوق ذرائع سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول پہنچا ہے کہ دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی پانچ خصلتیں اختیار کرنے میں ہے۔

اوّل نفس کا استغناء (یعنی دنیاوی مال و متاع کم ہونے کے باوجود نفس غنی ہو)۔

دوم لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے سے اپنے آپ کو روکنا۔

سوم کسبِ مالِ حلال۔

چہارم لباسِ تقویٰ (یعنی تقویٰ اختیار کرنا اور نہایت محتاط ہو کر زندگی گزارنا)۔

پنجم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ پختہ اعتماد ہونا“۔

ان پانچ چیزوں میں ایک کسبِ حلال ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

طلبِ حلال کے سلسلے میں ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض واقعات و احوال آپ نے سن لئے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک اور قول بھی سماعت کیجئے۔

بستان العارفین (ص ۳۳) میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

عَنْ خَلَفِ بْنِ تَمِيْمٍ قَالَ: رَأَيْتُ إِبْرَاهِيْمَ بْنَ أَدْهَمَ بِالشَّامِ فَقُلْتُ: مَا أَقْدَمَكَ هٰهُنَا؟ فَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَقْدَمْهَا لِجِهَادٍ وَّلَا لِرِبَاطٍ وَّلٰكِنْ قَدِمْتُهَا لِأَشْبَعَ مِنْ خُبْزٍ حَلَالٍ.

” خلف بن تمیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) ابراہیم بن ادہمؒ

کو ملک شام میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ اے ابراہیم ! کونسی چیز آپ کو یہاں لے آئی ہے (یعنی آپ کس وجہ سے یہاں تشریف لائے ہیں) ؟ تو ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا کہ نہ میں جہاد کرنے کیلئے یہاں آیا ہوں اور نہ جہاد کی تیاری کیلئے۔ بلکہ میں صرف اس لئے یہاں آیا ہوں تاکہ مجھے کھانے کیلئے حلال روٹی مل جائے "۔

جس شخص کا دل حبِّ دنیا سے بھرا ہوا ہو اور شہواتِ نفسانیہ کا اس پر غلبہ ہو وہ شخص حلال پر اکتفاء نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کا مقصود مال و دولت ہوتا ہے، خواہ وہ مال حلال ہو یا حرام ہو۔ قناعت اور صرف حلال مال پر صبر و اکتفاء کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ جس شخص کو یہ وصف حاصل ہو وہ بڑا سعید ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مَنْ غَلَبَتْ عَلَيْهِ شِدَّةُ الشَّهْوَةِ لِحُبِّ الدُّنْيَا لَزِمَتْهُ الْعُبُودِيَّةُ لِأَهْلِهَا. وَمَنْ رَضِيَ بِالْقُنُوعِ زَالَ عَنْهُ الْخُضُوعُ.

یعنی " جس شخص پر دنیا کی محبت کی وجہ سے شدتِ شہوت کا غلبہ ہو (یعنی دنیا کی طلب میں وہ سرگرداں ہو) تو اس شخص کے ساتھ اہل دنیا کی غلامی لازم ہے (یعنی وہ غلاموں کی طرح اہل دنیا کی نظروں میں ذلیل ہوتا ہے) اور جو آدمی قناعت پر راضی ہو وہ اہل دنیا کے سامنے عاجزی و ذلت سے محفوظ رہتا ہے "۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ گاہ بگاہ انہیں دس دس دن اور پندرہ پندرہ دن تک کھانے کیلئے کچھ نہ ملتا تھا اور بھوکے رہتے تھے لیکن وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے۔

کتبِ تاریخ میں یہ بھی درج ہے کہ بسا اوقات وہ کئی دنوں کی مسلسل

بھوک سے تنگ ہو کر ریت اور مٹی کھاتے تھے۔ بس ان کی غذا اور ان کی خوراک ریت اور مٹی ہوتی تھی۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْفَزَارِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَدْهَمَ رحمه الله تعالى أَنَّهُ أَصَابَتْهُ مَجَاعَةٌ فَمَكَثَ أَيَّامًا يَبُلُّ الرَّمْلَ بِالْمَاءِ فَيَأْكُلُهُ. حلیۃ ج ۷ ص ۳۸۱.

"ابواسحاق فزاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ میں ایک مرتبہ فاقوں میں مبتلا ہوگیا۔ (میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی) چنانچہ میں کئی دنوں تک ریت کو پانی میں بھگو کر کھاتا رہا"۔

قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: مَكَثَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَدْهَمَ رحمه الله تعالى يَأْكُلُ الطِّينَ عِشْرِينَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا مُعَاوِيَةَ! لَوْلَا أَنْ أَتَخَوَّفَ أَنْ أُعِينَ عَلَى نَفْسِي مَا كَانَ لِي طَعَامٌ إِلَّا الطِّينُ. حَتَّى أَلْقَى اللهَ عَزَّ وَجَلَّ. حَتَّى يَصْفُوَ لِيَ الْحَلَالُ مِنْ أَيْنَ هُوَ؟

"ابو معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ دس دن تک (شدت بھوک کی وجہ سے) مٹی کھاتے رہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اے ابومعاویہ! اگر مجھے اپنے نفس کو (شدت بھوک کی وجہ سے) قتل کرنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ہمیشہ مرتے دم تک مٹی ہی کھاتا رہتا۔ یہاں تک کہ مجھے رزق کے حلال ہونے کا یقین دلا دیا جائے کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟"

کتب تاریخ میں ہے۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: قَدِمَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ أَدْهَمَ رحمه الله تعالى مَكَّةَ. فَنَزَلَ عَلَى عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ وَمَعَهُ جِرَابٌ مِّنْ جِلْدِ ظَبْيَةٍ فَعَلَّقَ جِرَابَهُ عَلَى وَتَدٍ. ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الطَّوَافِ. فَدَخَلَ

سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ دَارَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ : لِمَنْ هٰذِهِ الظَّبْيُ (يَعْنِي الْجِرَابَ) ؟ قَالُوا : لِأَخِيكَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَدْهَمَ. فَقَالَ سُفْيَانُ : لَعَلَّ فِيهِ شَيْئًا مِّنْ فَاكِهَةِ الشَّامِ. قَالَ : فَأَنْزَلَهُ فَحَلَّهُ فَإِذَا هُوَ مَحْشُوٌّ بِالطِّيْنِ. فَشَدَّ الْجِرَابَ وَرَدَّهُ إِلَى الْوَتَدِ وَخَرَجَ سُفْيَانُ. فَرَجَعَ إِبْرَاهِيمُ وَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بِفِعْلِ سُفْيَانَ. فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ : أَمَا إِنَّهُ طَعَامِي مُنْذُ شَهْرٍ. حِلیۃ ج ۷ ص ۳۸۱.

یعنی ”سعید بن حرب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عبد العزیز بن ابی رَوّاد کے ہاں ٹھہرے۔ ان کے پاس ہرن کی کھال کا ایک تھیلا بھی تھا۔ ابراہیمؒ نے وہ تھیلا ایک میخ کے ساتھ لٹکایا اور خود طوافِ کعبہ کرنے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ عبد العزیز کے گھر تشریف لائے۔ جب تھیلا لٹکا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ یہ ہرن کی کھال سے بنا ہوا تھیلا کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آپ کے دوست ابراہیم بن ادہمؒ ابھی ابھی ملک شام سے تشریف لائے ہیں۔ یہ تھیلا ان کا ہے۔

سفیانؒ نے فرمایا کہ شاید اس تھیلے میں ملک شام کا کوئی پھل وغیرہ ہو گا۔ چنانچہ سفیانؒ نے وہ تھیلا اتارا۔ جب اسے کھول کر دیکھا تو وہ مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر سفیانؒ نے تھیلا اسی طرح بند کر دیا اور لٹکا کر چلے گئے۔ بعد میں جب ابراہیم بن ادہمؒ طواف کر کے واپس آئے تو میزبان عبد العزیز نے بتایا کہ آپ کے جانے کے بعد آپ کے دوست سفیان ثوریؒ تشریف لائے تھے اور انہوں نے آپ کا یہ تھیلا کھول کر دیکھا کہ شاید اس میں کوئی پھل وغیرہ ہو۔ یہ سن کر ابراہیم بن ادہمؒ نے فرمایا کہ یہ مٹی ایک ماہ سے میرا طعام ہے“۔

یہ پیٹ اور پیٹ کی خواہش اور دیگر نفسانی خواہشات انسان کو حرام میں مبتلا کرنے والی چیزیں ہیں۔ پس پیٹ کی خواہش پر جس شخص نے قابو پالیا وہ بڑا نیک بخت ہے۔ یہ پیٹ انسان کو حرام کھانے کی دعوت دیتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ابراہیم بن ادہمؒ کا پیٹ اور پیٹ کی خواہش پر کتنا کنٹرول تھا۔ انہوں نے اپنے پیٹ کو مٹی کھانے پر راضی کرلیا تھا۔

حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور ولی اللہ گزرے ہیں۔ ان کا خواہشاتِ نفسانیہ کے بارے میں ایک قیمتی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اَلشَّهْوَةُ فِيْ ثَلَاثٍ: فِي الْأَكْلِ، وَالنَّظَرِ، وَاللِّسَانِ. فَاحْفَظِ اللِّسَانَ بِالصِّدْقِ، وَالْأَكْلَ بِالثِّقَةِ، وَالنَّظَرَ بِالْعِبْرَةِ. حِلیہ ج ۸ ص ۸۳.

یعنی ” خواہشاتِ نفسانیہ کا تعلق تین چیزوں سے ہے۔ کھانے سے، نظر سے اور زبان سے (یعنی ان تین امور سے خواہشات پیدا ہوتی ہیں)۔

لہٰذا (اے انسان ! تو ان خواہشات پر اس طریقے سے قابو پا سکتا ہے کہ) اپنی زبان کی حفاظت کر صدق گوئی کے ساتھ (یعنی جب تو سچ بولے گا تو جھوٹ سے بچا رہیگا)۔

اور اپنے طعام کی حفاظت کر اعتماد اور یقین کے ساتھ (یعنی جب تو پوری تحقیق کے ساتھ رزق حلال کھائے گا تو حرام رزق سے محفوظ رہیگا)۔

اور اپنی نگاہ کی حفاظت کر عبرت کے ساتھ (یعنی جب تو اپنی نگاہ سے عبرت آموز و سبق آموز چیزیں دیکھے گا تو تُو ناجائز اور حرام چیزوں کو دیکھنے سے بچا رہیگا) “۔

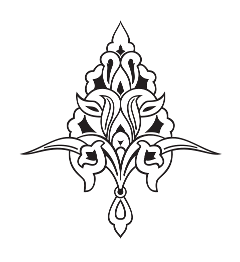
آجکل لوگ شہواتِ نفسانیہ ومسرّاتِ ظاہریّہ کو مطلوبِ اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ صورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور حقائقِ باطنیہ ومعانی سے اعراض کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شہواتِ دُنیاویّہ ومسرّاتِ ظاہریّہ فانی ہیں۔

بزمِ دنیا میں فقط صورت پرستی رہ گئی
وہ جمالِ شاہدِ معنی کے دیوانے گئے
صورتِ فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے
مجھ کو حیرت ہے کہ بت کیونکر خدا مانے گئے

صراطِ مستقیم پر چلنا اور عبادت وفکرِ آخرت کو مقصودِ اصلی بنانا ابدی سعادت ودائمی نعمت ہے۔

اللہ جلّ جلالہٗ ہمیں شہواتِ نفسانیّہ، خواہشاتِ دنیاویّہ اور مسرّاتِ فانیہ کو مطلوبِ اعلیٰ بنانے سے بچائیں اور حصولِ مسرّاتِ اُخرویّہ کے شوق ومحبت سے ہمارے دلوں کو معمور ومخمور فرمائیں۔ آمین۔

هٰذَا آخِرُ مَا أَرَدْتُّ إِيْرَادَهٗ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا وَفَّقَنِيْ لِجَمْعِهٖ وَبَسْطِهٖ وَإِتْمَامِهٖ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ أَجْمَعِيْنَ.



فہرستِ مضامین

تمت

فهرستُ مؤلفات الروحـَاني البـَازي

أعلى الله درجاته في دارالسّلام و طيّب آثاره

ندرج ههنا مؤلفات المحدّث المفسّر الفقيه الرحلة الحجّة الشهير في الآفاق جامع المعقول و المنقول أمير المؤمنين في الحديث العلامة الأوحدي و الفهامة اللوذعي الشاعر اللغوي الأديب الشيخ مولانا محمد موسى الروحاني البازي وآثاره العلمية الخالدة . رَحمه الله تعالى رحمة واسعة .

قال الشيخ الروحاني البازي رحمه الله تعالى في بعض مؤلفاته :
تصانيفي بعضها باللغة العربية وبعضها بلغة الأردو وبعضها بالفارسية وغيرها من الألسنة ثم إن بعضها مطبوعة وبعضها غير مطبوعة لعدم تيسر أسباب الطباعة . و بعضها صغار و بعضها كبار و بعضها في عدة مجلدات .

وقد وفّقني الله تعالى للتصنيف في جميع الفنون الرائجة قديمًا وحديثًا في علماء الإسلام رحمهم الله تعالى مثل فنّ علم التفسير و فنّ أصوله و علم رواية الحديث و علم الفقه و أصوله و علم اللغة العربية و الأدب العربي و علم الصرف و علم الاشتقاق و علم النحو و علم الفروق اللغوية و علم العروض و علم القافية وعلم أصول العروض و في الدعوة الإسلامية والنصائح و علم المنطق و علم الطبيعي من الفلسفة و علم الإلٰهيات و علم الهيئة القديمة و علم الهيئة الحديثة و علم الأخلاق و علم العقائد الإسلامية وعلم الفِرق المختلفة و علم الأمور العامة و علم التاريخ و علم التجويد و علم القراءة . ولله الحمد و المنة .

وكذلك درست بتوفيق الله تعالى في المدارس والجامعات كتب أكثر هذه الفنون إلى مدة . ولله الحمد والمنة .

هذه أسماء نبذة من تصانيف الشيخ البازي رحمه الله تعالى في العلوم المختلفة والفنون المتعددة من غير استقصاء

في علم التفسير

١ - شرح و تفسير لنحو ثلاثين سورةً من آخر القرآن الشريف . هو تفسير مفيد مشتمل على أسرار و علوم .

٢ - أزهار التّسهيل في مجلّدات كثيرة تزيد على أربعين مجلّدًا . هو شرح مبسوط للتفسير المشهور بأنوار التنزيل للعلامة المحقّق البيضاوي .

٣ - أثمار التكميل مقدمة أزهار التسهيل في مجلّدين .

٤ - كتابُ علوم القرآن . بيّن فيه المصنف البازي رحمه الله تعالى أصول التفسير ومباديه و علومه الكلية وأتى فيه بمسائل مفيدة مهمة إلى غاية .

٥ - تفسير آية " قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ " الآية . ذكر فيه المصنف البازي رحمه الله تعالى من باب سعة رحمة الله غرائب أسرار و عجائب مكنونة مشتملة عليها هذه الآية نحو سبعين سرًّا و هذه أسرار لطيفة مثيرة لساكن العزمات إلى غرفات نيرات في روضات الجنّات . فتحها الله عزّ وجلّ على المصنف وقد خلت عنها زبر السلف والخلف . ولله الحمد و المنة .

٦ - كتاب تفسير آيات متفرقة من كتاب الله عزّ وجلّ و هو مجموعة خطابات تفسيرية كان المصنف البازي يلقيها على الناس و يذيعها بوساطة الراديو في باكستان و ذلك إلى مدة .

٧ - كتاب ثبوت النّسخ في غير واحد من الأحكام القرآنية و الحديثية و حكم النسخ و أسراره ومصالحه . رسالة مهمة جدًّا فيها أسرار النسخ ما خلت

عنها الكتب . كتبها المصنّف البازي دمغًا لمطاعن غلام أحمد برويز رئيس طائفة الملاحدة المنكرين حجيّة الأحاديث النبويّة في الأحكام الإسلامية . أبطل فيها المصنف البازي رحمه الله تعالى اعتراضات هذا الملحد على الإسلام و على حكم النسخ . و ذلك بعد ما اتّفقت مناظرات قلميّة و خطابيّة بين المصنّف و بين هـذا الملحد غلام أحمد و أتباعه .

٨ - فتح الله بخصائص الاسم الله . كتاب بديع كبير في مجلدين ضخمين ذكر فيه المصنف البازي رحمه الله تعالى نحو سبعمائة وخمسين من خصائص ومزايا للاسم الله (الجلالة) ظاهرية و باطنية لغوية و أدبية و روحانية و نحوية و اشتقاقية و عددية و تفسيرية و تاثيرية . و هو من بدائع كتب الدنيا ما لا نظير له في كتب السلف والخلف ولا يطالعه أحد من العلماء أصحاب الذوق السليم والطبع المستقيم إلّا و هو يتعجب مما اجتهد المصنف البازي في جمع الأسرار و البدائع .

٩ - رسالة في تفسير "هدًى للمتّقين" فيها نحو عشرين جوابًا لحلّ إشكال تخصيص الهداية بالمتّقين .

١٠ - مختصر فتح الله بخصائص الاسم الله .

في علم الحديث

١ - شرح حصّة من صحيح مسلم .

٢ - شرح سنن ابن ماجه .

٣ - كتاب علوم الحديث . هذا كتاب مفيد مشتمل على مباحث و علوم من باب أصول الحديث رواية و دراية .

٤ - رياض السنن شرح السنن و الجامع للإمام الترمذي رحمه الله تعالى في مجلدات كثيرة .

٥ - فتح العليم بحلّ الإشكال العظيم في حديث " كما صلّيت على إبراهيم" .

هذا كتاب كبير بديع لا نظير له . فتح الله تعالى فيه برحمته وفضله على المصنف البازي أبوابًا من العلوم ما مستها أيدي العقول وما انتهت إليها عقول العلماء الفحول إلى هذا الزمان . ذكر المصنّف في هذا الكتاب لحلّ هذا الإشكال العظيم نحو مائة و تسعين جوابًا . قال بعض العلماء الكبار في حق هذا الكتاب : ما سمعنا أن أحدًا من علماء السلف و الخلف أجاب عن مسألة دينية و معضلة علمية هذا العدد من الأجوبة بل و لا نصف هذا العدد .

٦ - أجر الله الجزيل على عمل العبد القليل .

٧ - كتاب الفرق بين النبي و الرسول . هذا كتاب بديع لطيف ذكر فيه المصنف البازي أكثر من ثلاثين فرقًا بين النبي و الرسول مع بيان عجائب الغرائب و غرائب العجائب و بدائع الروائع و روائع البدائع من باب علوم متعلقة بحقيقة النبوة و بشان الأنبياء عليهم الصلاة والسلام . و هذا الكتاب لا نظير له في الكتب .

٨ - كتاب الدعاء . كتاب كبير نافع مشتمل على أبحاث مهمة لا غنى عنها .

٩ - النفحة الربانية في كون الأحاديث حجة في القواعد العربية . هذا كتاب كبير أثبت فيه المصنف البازي أن الأحاديث حجة في باب العربية و اللغة . و هو من عجائب الكتب .

١٠ - مختصر فتح العليم .

١١ - كتاب الأربعين البازية .

١٢ - الكنز الأعظم في تعيين الاسم الأعظم . كتاب جامع في هذا الموضوع لم تر العيون نظيرَه في كتب المتقدّمين و لم يقف أحد على مثيله في أسفار المتأخّرين .

١٣ - البركات المكيّة في الصلوات النبوية . كتاب بديع مبارك ذكر فيه المصنف البازي أكثر من ثمانمائة اسم محقّق من أسماء النبي صلى الله عليه وسلم في صورة

الصلوات على خاتم النبيّين ﷺ .

١٤ - كتاب كبير على حجيّة الأحاديث النبويّة في الأحكام الإسلامية . كتبها المصنّف دمغًا لمطاعن طائفة الملاحدة المنكرين حجيّة الأحاديث النبويّة في الأحكام الإسلامية .

في علم أصول الفقه

١ - شرح التوضيح والتلويح . التوضيح والتلويح كتاب مغلق دقيق محقق جدًّا في أصول الفقه و يدرس في مدارس الهند و باكستان و أفغانستان وغيرها . وهو كتاب عويص لايفهم دقائقه وأسراره إلّا الآحاد من أكابر الفن فشرحه المصنف البازي شرحًا محققا و أتى فيه ببدائع النفائس و نفائس البدائع .

في علم الأدب العربي

١ - شرح مفصل لديوان أبي الطيّب المتنبي .

٢ - شرح آخر مختصر لديوان أبي الطيب .

٣ - خصائص اللغة العربيّة و مزاياها . هو كتاب ضخيم نفيس لا نظير له في بابه فصل فيه المصنف البازي رحمه الله تعالى الفضائل الكلية و الجزئية لهذه اللغة المباركة و أتى فيه بلطائف وغرائب و بدائع و روائع تسرّ الناظرين و تهزّ أعطاف الكاملين و حق ما قيل : كم ترك الأول للآخر .

٤ - رشحات القلم في الفروق . هذا الكتاب مما يحتاج إليه كل عالم ومتعلم لم يصنف في هذا الموضوع أحد قبل ذلك أثبت فيه المصنف البازي علومًا و حقائق الفروق و دقائق الحدود و لطائف التعريفات للمصدر الصريح والمصدر المأوّل وحاصل المصدر واسم المصدر وعلم المصدر والجنس و اسم الجنس وعلم الجنس و الجمع و اسم الجمع و شبه الجمع والجنس اللغوي والفقهي والعرفي والمنطقي والأصولي و نحو ذلك من المباحث المفيدة إلى غاية .

٥ - شرح ديوان حسان رضي الله عنه .

٦ - الطوبٰى . قصيدة في نظم أسماء الله الحسنى شهيرة طبعت في صورة رسالة مستقلة أكثر من خمس و عشرين مرة استحسنها العوام و الخواص و استفادوا منها كثيرًا .

٧ - الحسنٰى . قصيدة في نظم أسماء النبي صلى الله عليه وسلم طبعت في صورة رسالة منفردة مرارًا .

٨ - المباحث الممهدة في شرح المقدمة . رسالة نافعة في مباحث لفظ المقدّمة الواقع في الخطب .

٩ - ديوان القصائد . مشتمل على أشعاري و قصائدي .

في علم النحو

١ - بُغية الكامل السامي شرح المحصول و الحاصل لملاّ جامي . هذا شرح مبسوط محتو على مباحث و حقائق متعلّقة بالفعل والحرف والاسم و حدودها وعلاماتها و وقوعها محكومًا عليها و بها وغير ذلك من أبحاث تتعلّق بهذا الموضوع . و هذا كتاب لا نظير له في كتب النحو . فيه بدائع و حقائق خلت عنها كتب السلف و الخلف . و كتب بعض كبار العلماء في تقريضه : هذا الكتاب غاية العقل في هذا الموضوع . و من أراد أن يطلع على حقائق الاسم و الفعل و الحرف فوق هذا و أكثر من هذا فليستح .

٢ - التعليقات على الفوائد الضيائية للجامي . هذا شرح الكتاب للعلامة ملاّ جامي . و هو كتاب معروف و متداول في ديار باكستان و الهند و أفغانستان و بنغله ديش و غيرها و يدرس في مدارسها .

٣ - النجم السعد في مباحث " أمّابعد " . هذا كتاب مفيد لطيف بيّن فيها المصنف البازي رحمه الله تعالى مباحث فصل الخطاب لفظة " أمّابعد " و أوّل

قائلها و حكمها الشرعي و إعرابها و ما ينضاف إلى ذلك من المباحث المفيدة و ذكر نحو ١٣٣٩٧٤٠ وجهًا و طريقًا من وجوه إعراب و طرق تركيب يحتملها "أمّابعد". و هذا من عجائب اللغة العربية فانظر إلى هذه الكلمة المختصرة و إلى هذه الوجوه الكثيرة .

٤ - لطائف البال في الفروق بين الأهل و الآل . هو كتاب صغير حجمًا كبير مغزى نافع جدًّا لا مثيل له في موضوعه . جمع فيه المصنف البازي فروقًا كثيرة و مباحث و دقائق يجهلها كثير من الناس و يحتاج إليها العلماء .

٥ - نفحة الرّيحانه في أسرار لفظة سبحانه . رسالة مفيدة مشتملة على أسرار هذه اللّفظة .

٦ - الطريق العادل إلى بغية الكامل .

٧ - كتاب الدرّة الفريدة ، في الكلم التي تكون اسمًا و فعلًا و حرفًا أو حوت قسمين من أقسام الكلمة الثلاثة . ذكر المصنف رحمه الله تعالى في هذا الكتاب الذي هو نظير نفسه كلمات تكون اسمًا مرة و حرفًا حينا و فعلا مرة أخرى . و هذا من غرائب كتب الدنيا و مما لا مثيل له .

٨ - رسالة في عمل الاسم الجامد .

٩ - النهج السهل إلى مباحث الآل و الأهل . كتاب نافع لأولي الألباب و سِفر رافع لدرجات الطلّاب لم تسمح في هذا الموضوع قريحة بمثاله و لم ينسج في هذا المطلوب ناسج على منواله . كتاب فريد جمع أبحاث الأهل و الآل منها الفروق بين هذه اللفظين التي بلغت أكثر من خمسة و ثلاثين فرقًا و منها الأقاويل في أصل الآل و منها المباحث و الأقوال في محمل آل النبي صلى الله عليه وسلم والمراد بهم و غير ذلك من المباحث المفيدة المهمّة جدًّا .

١٠ - رسالة بديعة في حقيقة المشتق .

١١ - رسالة في حقيقة الفعل .

١٢ - رسالة في حقيقة الحرف .

في علم الصرف

١ – كتاب الصّرف . هو كتاب نافع على منوال جديد .

٢ – التصريف . كتاب دقيق في هذا الفن لا نظير له .

٣ – كتاب الأبواب و تصريفاتها الصغيرة و الكبيرة .

في علمي العروض و القوافي

١ – الرّياض الناضرة شرح محيط الدّائرة .

٢ – العيون الناظرة إلى الرياض الناضرة . هذا كتاب لطيف و مفيد جدًّا مشتمل على أصول هذا الفنّ و أنواع الشعر و ما يتعلّق بذلك من البدائع و الحقائق الشريفة .

٣ – كتاب الوافي شرح الكافي . هذا شرح مبسوط للكتاب المشهور بالكافي .

في اللغة العربيّة

١ – كتاب الفروق اللغوية بين الألفاظ العربية هو كتاب نافع جدًّا لكل عالم و متعلم و بغية مشتاقي الأدب العربي أوضح فيه المصنف فروق مآت ألفاظ متقاربة معنى .

٢ – نعم النّول في أسرار لفظة القول . كتاب مفيد فصلت فيه أبحاث و مسائل متعلقة بلفظة القول و مادة " ق ، و ، ل " . و أتى فيه المصنف البازي أسرارًا و أثبت بالدلائل أن هذا البناء بحر فحدث عن البحر ولا حرج .

٣ – كتاب زيادة المعنى لزيادة المبنى . ذكر المصنّف فيه أن زيادة المادة و الحروف تدلّ على زيادة المعنى و أتى بشواهد من القرآن و الحديث و اللغة و أقوال الأئمة .

٤ – فتح الصمد في نظم أسماء الأسد المعروف بلقب نظم الفقير الروحاني في رثاء الشيخ عبدالحق الحقّاني . هذه قصيدة فريدة لا نظير لها في الماضي قد

جمع فيها المصنف ما ينيف على ستمائة من أسماء الأسد و ما يتعلق بالأسد و هي في رثاء المحدّث الكبير مسند العَصر جامع المعقولات و المنقولات شيخ الحديث مولانا عبدالحق رحمه الله تعالى مؤسّس جامعة دارالعلوم الحقانية ببلدة أكوره ختك .

٥ - كتاب كبير في أسماء الأسد و ما يتعلق بالأسد .

٦ - رسالة في وضع اللغات .

في النصائح و الدعوة الإسلامية العامة

١ - تعليم الرفق في طلب الرزق .

٢ - استعظام الصغائر .

٣ - تنبيه العقلاء على حقوق النساء .

٤ - ترغيب المسلمين في الرزق الحلال و طِعمة الصالحين .

٥ - منازل الإسلام .

٦ - فوائد الاتفاق .

٧ - عدل الحاكم و رعاية الرعية .

٨ - جنة القناعة .

٩ - أحوال القبر و ذكر ما فيها عبرة .

١٠ - الموت و ما فيه من الموعظة .

١١ - مَن العاقل و ما تعريفه و حدّه .

١٢ - التوحيد و مقتضاه و ثمراته .

في علم التاريخ

١ - تحبير الحسب بمعرفة أقسام العرب وطبقات العرب . كتاب مفيد فيه بيان طبقات العرب وتفصيل أقسامهم و ما ينضاف إلى ذلك .

٢ - الصحيفة المبرورة في معرفة الفرق المشهورة . بيّن المصنف البازي في هذا

الكتاب أحوال الفرق في المسلمين و تفاصيل مؤسس كل فرقة .

٣ - مرآة النّجباء في تاريخ الأنبياء . هذا كتاب تاريخي مشتمل على أهم واقعات الأنبياء وتواريخهم عليهم الصلاة والسلام .

٤ - التحقيق في الزنديق . رسالة لطيفة فيها تفصيل تعريف الزنديق و تحقيق لفظه و بيان مصداقه من الفرق الباطلة و حقق فيه المصنف البازي رحمه الله تعالى مستدلاًّ بالكتاب و السنة وأقوال الأئمة الكبار أن الفرقة القاديانية أتباع المتنبي غلام أحمد الكذاب الدجال من الزنادقة و أنه لا يجوز إبقاؤهم في الدول الإسلامية بأخذ الجزية عنهم بل يجب قتلهم .

٥ - عبرة السائس بأحوال ملوك فارس . فصل المصنف البازي رحمه الله تعالى فيه تراجم ملوك فارس حسب ترتيب تملكهم وأحوال طبقتي ملوكهم الكينية و الساسانية و ما آل إليه أمرهم و في ذلك عبرة للمعتبرين .

٦ - غاية الطلب في أسواق العرب . كتاب أدبي تاريخي ذكر فيه المصنف البازي تواريخ الأسواق المشهورة في العرب و ما يتعلق بذلك الموضوع من حقائق أدبية .

٧ - إعلام الكرام بأحوال الملائكة العظام . بلغة أردو .

٨ - تراجم شارحي تفسير البيضاوي و مُحشّيه .

٩ - الطاحون في أحوال الطاعون .

١٠ - النظرة إلى الفترة . كتاب صغير مهم تاريخي في مصاديق زمن الفترة و أقسامها بأحكامها وما يتعلق بهذا الموضوع .

١١ - تاريخ العلماء و الأعيان .

١٢ - ترجمة سلمان الفارسي رضي الله عنه .

١٣ - توجيهات علمية لأنوار مقبرة سلمان الفارسي رضي الله عنه . كتاب بديع بيّن فيه المصنف رحمه الله تعالى نحو ثلاثين توجيها علميا لأنوار قبر سلمان الفارسي رضي الله عنه .

في علم المنطق

١ - شكر الله على شرح حمد الله للسنديلي . كتاب حمد الله شرح سلم العلوم للشيخ العلامة حمد الله السنديلي كتاب كبير مغلق دقيق محقق جدًّا في المنطق وهو مما يقرأ و يدرس في مدارس الهند و باكستان و أفغانستان و غيرها لازما و لا يفهم دقائقه و أسراره إلّا بعض أكابر الفن وللمصنف البازي رحمه الله تعالى شهرة في حل هذا الكتاب فشرحه شرحا محققا و أتى فيه ببدائع .

٢ - التعليقات على شرح القاضي مبارك لسلّم العلوم . كتاب القاضي مبارك كتاب نهائي في المنطق و أشهر كتاب في هذا الفن قد اشتهر بين العلماء و الطلبة بأنه عويص و عسير فهما لأجل العبارات الدقيقة الجامعة للأسرار العلمية و أنه لا يقدر على تدريسه و فهمه إلّا القليل حتى قيل في حقه : كاد أن يكون مجملا مبهما . و هذا الكتاب يدرس في مدارسنا و جامعاتنا فشرحه المصنف البازي شرحًا مبسوطا و سهل فهمه للعلماء و الطلبة .

٣ - التعليقات على سلّم العلوم .

٤ - التعليقات على شرح مير زاهد على ملاّ جلال .

٥ - الثمرات الإلهاميّة لاختلاف أهل المنطق و العربية في أن حكم الشرطية هل هو بين المقدم والتالي أو هو في التالي . بيّن المصنف البازي ثمرات و نتائج اختلاف الفريقين المذكورين في محل القضية الشرطية هل هوفيما بين الشرط و الجزاء أو في الجزاء فقط و فرع على ذلك غير واحد من أدقّ مسائل الحنفية و الشافعية و غير ذلك من الأسرار و هو كتاب عويص لا يفهمه إلّا الآحاد من أكابر الفن و لا نظير له .

٦ - شرح مبحث الوجود الرابطي من كتاب حمد الله (باللغة العربية) .

٧ - شرح بحث الوجود الرابطي من كتاب حمد الله (بلغة الأردو) .

٨ - التحقيقات العلميّة في نفي الاختلاف في محلّ نسبة القضيّة الشرطية بين علماء المنطق وعلماء العربية. هذا كتاب لانظير له عويص لايفهمه إلّا بعض الأفاضل الماهرين في المعقول و المنقول حقق فيه المصنّف البازي أن هذا الاختلاف وإن كان مشهورًا مسلّما لكن الحق أنه لا خلاف بين هاتين الطائفتين وأن محل النسبة إنما هو بين الشرط و الجزاء عند كلا الفريقين أهل المنطق و أهل العربية و أيّد المصنف مدعاه هذا بإيراد حوالات كتب النحو و ذكر أقوال أئمة النحو و حقق ما لا يقدر عليه إلّا مَن كان ذامطالعة وسيعة جدًّا .

في الطبعيات و الإلٰهيات من الفلسفة

١ - تعليقات على كتاب صدرا شرح هداية الحكمة للعلامة الصدر الشيرازي .

٢ - تعليقات على كتاب مير زاهد شرح الأمور العامة .

في علم الفلك القديم اليوناني البطليموسي

١ - شرح التصريح على التشريح . هذا شرح جامع مبسوط لكتاب التصريح المشهور المتداول في مدارس الهند و باكستان و أفغانستان و غيرها .

٢ - التعليقات على شرح الجغميني . هذه التعليقات جامعة لمسائل علم الفلك القديم مع ذكر مسائل الفلك الحديث بالاختصار . وكتاب شرح الجغميني متداول في دروس مدارسنا .

٣ - نيل البصيرة في نسبة سُبع عرض الشعيرة . فصّل المصنف البازي رحمہ اللہ تعالیٰ في هذا الكتاب العجيب مسائل مشكلة ومباحث مغلقة منها أن الجبال هل تضر في الكروية الحسية للأرض أم لا ، بحث فيه المصنف على تعيين أعظم الجبال ارتفاعًا في الزمان الحاضر و في العهد القديم ثم بيّن نسبة أعظم الجبال ارتفاعًا إلى قطر الأرض بيانًا شافيًا .

٤ - كتاب أبعاد السيّارات و الثوابت و أجرامهنّ حسبما اقتضاه علم الفلك

القديم البطليموسي .

٥ - كتاب وجوه تقسيم الفلاسفة للدائرة ٣٦٠ جزء قد أجمع الفلاسفة منذ أقدم الأعصار على تقسيم الدائرة إلى ثلاثمائة و ستين درجة ولا يدري الفضلاء فضلًا عن الطلبة تفصيل وجوه ذلك . فذكر المصنف البازي في هذا الكتاب الذي هو نظير نفسه وجوهًا كثيرة غريبة بديعة قد شرح الله تعالى لها صدره و تفرد بها حيث لم يخطر إلى الآن هذه الوجوه على قلب أحد من العلماء .

في علم الفلك الحديث الكوبرنيكسي

١ - الهيئة الكبرى . كتاب كبير مفصّل .

٢ - سماء الفكرى شرح الهيئة الكبرى . هذا شرح لطيف مفيد جدًّا صنف المصنّف الروحاني البازي رحمه الله تعالى هذا المتن الهيئة الكبرى بإشارة جمع من أكابر العلماء و أماثل الفضلاء ثم شرحه أيضًا بطلبهم و إشارتهم .

٣ - الشرح الكبير للهيئة الكبرى .

٤ - كتاب الهيئة الكبيرة . كتاب كبير جامع لمسائل الفن لا نظير له .

٥ - أين محلّ السماوات السبع . هذا كتاب نفيس مُهِمّ لم يصنّف أحد قبل هذا في هذا الموضوع . صنّفه المصنّف البازي لدفع مطاعن المتنوّرين و الفجرة حيث زعموا أن بنيان الإسلام صار متزلزلا و قصره أصبح خاويًا ، إذ بطلت عقيدة السماوات السبع القرآنية لأجل إطلاق السفن الفضائية و الصواريخ إلى القمر و إلى الزهرة وغير ذلك من السيارات فدمغ المصنف في هذا الكتاب العظيم مطاعنهم بأدلة مقنعة و أثبت أن هذه الأسفار الفضائية تؤيد الإسلام و أصوله و أنها لا تصادم السماوات القرآنية .

٦ - هل للسموات أبواب (باللغة العربي) .

٧ - هل للسموات أبواب (بلغة الأردو) .

٨ - هل الكواكب و النجوم متحركة بذاتها (باللغة العربي) .

٩ - هل للنجوم حركة ذاتية (بلغة الأردو) .

١٠ - كتاب السدم و المجرات و ميلاد النجوم و السيارات (باللغة العربي) .

١١ - هل السماء و الفلك مترادفان (باللغة العربي) .

١٢ - السماء غير الفلك شرعًا (بلغة الأردو) . حقق المصنف في هذين الكتابين اللطيفين البديعين أن السماء تغاير الفلك شرعًا و أن السماء فوق الفلك و أن النجوم واقعة في أفلاك لا في أثخان السماوات . واستدلّ في ذلك بنصوص إسلامية كثيرة و بأقوال كبار علماء علم الفلك الجديد وبأقوال أئمة الإسلام .

١٣ - عمر العالم و قيام القيامة عند علماء الفلك و علماء الإسلام (بلغة الأردو) .

١٤ - الفلكيّات الجديدة . من عجائب كتب الفن كتاب جامع لأصول هذا الفنّ لانظير له ولكونه جامعًا متفردًا في موضوعه وأسلوب بيانه قرره علماء دولتنا في نصاب كتب المدارس والجامعات وجعلوا تدريسه لازمًا في جميع الجامعات و المدارس .

١٥ - كتاب أسرار تقرر الشهور و السنين القمرية في الإسلام .

١٦ - كتاب شرح حديث " أن النبي عليه الصلاة والسلام كان يصلي العشاء لسقوط القمر لليلة ثالثة " .

١٧ - التقاويم المختلفة و تواريخها و أحوال مباديها و تفاصيل ذلك .

١٨ - أين مواقع النجوم هل هي في أثخان السموات أو تحتهن عند علماء الإسلام و عند أصحاب الفلسفة الجديدة .

١٩ - قدرالمدّة من الفجر إلى طلوع الشمس . هذا كتاب دقيق لايفهمه إلّا المهرة . ألّفه المصنّف عند تحكيم أكابر العلماء إيّاه في هذه المسئلة الكثيرة الاختلاف وقد اختلف العلماء والعوام في هذه المسألة كثيرًا حتى أفضى

الأمر إلى الجدال و القتال و ذلك إلى عدة سنين فجعلوا المصنف البازي حكمًا و التمسوا منه أن يحقق الحق و الصواب فكتب المصنف هذا الكتاب و أوضح فيه الحسابات الدقيقة لسير الشمس فاستحسن العلماء هذا الكتاب جدًّا و اعتقدوا صحة ما فيه و عملوا على وفق ما حقق المصنف و ارتفع النزاع و اضمحل الباطل .

٢٠ - هل السماوات القرآنية أجسام صلبة أو هي عبارة عن طبقات فضائيّة غير مجسمة . هذا كتاب مهم و بديع جدًّا .

٢١ - هل الأرض متحرّكة ؟ هذا كتاب مفيد جدًّا جمع فيه المصنف البازي أقوال علماء الإسلام وآراء الفلاسفة من القدماء و المحدثين مما يتعلق بهذا الموضوع .

٢٢ - كتاب عيد الفطر و سير القمر . فيه أبحاث جديدة مفيدة مهمة مثل بحث المطالع و تقدم عيد مكة على عيد باكستان بيوم أو يومين . كتبها المصنف البازي رحمه الله تعالى دمغًا لمطاعن المتنورين الملحدين على علماء الدين بأنهم لا يعرفون العلوم الجديدة .

٢٣ - القمر في الإسلام و الهيئة الجديدة و القديمة .

٢٤ - قصة النجوم . هو كتاب ضخم .

٢٥ - كتاب الهيئة الحديثة . كتاب كبير جامع للمسائل و الأبحاث . أوّل كتاب أُلّف باللغة العربية في هذا الفن في ديار الهند و إيران و أفغانستان و باكستان وغيرها و مع هذا هو أوّل كتاب صنّفه المصنّف البازي رحمه الله تعالى في هذا الفنّ .

٢٦ - شرح الهيئة الحديثة (بلغة الأردو) .

٢٧ - الهيئة الوُسطى (باللغة العربي) .

٢٨ - النجوم النُشطى شرح الهيئة الوسطى (بلغة الأردو) .

٢٩ - الهيئة الصغرى (باللغة العربي) .

٣٠ - مدارالبشرى شرح الهيئة الصغرى (بلغة الأردو) .

٣١ - ميزان الهيئة .

في الموضوعات المتفرّقة

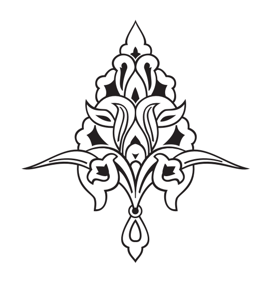
١ - كتاب أسرار الإسراء إلى بيت المقدس قبل العروج إلى السماء . هذا كتاب لطيف جامع لكثير من الحكم و الأسرار في الإسراء إلى بيت المقدس .

٢ - الخواصّ العلميّة للاسمين محمد و أحمد اسمي نبيّنا ﷺ .

٣ - كتاب الحكمة في حفظ الله الكعبة من أصحاب الفيل دون غيرهم . ذكر المصنف البازي رحمہ اللہ تعالیٰ في هذا الكتاب الصغير أسرارًا و حكمًا مخفية في حفظ الله تعالى بيت الله من أصحاب الفيل دون غيرهم من أصحاب الحجّاج الظالم ومن الملاحدة الباطنية . و هذه الأسرار لا توجد في الكتب . صنفه البازي باقتراح بعض أكابر العلماء .

٤ - كتاب الحكايات الحكميّة .

٥ - فردوس الفوائد . كتاب كبير في عدة مجلدات .





فتح اللہ

بخصائص الاسم اللہ

تصنیف

محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ و أعلی درجاتہ فی دار السلام

علم و درایت کے جہاں میں روشنی کا ایک جگمگاتا مینار

بزبانِ عربی یہ گراں مایہ اور عدیم النظیر کتاب معبود حقیقی کے اسم ذاتی یعنی لفظ "اللہ" کے ساڑھے سات سو سے زائد عجیب و لطیف علمی اسرار و رموز اور حقائق و معارف پر حاوی ہے جن کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت و ہیبت کا احساس اور اس کے عَلَم کی جامعیت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔

ایک ایسا موضوع جس پر آج تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا

اس معرکۃ الآراء و محیر العقول کتاب کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے بعض اولیاء اللہ و اہل کشف فرمانے لگے کہ یہ عظیم القدر کتاب اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور الہام سے لکھی گئی ہے اور اگر دو ہزار علماء کبار بھی جمع ہو جائیں تو ایسی بصیرت افروز و دقیق کتاب نہیں لکھ سکتے۔



بحلّ إشكال التّشبيه العظيم

فی حدیث: "کما صلّیت علی إبراہیم"

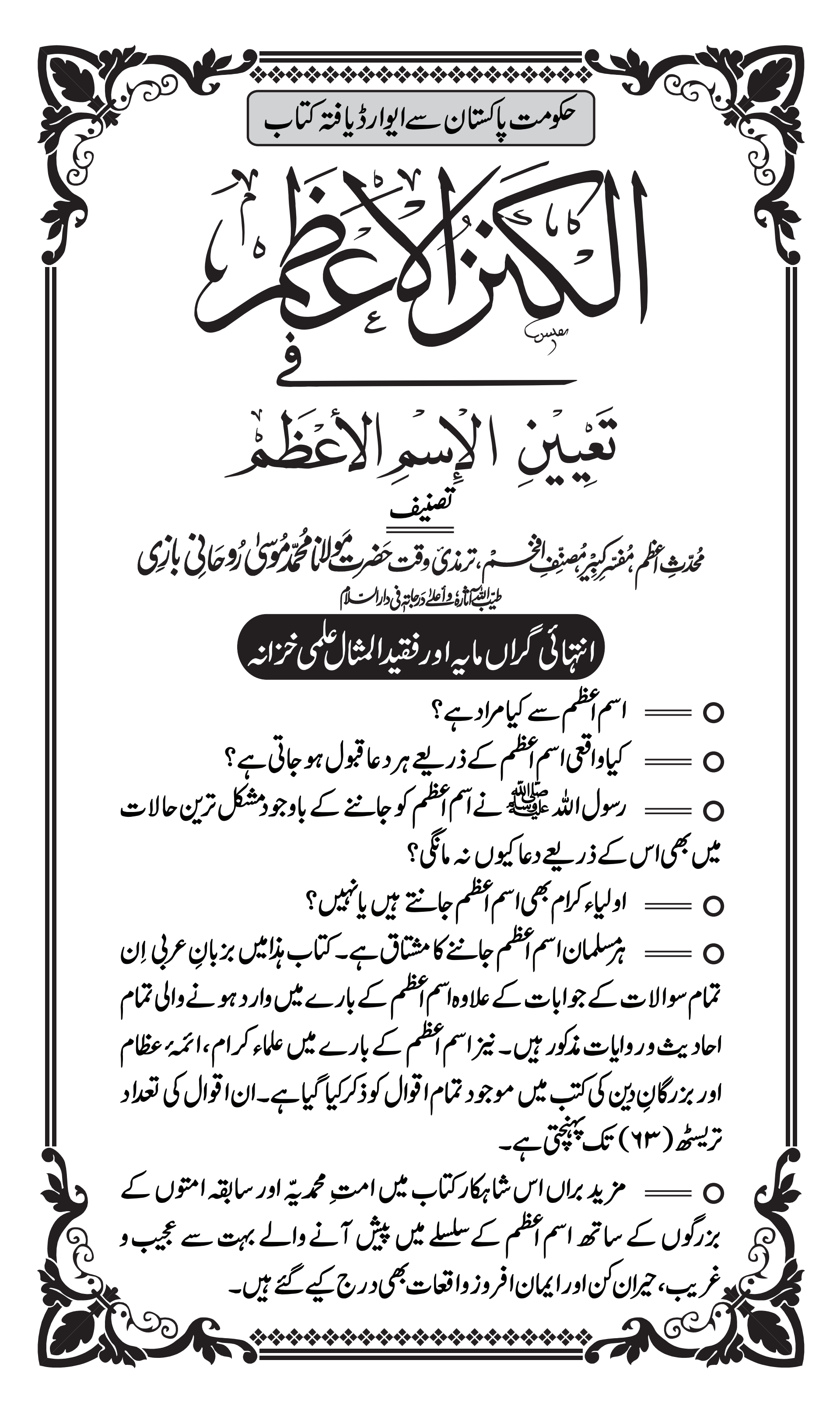
لإمام المحدّثین نجم المفسّرین زبدة المحقّقین

العلّامة الشّیخ مولانا محمّد موسیٰ الرّوحانی البازی

رحمہ اللہ تعالیٰ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السّلام

الہامی علوم کا درخشندہ وجگمگاتا سرمایہ

درودِ ابراہیمی میں "کما صلیت علیٰ ابراھیم" کے الفاظ میں دی گئی تشبیہ میں یہ مغلق اشکال ہے کہ حسب قانون مشبہ بہ افضل ہوتا ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خاتم النّبیین ﷺ سے افضل ہیں۔ بہت سے قدیم ومشہور مناظروں میں غیر مسلمین، مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے۔ اس کتاب میں بزبان عربی اس اشکال کے تقریباً ایک سو نوے **۱۹۰** محقق، دقیق، الہامی جوابات مؤلف نے ذکر کیے ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر جامعہ ازہر (مصر) کے شیخ اکبر جناب عبدالحلیم محمودؒ ورطۂ حیرت میں پڑ گئے اور فرمایا "اولادِ آدم میں ہم نے آج تک کسی علمی یا فنی مسئلے کے اس قدر کثیر جوابات دیکھے ہیں اور نہ سنے ہیں"۔



حکومت پاکستان سے ایوارڈ یافتہ کتاب

الکنز الاعظم
فی
تعیین الإسم الأعظم

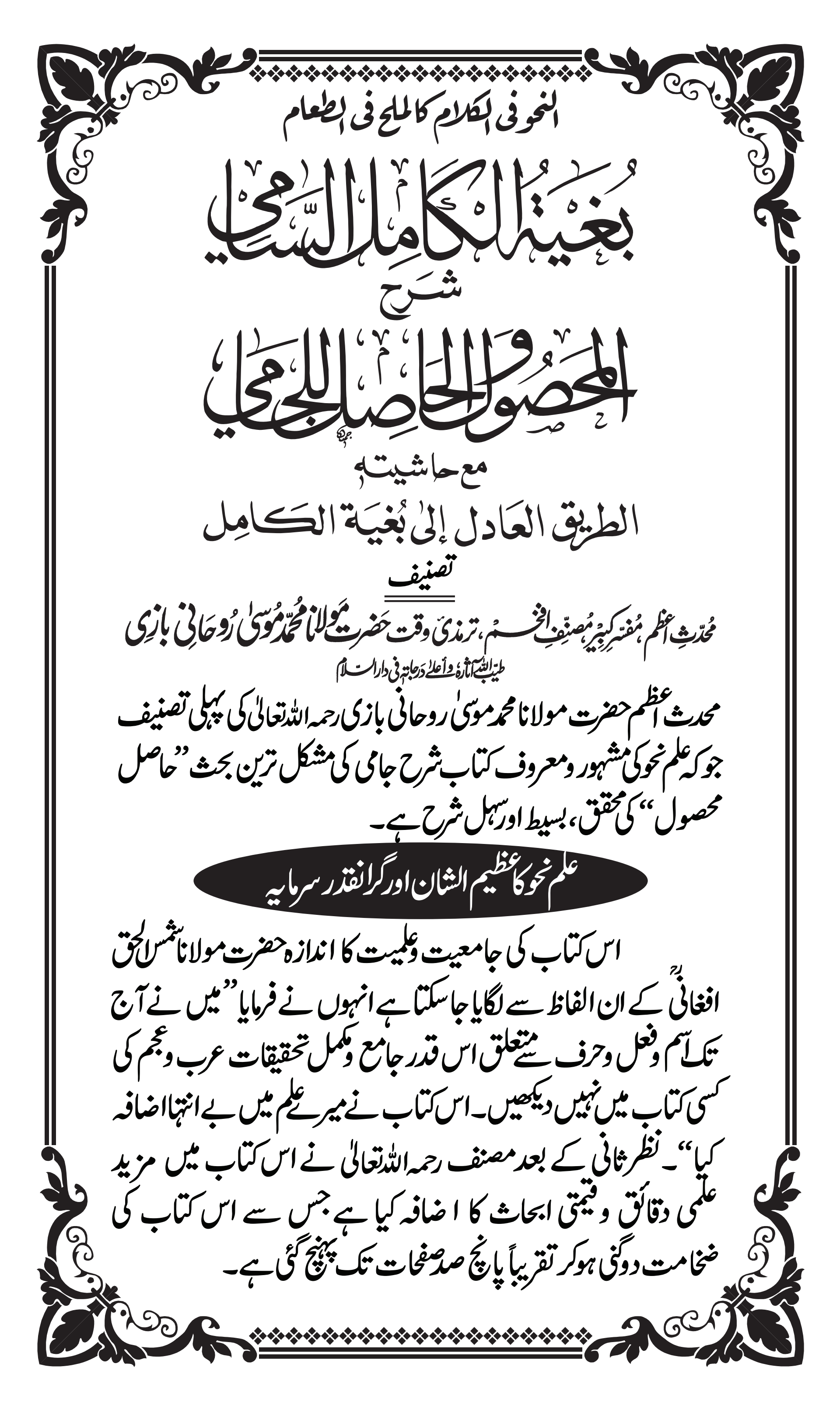
تصنیف

محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ و أعلیٰ درجاتہ فی دار السلام

انتہائی گراں مایہ اور فقید المثال علمی خزانہ

- اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟
- کیا واقعی اسم اعظم کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے؟
- رسول اللہ ﷺ نے اسم اعظم کو جاننے کے باوجود مشکل ترین حالات میں بھی اس کے ذریعے دعا کیوں نہ مانگی؟
- اولیاء کرام بھی اسم اعظم جانتے ہیں یا نہیں؟
- ہر مسلمان اسم اعظم جاننے کا مشتاق ہے۔ کتاب ہذا میں بزبانِ عربی اِن تمام سوالات کے جوابات کے علاوہ اسم اعظم کے بارے میں وارد ہونے والی تمام احادیث و روایات مذکور ہیں۔ نیز اسم اعظم کے بارے میں علماء کرام، ائمۂ عظام اور بزرگانِ دین کی کتب میں موجود تمام اقوال کو ذکر کیا گیا ہے۔ ان اقوال کی تعداد تریسٹھ (۶۳) تک پہنچتی ہے۔
- مزید براں اس شاہکار کتاب میں امتِ محمدیہ اور سابقہ امتوں کے بزرگوں کے ساتھ اسم اعظم کے سلسلے میں پیش آنے والے بہت سے عجیب و غریب، حیران کن اور ایمان افروز واقعات بھی درج کیے گئے ہیں۔



النحو فی الکلام کالملح فی الطعام

بغیۃ الکامل السامی

شرح

المحصول الحاصل للجامی

مع حاشیتہ

الطریق العادل إلی بغیۃ الکامل

تصنیف

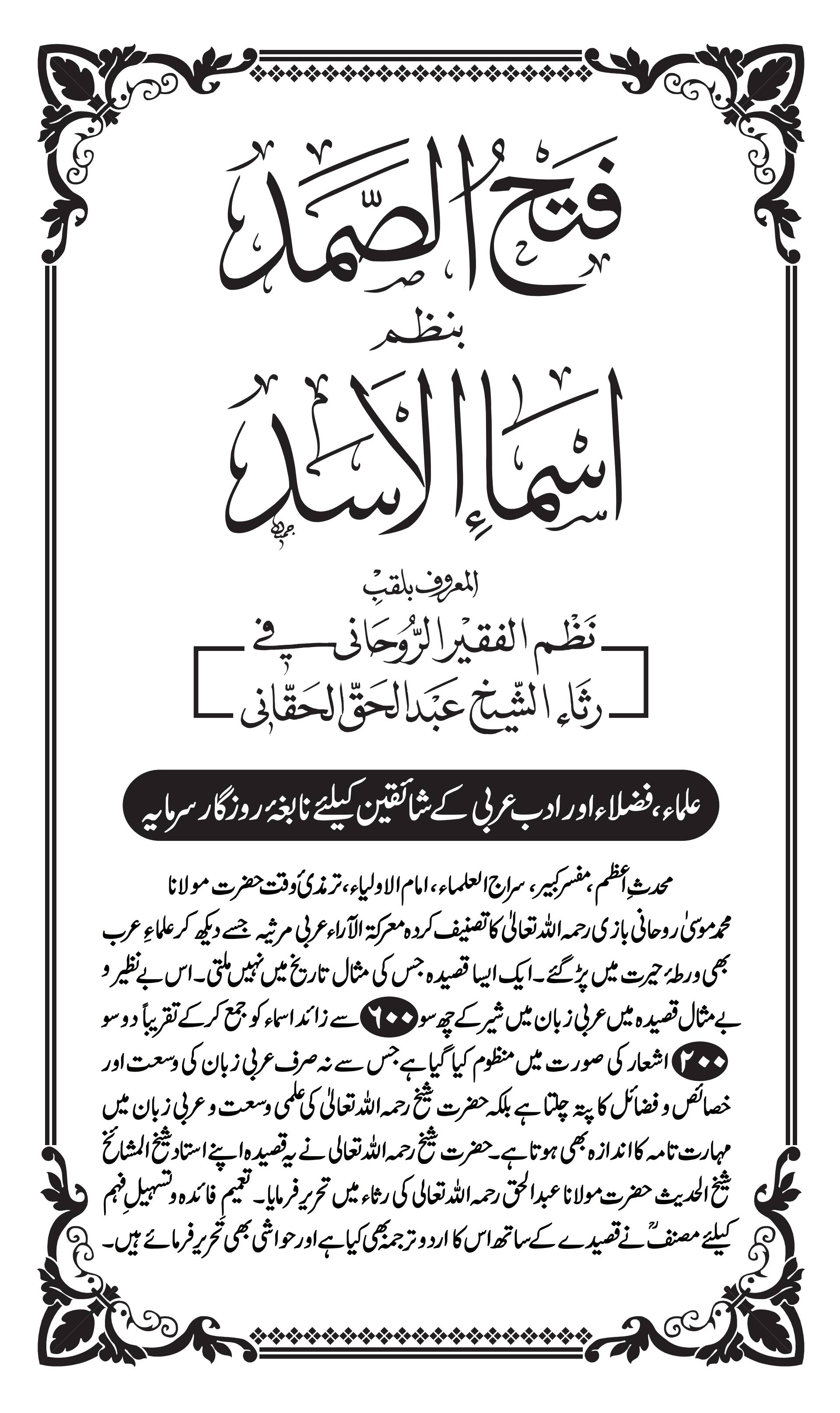
محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذئ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ و أعلی درجاتہ فی دار السلام

محدث اعظم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پہلی تصنیف جو کہ علم نحو کی مشہور و معروف کتاب شرح جامی کی مشکل ترین بحث "حاصل محصول" کی محقق، بسیط اور سہل شرح ہے۔

علم نحو کا عظیم الشان اور گرانقدر سرمایہ

اس کتاب کی جامعیت و علمیت کا اندازہ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے انہوں نے فرمایا "میں نے آج تک اسم و فعل و حرف سے متعلق اس قدر جامع و مکمل تحقیقات عرب و عجم کی کسی کتاب میں نہیں دیکھیں۔ اس کتاب نے میرے علم میں بے انتہا اضافہ کیا"۔ نظر ثانی کے بعد مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں مزید علمی دقائق و قیمتی ابحاث کا اضافہ کیا ہے جس سے اس کتاب کی ضخامت دوگنی ہو کر تقریباً پانچ صد صفحات تک پہنچ گئی ہے۔



فتح الصمد

بنظم

اسماء الاسد

المعروف بلقب

نظم الفقیر الرّوحانی فی رثاء الشّیخ عبد الحقّ الحقّانی

علماء، فضلاء اور ادب عربی کے شائقین کیلئے نابغۂ روزگار سرمایہ

محدثِ اعظم، مفسر کبیر، سراج العلماء، امام الاولیاء، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تصنیف کردہ معرکۃ الآراء عربی مرثیہ جسے دیکھ کر علماءِ عرب بھی ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ ایک ایسا قصیدہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس بے نظیر و بے مثال قصیدہ میں عربی زبان میں شیر کے چھ سو ۶۰۰ سے زائد اسماء کو جمع کر کے تقریباً دو سو ۲۰۰ اشعار کی صورت میں منظوم کیا گیا ہے جس سے نہ صرف عربی زبان کی وسعت اور خصائص و فضائل کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی وسعت و عربی زبان میں مہارت تامہ کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قصیدہ اپنے استاد شیخ المشائخ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی رثاء میں تحریر فرمایا۔ تعمیم فائدہ وتسہیلِ فہم کیلئے مصنف ؒ نے قصیدے کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔



النهج السهل

الی

مباحث الآل والأهل

تصنیف

مُحدّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ وأعلی درجاتہ فی دار السلام

انتہائی جامع، محقق اور عظیم الشان علمی خزانہ

- بزبان عربی تقریباً چار صد صفحات پر مشتمل عجیب و بدیع کتاب۔
- لفظ ”آل“ و ”اہل“ سے متعلق انتہائی جامع اور کامل ابحاث۔
- ”آل“ و ”اہل“ کے درمیان ۳۸ لطیف و دقیق فروق کی تشریح و توضیح۔
- ”آل نبی“ سے کون لوگ مراد ہیں؟
- آل نبی کے مصداق میں ائمۂ اسلام کے ۱۵ اقوال کی تفصیل۔
- اہل تشیع کے متعدد پیچیدہ اعتراضات کے دقیق جوابات۔
- جدید علمی مباحث وفنی دقائق جو دیگر کتب سلف و خلف میں نہ ملیں گے۔
- مزید برآں آج تک اسلاف کی تمام کتابوں میں لفظ ”آل“ کے صرف دو ماخذ مذکور رہیں مگر اس کتاب میں لفظ ”آل“ کے ۱۷ عجیب و غریب ماخذ کی توضیح مع ادلہ ہے جو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی مرتبے کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔



ایک مختصر لفظ یعنی "أما بعد" پر محدث اعظم، فقیہ افہم، امام العصر، حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی طیب اللہ آثارہ کی تحریر کردہ ایک عظیم اور منفرد کتاب۔

بلند علمی ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک منفرد، شاہکار اور گراں قدر علمی ذخیرہ

کتاب میں شامل چند اہم مباحث کی تفصیل۔

- "**أما بعد**" کا شرعی حکم کیا ہے؟
- سب سے پہلے لفظ "**أما بعد**" کس نے استعمال کیا؟
- "**أما بعد**" کن مواقع میں ذکر کیا جاتا ہے؟
- "**أما بعد**" کی اصل کیا ہے اور اس کا کیا معنی ہے؟
- "**أما بعد**" سے متعلق تمام ابحاث وتحقیقات۔
- نیز کتاب ہذا میں حضرت شیخ المشائخ رحمہ اللہ تعالی نے لفظ "**أما بعد**" کی نحوی ترکیب میں تیرہ لاکھ انتالیس ہزار سات سو چالیس ۱۳۳۹۷۴۰ وجوہ اعراب ذکر کی ہیں اور ان کی تشریح کی ہے۔ ایک مختصر سے لفظ کی اس قدر نحوی تراکیب پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان بے اختیار عربی زبان کو سید الألسنہ اور مصنف رحمہ اللہ کو سید المصنّفین کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
- مزید براں اس کتاب میں بہت سی ایسی دقیق ابحاث، علمی مسائل اور فنی غرائب کی تفصیل ہے جن کے حصول کیلئے علمی ذوق و شوق رکھنے والے حضرات بیتاب رہتے ہیں۔



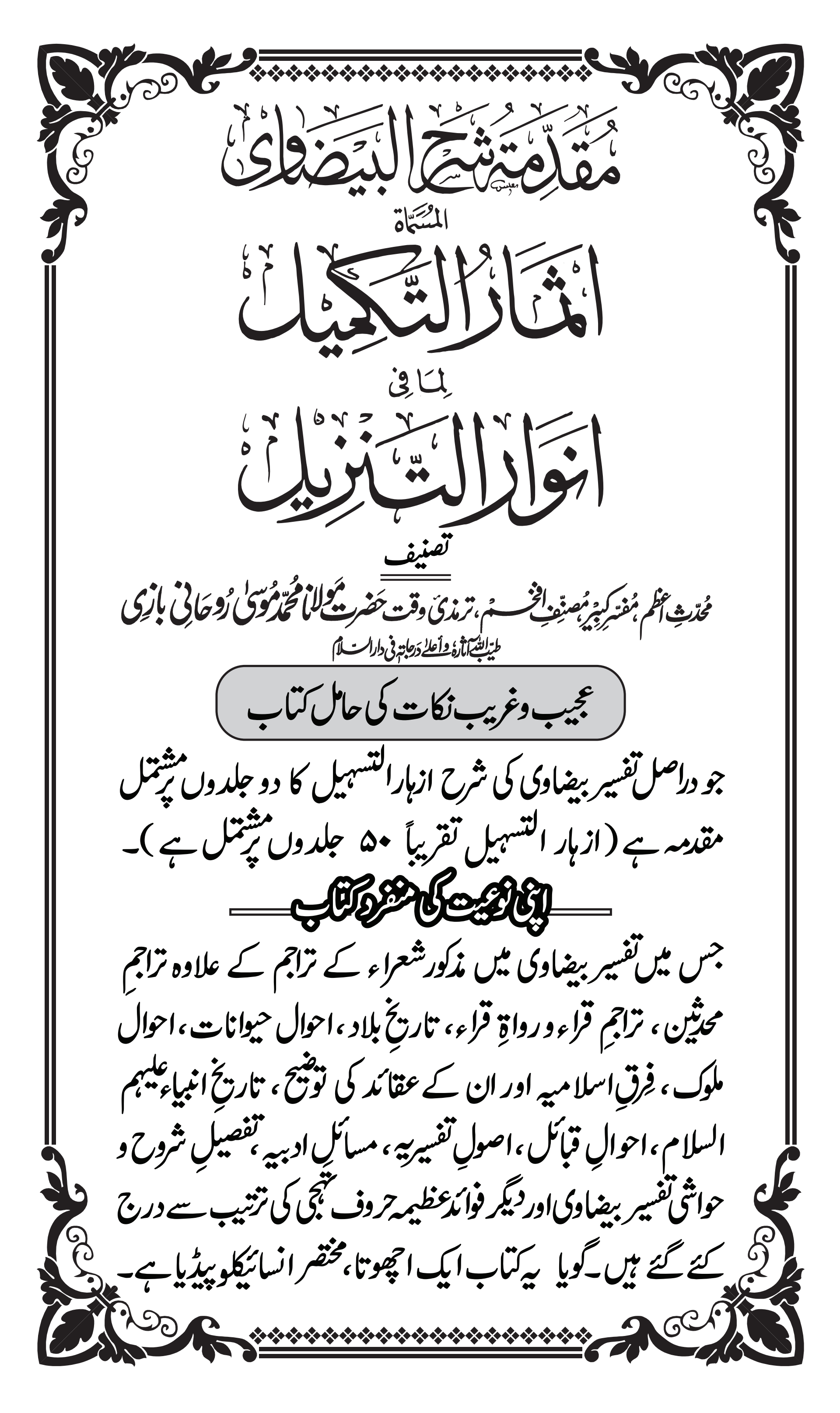
رِیَاضُ السُّنَن
شَرحُ السُّنَن لِلإمام التِرمذِي
محدّثِ اعظم، مُفسّرِکبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت
حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
طیّب اللہ آثارہ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السلام
سنن ترمذی کی بزبانِ اردو عظیم الشان شرح
محدث اعظم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیفِ لطیف۔ عرصہ دراز سے علماء وخواص اس کتاب کی اشاعت کا مطالبہ کرر ہے تھے۔ علم وحکمت کے بے بہا موتیوں سے لبریز ایک عظیم علمی شاہکار۔ اب تک صرف جلد ثانی زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔



امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی طیب اللہ آثارہ کی تصنیف کردہ انتہائی مبارک اور پرتاثیر کتاب۔

وظائف پڑھنے والوں کیلئے بیش بہا اور نادر خزانہ

حیرت انگیز تاثیر کی حامل درود شریف کی عجیب و غریب کتاب جو عوام و خواص میں بے انتہاء مقبول ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد اسماء کو احادیث کی مستند کتب سے انتہائی تحقیق کے بعد درود شریف کی شکل میں یکجا کیا ہے۔
کتاب کی ابتداء میں درود شریف کے فضائل اور کتاب پڑھنے کا طریقہ تفصیلاً درج ہے۔
حضرت محدث اعظمؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیشمار لوگوں نے بتلایا ہے کہ اس کتاب کے گھر میں پہنچتے ہی انہوں نے قلیل مدت میں اس کتاب کے عجیب و واضح فوائد محسوس کیے اور ان کی تمام مشکلات حل ہوئیں۔ وفات کے بعد ان کے ایک شاگرد نے خواب میں دیکھا کہ روضۂ رسول ﷺ کی جالی کا دروازہ کھلا اور اندر سے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ انتہائی خوشی کی حالت میں مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ شاگرد نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور عرض کیا کہ استاذی آپ کی قبر مبارک سے جنت کی خوشبو آرہی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت محدث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میری کتاب "برکاتِ مکیہ" کو بارگاہ نبوی ﷺ میں شرفِ قبولیت حاصل ہوا ہے اسی لئے میری قبر سے جنتی خوشبو آرہی ہے۔


مقدمۃ شرح البیضاوی
المسمّاۃ
اثمار التکمیل
لما فی
انوار التنزیل
تصنیف
محدثِ اعظم مفسرِ کبیر مصنفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
طیب اللہ آثارہ و اعلیٰ درجاتہ فی دار السلام
عجیب وغریب نکات کی حامل کتاب
جو دراصل تفسیر بیضاوی کی شرح ازہار التسہیل کا دو جلدوں پر مشتمل مقدمہ ہے (ازہار التسہیل تقریباً ۵۰ جلدوں پر مشتمل ہے)۔
اپنی نوعیت کی منفرد کتاب
جس میں تفسیر بیضاوی میں مذکور شعراء کے تراجم کے علاوہ تراجمِ محدثین، تراجمِ قراء و رواۃِ قراء، تاریخِ بلاد، احوال حیوانات، احوال ملوک، فرقِ اسلامیہ اور ان کے عقائد کی توضیح، تاریخِ انبیاء علیہم السلام، احوالِ قبائل، اصولِ تفسیریہ، مسائلِ ادبیہ، تفصیلِ شروح و حواشی تفسیر بیضاوی اور دیگر فوائد عظیمہ حروف تہجی کی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔ گویا یہ کتاب ایک اچھوتا، مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔



گلستانِ قناعت

مسمّٰی بہ

جَنَّۃُ القَنَاعَۃ

محدثِ اعظم، مفسر کبیر، شیخ المشائخ، ترمذیٔ وقت
شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
رحمہ اللہ تعالی کی ایک انتہائی مفید و محقق تصنیف

قناعت سے متعلق آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مرفوعہ و موقوفہ، اقوالِ صالحین، مواعظِ عارفین، حکایاتِ متقین، کراماتِ اولیاء اور واقعاتِ ائمۂ کرام کا نہایت مفید، روح پرور اور ایمان افروز ذخیرہ و گنجینہ

تقریباً چھ صد صفحات پر مشتمل ایک انتہائی عجیب و بدیع کتاب جو علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ اصلاحی، تبلیغی، اخلاقی مواعظ و نصائح پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دراصل اہل علم کے ایک استفتاء کا محققانہ، واعظانہ، حکیمانہ عارفانہ مفصل جواب ہے۔ اہل علم و دانش کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس کتاب سے پوری طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتابِ ہذا میں حرصِ دنیا، ترکِ قناعت اور حب دنیا کے تباہ کن نتائج کی تحقیق و تفصیل پیش کی گئی ہے مزید براں یہ کتاب زہد و قناعت کے علمی، اصلاحی، دنیوی و اخروی، اخلاقی، ظاہری و باطنی فوائد و برکات اور ثمرات کی ایمان افزا تفصیلات پر بھی مشتمل ہے۔ تکمیلِ افادہ کی خاطر کثرت سے مفید و رقت انگیز اشعار بھی ذکر کیے گئے ہیں۔



حکومت پاکستان سے ایوارڈ یافتہ کتاب

فلکیاتِ جدیدہ

و

سیر القمر و عید الفطر

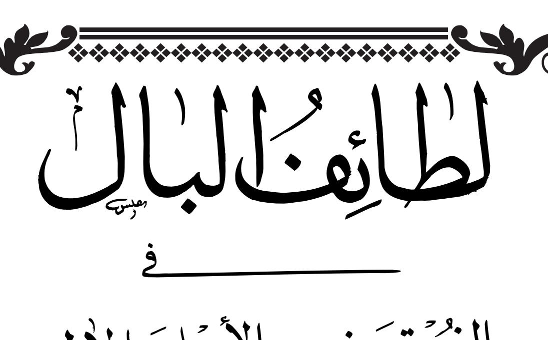
تصنیف محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذئ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السلام

علم فلکیات پر اردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

ستارے کیسے وجود میں آئے؟ سیارے اور ستارے میں کیا فرق ہے؟ ستاروں کی تعداد کتنی ہے؟ نظام شمسی کی پیدائش کیسے ہوئی؟ سیاروں کی دائمی گردش کا راز کیا ہے؟ کیا سماء اور فلک ایک شے ہیں؟ کیا ستارے آسمانوں میں پھنسے ہوئے ہیں یا ان سے نیچے ہیں؟ تقویم کسے کہتے ہیں؟ ہیئت کے بارے میں قدیم نظریات کیا ہیں؟ ہیئت جدیدہ کے اہم نظریات کون کونسے ہیں؟ کرہ ہوائی سے کیا مراد ہے؟ زیریں سرخ، بالائے بنفشی، لاسلکی اور ریڈیائی شعاعوں میں کیا فرق ہے؟ ہمیں آواز کیسے سنائی دیتی ہے؟ فضا ہمیں نیلگوں کیوں دکھائی دیتی ہے؟ کیا قرآن اور ہیئت جدیدہ کے نظریات میں کوئی اختلاف ہے؟ سال کے مختلف موسموں میں شب وروز کی لمبائی کیوں بدلتی ہے؟ کیا براعظم سرک رہے ہیں؟ سورج گرہن اور چاند گرہن کیوں ہوتا ہے؟ کائنات کتنی وسیع ہے؟ کائنات کی ابتداء کیسے ہوئی اور اسکی عمر کتنی ہے؟ علم ہیئت میں مسلمان سائینسدانوں نے کیا کارنامے سرانجام دیئے؟ قدیم مسلمان سائینسدانوں کی تحقیقات اور جدید ترین سائنسی تحقیقات میں کتنا فرق ہے؟

مندرجہ بالا موضوعات کے ساتھ ساتھ نظام شمسی کے سیارات کے حالات، چاند کی سرگزشت، آواز، روشنی کی اقسام، شب وروز، زمین کی گردش، سمت قبلہ، معجزۂ شق قمر، عناصر کا بیان، ہفتے کی تقرری کی وجوہات، براعظموں کا بیان، آسمانی بجلی کی تفصیل، زمین کی گردش، عرض بلد وطول بلد وغیرہ کے بارے میں مفصل ابواب ہیں۔ کتاب ہذا کے دوسرے حصے میں عید الفطر اور ہلال عید کے بارے میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جدید طباعت میں بیشمار قیمتی تصاویر کے علاوہ اسی (۸۰) سے زائد آرٹ پیپر کے صفحات پر رنگین و نادر تصاویر بھی شامل ہیں۔



لطائف البال

فی

الفروق بین الأهل والآل

تصنیف محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذئ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
طیب اللہ آثارہ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السلام

لفظ "آل" اور "اہل" کے درمیان فروق پر مشتمل مختصر کتاب۔ کتب اسلامیہ عربیہ میں لفظ "آل" اور لفظ "اہل" نہایت کثیر الاستعمال ہیں۔ ان دونوں لفظوں میں حضرت محدث اعظم مختلف دقیق فروق کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ مدرسین حضرات اور طلباء کیلئے نہایت قیمتی تحفہ۔

کتاب

الأربعین البازیة

تصنیف محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ افخم، ترمذئ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی
طیب اللہ آثارہ وأعلیٰ درجاتہ فی دار السلام

حضرت محدث اعظم رحمہ اللہ تعالی کی منتخب کردہ نہایت قیمتی چالیس احادیث کا مجموعہ۔



في

نسبة سبع عرض الشعيرة

إمام المحدثين نجم المفسرين زبدة المحققين

العلامة الشيخ مولانا محمد موسى الروحاني البازي

رحمه الله تعالى وأعلى درجاته في دار السلام

علماء وطلباء کے لئے نہایت مفید علمی خزانہ

ہیئت قدیم میں لکھی جانے والی یہ کتاب دراصل تصریح و شرح چغمینی کے ایک مشکل مقام کی شرح وتوضیح ہے۔ عربی زبان میں لکھی جانے والی یہ کتاب بہت سے ایسے قیمتی، علمی نکات پر مشتمل ہے جو اہل علم کے لئے نہایت گرانقدر سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔



کلاهما لإمام المحدّثين نجم المفسّرين زبدة المحقّقين

العلامة الشيخ مولانا **محمّد موسیٰ** الروحاني البازي

رحمه الله تعالیٰ وطيّب آثاره

جدید ہیئت کے مسائل ومباحث کا عظیم خزانہ وجامع فتاویٰ

مدارس دینیہ کی سب سے بڑی تنظیم وفاق المدارس العربیہ کے اراکین علماء کبار کی فرمائش پر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالی نے بزبان عربی دو جلدوں میں یہ ضخیم کتاب تالیف کی جس کے ساتھ نہایت مفصل اردو شرح بھی ہے جس کی وجہ سے اردو خواں حضرات بھی اس سے مکمل استفادہ کر سکتے ہیں۔ جدید ترین تحقیقات وآراء پر مشتمل یہ بے مثال کتاب جدید ہیئت کے مسائل ومباحث کا عظیم خزانہ وجامع فتاوی ہے۔ کتاب کے آخر میں علم ہیئت کی اصطلاحات کا نہایت اہم ومفید رسالہ بھی ہے۔ پس ہیئت کبریٰ دراصل تین نادر کتابوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب بہت سی قیمتی اور نایاب تصاویر پر مشتمل ہے۔



کلاھما لإمام المحدثین نجم المفسرین زبدۃ المحققین

العلامۃ الشیخ مولانا محمد موسی الروحانی البازی

رحمہ اللہ تعالی وطیب آثارہ

علم فلکیات کا شوق رکھنے والے حضرات کیلئے ایک درِّ نایاب

یہ دوسری کتاب ہے جو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالی نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی کمیٹی برائے نصاب کتب کے اراکین علماء کبار و مشائخ عظام کی فرمائش پر تصنیف کی۔ عربی متن کے ساتھ ساتھ انتہائی مفصل اردو شرح ہے جس کی وجہ سے اردو خواں طبقہ بھی اس سے مکمل فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ کتاب ایک شاہکار اور درِّ نایاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی افادیت و جامعیت کے پیش نظر پاکستان، ایران، افغانستان کے بہت سے مدارس نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب بیشمار قیمتی اور نایاب رنگین و غیر رنگین تصاویر پر مشتمل ہے۔ ہیئت کبریٰ، ہیئت وسطیٰ اور ہیئت صغریٰ تینوں کتب کو سعودی حکومت نے ان کی علمیت و جامعیت کے پیش نظر بڑی تعداد میں منگوا کر علماء کرام میں تقسیم کیا ہے۔



كلاهما لإمام المحدثين نجم المفسرين زبدة المحققين
العلامة الشيخ مولانا **محمد موسیٰ** الروحانی البازی
رحمه الله تعالیٰ وطیّب آثاره

علم فلکیات کی دقیق مباحث پر مشتمل ایک قیمتی کتاب

یہ تیسری کتاب ہے جو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالی نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی کمیٹی برائے نصاب کتب کے اراکین علماء کبار و مشائخ عظام کی فرمائش پر تصنیف کی۔ عربی متن کے ساتھ ساتھ انتہائی مفصل اردو شرح ہے مصنف نے اس چھوٹے حجم والی کتاب میں علم ہیئت کی انتہائی کثیر اور دقیق مباحث جمع کر کے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ مؤلف کی دیگر تالیفاتِ علم ہیئت کی طرح یہ کتاب بھی جامع، محقق اور جدید مسائل فن پر حاوی ہونے کے علاوہ بہت سی قیمتی رنگین و غیر رنگین تصاویر پر مشتمل ہے۔



قصیدۂ طوبیٰ

فی

اسماءِ اللہ الحسنیٰ

تصنیف

محدثِ اعظم، مفسرِ کبیر، مصنفِ اضخم، ترمذئ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

طیب اللہ آثارہ و أعلی درجاتہ فی دار السلام

پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا لوگوں کیلئے ایک عظیم تحفہ

نہایت مبارک اور بے مثال و بے نظیر قصیدہ

اس مبارک قصیدے میں اللہ جل جلالہ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ سمیت تقریباً پونے دوصد نام نظم کیے گئے ہیں۔ قصیدۂ طوبیٰ عالم اسلام کا پہلا قصیدہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء دعا کے انداز میں بزبان عربی منظوم ہیں اور عوام الناس کی آسانی کیلئے اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ عرب و عجم میں بے شمار علماء وخواص وعوام نے اس قصیدے کو تکالیف، پریشانیوں اور مصائب سے نجات، مشکلات کے حل اور قضائے حاجات کے لیے بے انتہاء مفید پایا ہے۔ قصیدۂ طوبیٰ پڑھنا شروع کیجئے چند دن میں ہی آپ خود اس کی برکات کا مشاہدہ کرلیں گے



قصیدۂ حُسنیٰ

فی

اسماءِ النبی الاعظمؐ

تصنیف

محدِّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمد موسیٰ رُوحانی بازیؒ

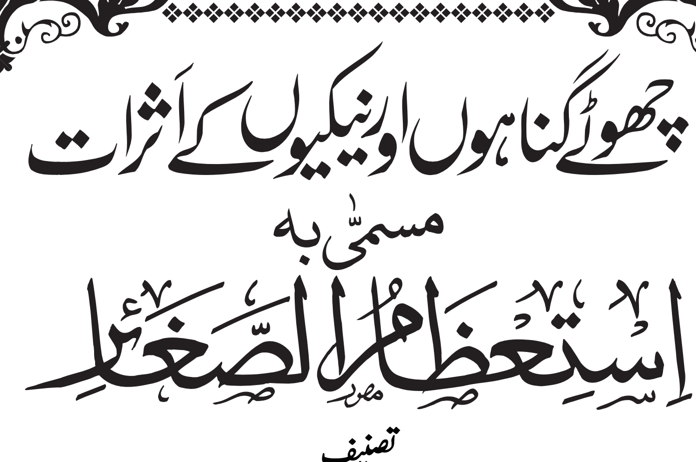
طیب اللّٰہ آثارہٗ و اعلیٰ درجاتہٗ فی دار السلام

دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا اور نہایت مبارک قصیدہ

حل مشکلات اور قضائے حاجات کیلئے بے انتہاء مفید

قصیدۂ حسنیٰ دنیائے اسلام کا پہلا قصیدہ ہے جس میں پانچ سو (500) سے زیادہ مستند اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعائیہ طریقے سے بزبانِ عربی منظوم ہیں۔ تکمیل فائدہ اور آسانی کے لئے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ عرب و عجم میں نہایت مقبول و معروف ہے۔

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ)، افغانستان، ایران، بنگلہ دیش، امریکہ، برطانیہ، عراق، مصر، سری لنکا، برصغیر پاک و ہند اور دیگر بہت سے ممالک میں بیشمار اولیاء اللہ و عوام اسے بطور وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ تکالیف و مشکلات کو دور کرنے اور قضائے حاجات کیلئے نہایت مؤثر، مفید اور مجرب ہے۔ قصیدۂ حسنیٰ پڑھنا شروع کرتے ہی چند ایام میں آپ اپنے ہر کام میں واضح برکات محسوس کریں گے۔



تصنیف

مُحدّثِ اعظم، مُفسّرِ کبیر، مُصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا مُحمّد موسیٰ رُوحانی بازِی

طیّب اللّٰہ آثارہٗ و أعلیٰ درجاتہٗ فی دار السّلام

قلب وروح کی تسکین کا سامان لئے ہوئے ایک منفرد کتاب

اندھی مادیت کے اس عہدِ زیاں کار میں گناہوں کی یلغار بڑھتی جارہی ہے جس نے دولتِ ایمان و یقین سے بہرہ مند باعمل مسلمانوں کو سخت صدمے سے دوچار کررکھا ہے تو عام مسلمان بھی روح واحساس سے عاری اس زندگی میں شدید مایوسی اور پریشانی کا شکار ہیں۔ اس مایوسی کے عالم میں گناہوں اور نیکیوں کی حقیقت اوران کی تاثیر سے روشناس کروانے والی یہ البیلی کتاب روشنی وہدایت کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ زبان و بیان کی تاثیر لیے ہوئے یہ عجیب و منفرد کتاب جس کا لفظ لفظ اور سطر سطر دل کے دریچوں پر دستک دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مزید برآں اس مبارک کتاب میں امتِ محمدیہ اور گذشتہ امتوں کے بہت سے بزرگوں کے ایمان افروز واقعات بھی درج کیے گئے ہیں ۔ نیز اس کتاب میں بہت سے ایسے مختصر اعمال و مختصر دعائیں بھی مذکور ہیں جن کا ثواب بہت زیادہ ہے۔



رِزقِ اَولیاءکے پوشیدہ اَسباب

مسمّٰی بہ

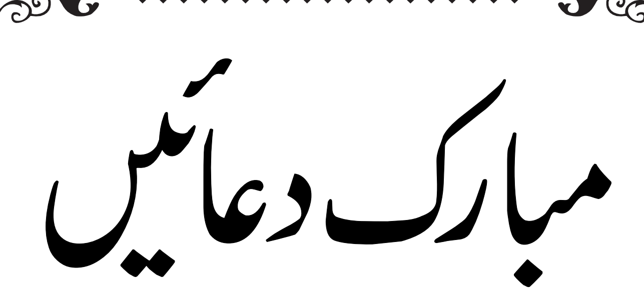
تعلِیمُ الرِّفق فی طلبِ الرِّزق

تصنیف

محدِّثِ اعظم، مفسّرِ کبیر، مصنّفِ افخم، ترمذیٔ وقت حضرت مولانا محمّد موسیٰ رُوحَانی بازِی

طیّب اللّٰہ آثارہٗ و أعلیٰ درجاتہٗ فی دار السلام

رزقِ حلال کا میسر آنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ زمانۂ حاضر میں ہر آدمی کثرتِ مصائب اور کثرتِ حاجات کے افکار کی وجہ سے پریشان اور بے چین ہے۔ اس پریشانی اور بے چینی کی سب سے بڑی وجہ مال کی محبت و حرص ہے۔ مال کی محبت ہر برائی اور ہر گناہ کی جڑ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان حلال و حرام کی تمیز ترک کر کے ہر گناہ کے ارتکاب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں رزق حلال کی ترغیب اور حرام مال کی ترہیب سے متعلق عبرت انگیز واقعات، ایمان افروز اقوال، درد انگیز حکایات اور بزرگوں کے نصیحت آمیز مواعظ کا ایمانی ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ موقع بہ موقع مفید اشعار بھی درج کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب دراصل حضرت محدث اعظم کی دو قیمتی کتب ''ترغیب المسلمین'' اور ''گلستان قناعت'' کا خلاصہ ہے۔



مبارک دعائیں

مرتب

عبدِ ضعیف محمد زہیر رُوحانی بازِی عفا اللہ عنہ وعافاہ

حکومت پاکستان سے ایوارڈ یافتہ کتاب

چھوٹی اور مختصر دعاؤں کا مجموعہ جس نے ملک بھر میں مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کر دیئے۔ جیبی سائز کی اس نہایت مبارک کتاب میں ایسی مختصر دعائیں جمع کی گئی ہیں جن کا ثواب و فائدہ بہت زیادہ ہے۔ جو احباب اپنے فوت ہو جانے والے عزیز و اقارب کے لیے صدقۂ جاریہ کے طور پر اس کتابچہ کو طبع کروا کر تقسیم کروانا چاہیں وہ ادارہ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔



خوشخبری: اب تمام دروس www.dars-e-nizami.com سے ڈاؤنلوڈ کیجئے یا YouTube پر سنئے۔
YouTube Channel: Jamia Muhammad Musa Albazi



علمِ صرف میں کمزور طلباء وطالبات کیلئے عظیم خوشخبری

ابتدائی طلباء کیلئے دنیا کی آسان ترین اور جامع ترین علمِ صرف

ترمذیٔ وقت محدثِ اعظم مفسرِ کبیر، حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے انوارات وبرکات والا علمِ صرف کا انتہائی مبارک ونافع طریقہ

اب اردو ترجمہ والا ابواب الصرف کا جدید ایڈیشن بھی دستیاب ہے

مدارسِ دینیہ کے بعض طلباء عربی عبارت نہیں پڑھ سکتے، عموماً اس کی بنیادی وجہ علم صرف میں کمزوری ہوتی ہے کیونکہ علم نحو میں مہارت کیلئے علم صرف میں مہارت نہایت ضروری ہے۔ ایسے مایوس طلباء کیلئے یہ ابواب نعمتِ غیر مترقبہ ہیں۔ بڑے درجات کے طلباء صرف تین چار ماہ کے مختصر عرصے میں ان ابواب کو یاد کر کے اپنی علمی بنیاد کو خوب مضبوط کر سکتے ہیں۔

علم صرف پڑھانے والے مدرّسین حضرات کیلئے ایک عظیم علمی خزانہ

مدرّسین حضرات اپنے تلامذہ کی مضبوط علمی بنیاد بنانے کے لئے ایک مرتبہ یہ ابواب پڑھانے کا تجربہ ضرور کرلیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ صرف ایک مرتبہ کے تجربہ سے ہی وہ ان ابواب کو ہمیشہ کیلئے اپنالیں گے۔ پاکستان وبیرون ملک میں طلباء وطالبات کے جن مدارس نے بھی ان ابواب کا تجربہ کیا وہ اس کے ناقابل یقین نتائج دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ان ابواب کو پڑھانے اور سننے کا خاص طریقہ جاننے کیلئے حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے مولانا محمد زہیر روحانی بازی حفظہ اللہ کے دروس انٹرنیٹ (یوٹیوب وغیرہ) پر موجود ہیں جن سے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

مزید معلومات وتفصیلات کیلئے جامعہ محمد موسیٰ البازی رابطہ نمبر 0301-8749911

جامعہ محمد موسیٰ البازی برہان پورہ، عقب گورنمنٹ بوائز ہائی سکول رائے ونڈ لاہور